يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ

کِتَابُ الرُّوْح

رُوح کا انسائیکلوپیڈیا

روح کیا ہے؟ روح کہاں سے آتی اور کہاں جاتی ہے؟ کس طرح آتی اور کس طرح جاتی ہے؟

اس کے آنے سے جسم کس طرح آباد اور جانے سے کس طرح ختم ہو جاتا ہے؟

قرآن وسنت کی روشنی میں ان سوالات کا جواب

تالیف

امام ابن قیمؒ

ترجمہ

مولانا عبدالمجید صدیقی

فاضل جامعہ اشرفیہ لاہور

پیش لفظ

مادی تصورِ حیات کی رُو سے انسان عبارت ہے صرف اس کے طبعی جسم سے۔ اس جسم کی مشینری طبعی قوانین کے تابع سرگرمِ عمل رہتی ہے۔ اور جب انہیں قوانین کے مطابق وہ چلنے سے رُک جاتی ہے تو اسے موت کہتے ہیں جس سے اُس فرد کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ یعنی

زندگی کیا ہے عناصر میں ظہورِ ترتیب
موت کیا ہے انہیں اجزاء کا پریشاں ہونا

اسلامی تصورِ حیات کی رُو سے انسان عبارت ہے اس کے طبعی جسم اور اُس کی "رُوح" سے۔ اس کی "رُوح" طبعی قوانین کے تابع نہیں ہوتی اس لئے جب طبعی قوانین کے مطابق انسانی جسم کی مشینری حرکت کرنے سے رُک جاتی ہے تو اس سے اس کی ذات کا کچھ نہیں بگڑتا۔ وہ اس کے بعد بھی زندہ رہتی ہے۔

قرآن کریم میں انسانی تخلیق کے سلسلہ میں ابتدائی کڑیاں تو وہی ہیں جو عام حیوانات کی تخلیق سے متعلق ہیں لیکن اس کے بعد انسان کو دوسرے حیوانات سے یہ کہہ کر ممتاز کر دیا ہے کہ:

و نفخ فیہ من رُّوحِہ (۹/۳۲)

یعنی "اس میں خدا نے اپنی "رُوح" پھونکی۔"

از منۂ قدیم سے لے کر آج کے جدید سائنسی دور تک مختلف فلسفہ و مذاہب کے پیشواؤں نے اس موضوع پر روشنی ڈالی ہے اور اپنا اپنا راگ الاپا ہے مگر نتیجہ بقول اکبر الٰہ آبادی ؎

ڈور کو سلجھا رہے ہیں اور سرا ملتا نہیں

زیرِ نظر کتاب کا موضوع بھی ''روح'' ہی ہے یہ عالم اسلام کے مایہ ناز محقق و مصنف علامہ حافظ ابن قیم کی گراں قدر تصنیف ہے جو ان کی سالہا سال کی دیدہ ریزی کا ماحصل ہے۔

علامہ موصوف نے کتاب و سنت کی روشنی میں روح کے متعلق کیس (۲۱) مختلف سوالات کے جوابات دیئے ہیں اور روح سے متعلق ہر زاویہ سے سیر حاصل بحث کی ہے۔ آپ اس کاوش کو بلاشبہ روح کے موضوع پر ایک انسائیکلو پیڈیا قرار دے سکتے ہیں۔ ''کتاب الروح'' کا عمیق مطالعہ انسان میں خوف خدا پیدا کرتا ہے اور برے اعمال سے مجتنب رہنے اور توبہ کا میلان دل میں پیدا کرتا ہے۔

اس کتاب کا اردو ترجمہ مولانا عبدالمجید صدیقی صاحب فاضل جامعہ اشرفیہ کے قلم کا نتیجہ ہے جو نہایت صاف سلیس اور رواں ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ دوست ایسوسی ایٹس کی ایسی علمی کتابوں کی اشاعت کی کوشش کو قبول فرمائے۔

احقر العباد

حافظ ادریس اعوان

فہرست

چوتھا حصہ

پانچواں حصہ

چھٹا حصہ

ساتواں حصہ

آٹھواں حصہ

نواں حصہ

دسواں حصہ

گیارہواں حصہ

بارہواں حصہ

تیرہواں حصہ

چودھواں حصہ

پندرہواں حصہ

سولہواں حصہ

سترہواں باب

اٹھارہواں حصہ

انیسواں حصہ

بیسواں حصہ

اکیسواں حصہ

☆ ☆ ☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پہلا حصہ

کیا مردے قبروں پر آنے والوں کو پہچانتے اور انکا سلام سنتے ہیں؟

مردے قبروں پر آنے والوں کو کیا پہچانتے اور ان کا سلام سنتے ہیں؟ ابن عبدالبرؒ روایت کرتے ہیں کہ رحمۃ اللعالمین ﷺ نے فرمایا کہ جو مسلمان کسی ایسے شخص کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے جس سے زندگی میں اس کی جان پہچان تھی اور اس پر سلام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس میں روح ڈال دیتا ہے یہاں تک کہ وہ اس کے سلام کا جواب دے دیتا ہے پس معلوم ہوا کہ مردہ قبر میں آنے والے کو پہچانتا ہے اور اس کے سلام کا جواب بھی دیتا ہے۔ مختلف اسناد سے بخاری و مسلم شریف میں ہے کہ رحمۃ اللعالمین (ﷺ) کے حکم سے بدر کے مقتول ایک گڑھے میں دفن کر دیئے گئے تھے پھر آپؐ اس گڑھے کے نزدیک آ کر کھڑے ہوئے اور ان کے نام پکار کر فرمایا۔ کیا تم نے اپنے رب کے وعدے کو سچا پا لیا؟ میں نے تو سچا پایا لیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: یارسول اللہ ﷺ! کیا آپ ان سے گفتگو فرما رہے ہیں جن کی لاشیں بھی سڑ چکیں؟ فرمایا: اس کی قسم جس نے مجھے سچا رسول بنا کر بھیجا ہے' میری بات تم بھی ان سے زیادہ نہیں سنتے' مگر یہ جواب نہیں دے سکتے۔ آپؐ سے یہ بھی ثابت ہے کہ جب دفن کے بعد لوگ واپس آتے ہیں تو مردہ ان کے قدموں کی آواز سنتا ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے اپنی امت کو یہ بھی تعلیم دی ہے کہ جب وہ مردوں کو سلام کریں تو خطاب کے ساتھ سلام کریں یعنی:

((السلام علیکم دار قوم مؤمنین))۔

اے مومنو! سلامتی ہو تم پر۔

اس قسم کا تخاطب اسی سے کیا جاتا ہے جو سن سکتا ہو اور سمجھ سکتا ہو اور سمجھتا ہو ورنہ یہ خطاب ایسا ہو گا جیسا غیر موجود اور بے جان ہستی سے ہوتا ہے (جو صحیح نہیں ہے) اسلاف اس پر متفق ہیں کہ مردے زیارت کرنے والوں کو پہچانتے اور ان سے خوش ہوتے ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رحمۃ اللعالمین ﷺ نے فرمایا جو آدمی اپنے بھائی کی قبر پر جاتا ہے اور اس کے قریب بیٹھتا ہے تو صاحب قبر اس سے مانوس ہوتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔ جب تک کہ وہ وہاں سے اٹھ کر نہ آ جائے۔ (ابن ابی الدنیا۔ در کتاب القبور)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رحمۃ اللعالمین ﷺ نے فرمایا اگر کوئی شخص اپنے جان پہچان والے بھائی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے اور اس پر سلام کرتا ہے تو وہ اس کے سلام کا جواب دیتا ہے اور اسے پہچان جاتا ہے اور اگر کسی اجنبی کی قبر سے گزرتا ہے اور سلام کرتا ہے تو وہ بھی اس کے سلام کا جواب دے دیتا ہے۔ (ابن ابی الدنیا)

عاصم علیہ الرحمۃ کو خواب میں دیکھنا

عاصم جحدریؒ کے خاندان کے ایک فرد کا بیان ہے کہ میں نے عاصم کے انتقال کے سال بعد انہیں خواب کے دوران دیکھا۔ دریافت کیا آپ فوت نہیں ہو گئے تھے؟ فرمایا کیوں نہیں پوچھا۔ اب آپ کہاں ہیں؟ فرمایا فردوس کے ایک باغ میں ہوں۔ میں اور میرے کچھ ساتھی جمعہ کی رات کو اور جمعہ کی صبح کو بکر بن عبداللہ مزنیؒ کے پاس اکٹھے ہوتے ہیں اور تمہارے سب احوال معلوم کرتے ہیں۔ میں نے پوچھا کیا مع جسموں کے جمع ہوتے ہیں یا صرف ارواح جمع ہوتی ہیں؟ فرمایا جسم تو فنا ہو چکے ہاں روحیں باہم ملاقات کرتی ہیں میں نے پوچھا کیا تمہیں ہماری زیارت کا علم ہو جاتا ہے؟ فرمایا: ہاں جمعہ کے تمام دن اور ہفتہ کے دن سورج کے نکلنے تک علم ہوتا ہے۔ میں نے پوچھا جمعہ اور ہفتہ کی کیوں خصوصیت ہے؟ فرمایا اس لیے کہ جمعہ کا دن فضیلت و عظمت والا ہے۔

امام حسنؒ قصاب کی روایت

حسن قصاب بیان کرتے ہیں کہ ہم ہفتہ کے روز محمد بن واسع کے ساتھ علی الصباح گورستان جا کر مردوں کو سلام کر کے ان کے لیے دعائیں کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ میں نے محمد سے کہا کہ بجائے ہفتہ کے آپ سوموار کا دن طے کر لیں تو بہتر ہے۔ فرمایا مجھے خبر ملی ہے کہ جمعرات، جمعہ اور ہفتہ مردوں کو زیارت کرنے والوں کا علم ہوتا ہے۔ (ثوری)

ضحاک کہتے ہیں کہ جو ہفتے کو طلوع آفتاب سے پہلے کسی قبر کی زیارت کرے گا مردے کو اس کی زیارت کا علم ہو جائے گا۔ پوچھا گیا کہ ایسا کیوں ہے؟ فرمایا اس لیے کہ جمعہ کا دن ابھی گزرا ہے (قرب

جمعہ کی وجہ سے ہفتہ کی ابتدائی ساعتوں کو یہ خصوصیت حاصل ہے)۔

مطرف کا قصہ

ابوالسیاح سے بیان کیا گیا ہے کہ مطرف ہر روز صبح سویرے آتے تھے مگر جمعہ کے روز تاریکی میں کافی رات گزر جانے کے بعد آیا کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے ان کا کوڑا اندھ تاریک رات میں روشن ہو جایا کرتا تھا۔ ایک شب گھوڑے پر سوار ہو کر قبرستان کے قریب سے گزرے۔ دیکھا کہ ہر قبر والا اپنی قبر پر بیٹھا ہے۔ سب نے انھیں دیکھ کر کہا۔ لو یہ مطرف ہیں جو ہمارے پاس ہر جمعہ کو آتے ہیں۔ میں نے پوچھا کیا تمہیں بھی جمعہ کے دن کی خبر رہتی ہے۔ بولے: "ہاں" اور اس دن پنچھی جو کچھ کہتے ہیں اس کی بھی خبر رہتی ہے۔ میں نے پوچھا پکھیرو کیا کہتے ہیں؟ بولے وہ سلام سلام کہتے ہیں۔

فضل کا اپنے والد کے خواب آنا

ابن عیینہ کے ماموں کے بیٹے فضل سے مروی ہے کہ جب میرے والد فوت ہو گئے تو مجھے بہت ملال ہوا۔ میں ہر روز ان کی قبر کی زیارت کرتا تھا۔ پھر کچھ دنوں کے لیے نہیں گیا۔ پھر ایک دن قبر کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ اتفاقاً آنکھ لگ گئی۔ میں نے دیکھا جیسے والد صاحب کی قبر شق ہو گئی۔ وہ قبر میں کفن میں ملفوف بیٹھے ہیں۔ اور مردوں کی سی شکل ہے۔ یہ منظر دیکھ کر میں رونے لگا۔ پوچھا بیٹا! اتنے روز کیوں نہیں آئے؟ میں نے کہا: کیا آپ کو میری آمد کی خبر ہو جاتی ہے۔ فرمایا: جس دفعہ بھی تم آئے تمہارے آنے کی مجھے خبر ہو گئی۔ تمہارے آنے سے اور تمہاری دعاؤں سے نہ صرف مجھے بلکہ میرے آس پاس والوں کو بھی انسیت وخوشی ہوتی ہے۔ اس خواب کے بعد پھر میں مسلسل ان کی قبر پر آتا جاتا رہا۔

عثمان بن سودہ کا اپنی والدہ کے خواب میں آنا

عثمان بن سودہ کا بیان ہے کہ میری والدہ بڑی عابدہ تھیں۔ اسی سبب سے لوگ انھیں راہبہ کہا کرتے تھے۔ نزع کے وقت انھوں نے آسمان کی جانب سر اٹھا کر فرمایا کہ اے میرے ذخیرے اور اے وہ جس پر زندگی بھر مجھے اعتماد رہا اور موت کے بعد بھی ہے موت کے وقت مجھے رسوا نہ کرنا۔ اور قبر کی وحشت سے بچانا۔ پھر وہ فوت ہو گئیں۔ میں ہر جمعہ کو ان کی قبر پر جا کر ان کے لیے اور دیگر قبر والوں کے لیے مغفرت کی دعا کیا کرتا تھا۔ ایک روز میں نے انھیں خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ امی جان کیا حال ہے؟ فرمایا:

بیٹا! موت نہایت بے چین کر دینے والی ہے۔ الحمد للہ میں قابل تعریف برزخ کے عالم میں ہوں۔ ہم پھول بچھاتے ہیں اور نرم و گداز ریشم کے گدوں پر آرام کرتے ہیں اور قیامت کے روز تک اسی حال میں رہیں گے۔ میں نے کہا: مجھ سے تو کوئی کام نہیں؟ بولیں ہاں ہے۔ میں نے کہا کیا کام ہے؟ فرمایا ہماری زیارت اور ہمارے لیے دعائے مغفرت نہ چھوڑنا۔ جمعہ کے روز جب تم اپنے گھر سے آتے ہو تو مجھے خوشخبری سنائی جاتی ہے۔ کہ اے رابعہ تمہارا فرزند آ گیا ہے۔ اور اس سے نہ صرف مجھے بلکہ میرے پڑوسیوں کو بھی خوشی ہوتی ہے۔

بشر بن منصور علیہ الرحمۃ کا بیان کیا گیا قصہ

بشر بن منصور علیہ الرحمۃ سے روایت ہے کہ طاعون کے زمانے میں ایک شخص گورستان آتا جاتا تھا۔ جنازوں میں شریک ہوتا تھا اور شام کے وقت قبرستان کے دروازے پر کھڑا ہو کر کہتا تھا اللہ تعالیٰ تمہاری وحشت دور فرمائے' تمہاری غربت پر رحم فرمائے' تمہاری برائیوں سے درگزر فرمائے اور تمہارے نیک اعمال قبول فرمائے۔ اس کا بیان ہے کہ میں ایک دن قبرستان نہیں گیا اور اپنے گھر آ گیا۔ شب کو خواب میں کیا دیکھتا ہوں حد نگاہ تک لوگ ہی لوگ ہیں۔ میں نے پوچھا تم کون ہو؟ بولے ہم قبرستان والے ہیں۔ پوچھا کیا کام ہے؟ کہنے لگے تم نے شام کو گھر جاتے وقت اپنے ہدیہ کا ہمیں عادی بنا دیا ہے۔ میں نے پوچھا کیسا ہدیہ؟ بولے دعائیں جو تم ہمارے لیے مانگا کرتے ہو۔ میں نے کہا: اچھا تو میں دعائیں مسلسل مانگتا رہوں گا۔ فرماتے ہیں کہ دوبارہ میں نے کبھی ناغہ نہیں کیا۔

سلیم بن عمیر کا قصہ

ایک دفعہ سلیم بن عمیر کا ایک قبرستان سے گزر ہوا' زور کا پیشاب آ رہا تھا اور اسے ضبط کئے ہوئے تھے۔ کسی دوست نے کہا کہ کسی قبر کے گڑھے میں پیشاب کر لیجئے۔ رو کر بولے۔ سبحان اللہ' اللہ کی قسم مجھے زندوں کی طرح مردوں سے بھی حیا آتی ہے۔ اگر مردوں کو شعور نہ ہوتا تو کیوں شرماتے؟ (مندرجہ بالا تمام روایات کتاب القبور کی ہیں)

مردوں کو اپنے زندہ اعزہ کے اعمال کی بھی خبر ہوتی ہے

ابو ایوب کا کہنا ہے کہ زندوں کے عمل مردوں پر پیش کیے جاتے ہیں اگر اچھے ہوتے ہیں تو وہ خوشی سے کھل اٹھتے ہیں ورنہ اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ انھیں برے اعمال سے بچا۔ مجاہد کا بیان ہے کہ

ایک روز عباد بن عباد ابراہیم بن صالح کے ہاں گئے۔ یہ فلسطین کے حاکم تھے۔ درخواست کی کہ کچھ نصیحت فرمایئے فرمایا کیا نصیحت کروں اللہ تمہیں نیک بنائے۔ مجھے خبر ملی ہے کہ زندوں کے عمل ان کے مردہ اعزہ پر پیش کیے جاتے ہیں۔ اب تم اپنے اعمال پر غور کر لو۔ جو رسول اللہ ﷺ پر پیش کیے جاتے ہیں۔ پھر ابراہیم نے اس قدر گریہ کیا کہ ریش تر ہوگئی۔

صدقہ بن سلیمان کا بیان ہے کہ میرے والد انتقال کر گئے ہیں ان کی قبر پر آیا اور اپنے کیے پر شرمندہ ہوا۔ پھر مجھے نیند آ گئی تو میں نے انہیں خواب میں دیکھا فرما رہے ہیں کہ بیٹا! میں تم سے بہت خوش ہوں۔ تمہارے عمل ہم پر پیش کیے جاتے تھے اور نیک ہوتے تھے۔ لیکن اس دفعہ میں ان سے سخت شرمندہ ہوا۔ مجھے میرے ہمسایوں میں ذلیل نہ کرو۔ خالد کہتے ہیں کہ پھر میں نے صدقہ سے سنا (یہ کوفہ میں میرے پڑوسی تھے) کہ صبح کو یہ دعا مانگا کرتے تھے' کہ اے نیکوں کی اصلاح کرنے والے! اے گمراہوں کو سیدھی راہ پر لانے والے! اور اے نہایت مہربان اللہ مجھے ناقابل شکست توبہ کی توفیق عطا فرما۔ اس موضوع پر آثار صحابہ کا کافی مواد ہے۔ عبداللہ بن رواحہ کے بعض انصاری عزیز یہ دعا مانگا کرتے تھے: اے اللہ میں ایسے اعمال سے تیری پناہ مانگتا ہوں جن کی وجہ سے عبداللہ کو شرمندگی ہو اور میں ان کی نظروں میں گر جاؤں۔ آپ (عبداللہ کی شہادت کے بعد یہ دعا مانگا کرتے تھے) لفظ زیارت ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ مردوں کو زیارت کی خبر ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اگر زیارت کے لیے جانے والوں کو زیارت کرنے والوں کا علم نہ ہو تو ان کے متعلق یہ کہنا کہ فلاں نے فلاں کی زیارت کی غلط ہے۔ تمام لوگوں کے نزدیک زیارت کا عقلی معنی یہی ہے اس کے علاوہ سلام سے بھی ان کے شعور کا پتہ چلتا ہے کیونکہ جنھیں سلام کرنے والوں کا شعور و علم نہ ہوں ان پر سلام کرنا بالکل بے فائدہ ہے حالانکہ رحمۃ اللعالمین ﷺ نے مسلمانوں کو قبرستان میں داخل ہوتے وقت یہ دعا سکھائی ہے:

سلام علیکم اهل الدیار من المؤمنین و المسلمین و انا انشاء الله بکم لا حقون یرحم الله المستقدمین منا و منکم و المستاخرین نسال الله لنا و لکم العافیة.

اے ان گھروں کے مومنو و مسلمانو! تم پر سلامتی ہو' ہم بھی انشاء اللہ تم سے آن ملنے والے ہیں اللہ تعالیٰ ہم تم میں سے آگے جانے والوں اور پیچھے رہنے والوں پر رحم فرمائے۔ ہم اپنے اور تمہارے لیے اللہ سے عافیت کے خواستگار ہیں۔ یہ سلام اور یہ خطاب سننے والے موجود و مخاطب کے لیے ہے جو سلام کا جواب دے۔ یعنی سلام کرنے والا اس کا جواب نہ سن سکے۔ اگر کوئی مردوں کے نزدیک نماز پڑھتا ہے تو

وہ اسے دیکھتے ہیں اور انہیں نماز کی خبر ہو جاتی ہے۔ اور اس پر نماز کے سبب رشک کرتے ہیں۔ ابوعثمان عبدالرحمن ہندی فرماتے ہیں کہ ایک روز ابن ساس ایک جنازے کے ساتھ تھے عام سے کپڑے پہن رکھے تھے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک قبر کے پاس دو رکعت نماز ادا کی۔ پھر میں اس سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اللہ کی قسم میرا دل بیدار تھا۔ قبر میں سے آواز آئی یہاں سے ہٹ جاؤ۔ مجھے تکلیف نہ دو۔ تم لوگوں کو عمل کا موقع میسر ہے لیکن یہاں کے احوال سے بے خبر ہو۔ اور ہمیں حالات کا علم ہے مگر عمل سے مجبور ہیں مجھے تمہاری جیسی دو رکعتیں فلاں فلاں شے سے زیادہ محبوب ہیں۔ دیکھو اس قبر والے کو معلوم ہو گیا کہ کوئی شخص اس کی قبر سے ٹیک لگائے ہوئے ہے اور اس کی نماز کا بھی علم ہو گیا۔ ابوقلابہ کا بیان ہے کہ میں شام سے بصرہ آیا اور ایک جگہ قیام کیا۔ رات کو میں نے دو رکعت نماز پڑھی اور ایک قبر پر سر رکھ کر سو گیا۔ خواب میں صاحب قبر کو دیکھا شکایت کر رہے ہیں کہ آج رات تم نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے۔ پھر فرمایا کہ تم عمل کرتے ہو اور حالات سے بے خبر ہو اور ہم حالات سے آگاہ ہیں مگر عمل سے محروم ہیں۔ پھر فرمایا کہ تم نے جو دو رکعت نماز پڑھی یہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ دنیا والوں کو اچھا بدلہ عطا فرمائے۔ ہماری جانب سے انہیں سلام کہنا۔ ان کی دعاؤں سے ہمیں پہاڑوں جتنا نور میسر آتا ہے۔ زید بن وہب سے روایت ہے کہ میں ایک قبرستان گیا۔ اتنے میں ایک شخص نے آکر قبر برابر کی۔ پھر میرے قریب آکر بیٹھ گیا۔ میں نے پوچھا یہ کس کی قبر ہے؟ بولا میرے بھائی کی۔ میں نے پوچھا کیا آپ کے سگے بھائی کی۔ بولا نہیں دینی بھائی کی۔ میں نے انہیں خواب میں دیکھا۔ پوچھا الحمدللہ آپ تو زندہ ہیں۔ فرمایا: الحمدللہ رب العالمین جو آیت آپ نے پڑھی اگر میں اسے پڑھ سکتا تو یہ مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب تھی پھر فرمایا کہ تمہیں خبر نہیں جس جگہ مجھے مسلمانوں نے دفن کیا تھا فلاں نے وہاں دو رکعت نماز پڑھی۔ کاش میں یہ دو رکعات پڑھ سکتا مجھے یہ دنیا اور دنیا کے تمام مرتبے سے زیادہ پیاری ہیں۔

مطرف سے بیان کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ ہم موسم بہار میں تفریح کو نکلے۔ ہمارے راستے میں ایک قبرستان پڑتا تھا۔ ہم نے سوچا کہ جمعہ کے روز اس میں جائیں گے۔ آخر جمعہ کے دن ہم اس میں گئے تو ایک جنازہ دیکھا۔ میں نے سوچا کہ اس جنازے میں بھی شامل ہو جاؤں۔ آخر میں اس میں شریک ہو گیا۔ پھر میں قبر کے قریب ہی ایک گوشے میں بیٹھ گیا پھر میں نے ہلکی دو رکعت نماز پڑھی۔ دل کہہ رہا تھا کہ دوگانہ کا حق ادا نہ ہوا۔ پھر مجھے اونگھ آگئی۔ خواب میں صاحب قبر کو دیکھا فرما رہے ہیں کہ تم نے دوگانہ ادا کیا جس کا تمہارے نزدیک حق ادا نہ ہو سکا۔ میں نے کہا ٹھیک ہے فرمایا تمہیں عمل کا موقعہ ہے اور

حالات سے بے خبر ہو۔ اور ہمیں حالات کا علم ہے مگر عمل کا موقعہ میسر نہیں اگر میں تمہارے دوگانے پر قدرت رکھتا تو مجھے یہ دنیا کی تمام دولت سے پیارا تھا۔ میں نے پوچھا یہاں کون ہیں؟ فرمایا تمام مسلمان ہیں اور تمام خیر وسعادت والے ہیں پوچھا سب سے بلند درجہ والا کون ہے؟ انھوں نے ایک قبر کی طرف اشارہ کیا' میں نے اللہ سے دعا مانگی کہ اے اللہ اسے میرے پاس بھیج دے کہ میں اس سے کچھ باتیں کر لوں۔ اتنے میں اس قبر سے ایک نوجوان نمودار ہوا۔ میں نے پوچھا کیا آپ سب سے افضل ہیں؟ بولا لوگ تو یہی کہتے ہیں۔ میں نے پوچھا آپ کیا عمل کرتے تھے؟ عمر تو کچھ ایسی ہے نہیں کہ میں یہ رائے قائم کرسکوں کہ بہت زیادہ حج اور عمرے کیے ہوں گے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا ہوگا۔ اور بڑے بڑے عمل کیے ہوں گے۔ بولا میں دنیا میں مصیبتوں میں گرفتار رہتا تھا اور صبر کرتا تھا۔ اسی باعث میرا مقام سب سے بلند ہے۔

خوابوں کا اتفاق' اتفاق روایت کے مانند ہے

اگر چہ مندرجہ بالا خواب اس مسئلہ کے ثبوت کے لیے دلیل نہیں لیکن اس موضوع پر خواب لاتعداد ہیں۔ اور رحمۃ اللعالمین ﷺ نے فرمایا: میری رائے میں تمہارے خواب اس بات پر متفق ہیں کہ شب قدر رمضان کے آخری عشرہ میں ہے۔ معلوم ہوا کہ کسی مسئلہ پر مومنوں کے خوابوں کا ایک جیسا ہونا ان کی روایت و رائے کے قائم مقام ہے اور اللہ کے ہاں بھی وہ چیز اچھی یا بُری ہے جو ان کے نزدیک اچھی یا بُری ہے۔ اس کے علاوہ یہ مسئلہ دلیلوں سے بھی ثابت کیا گیا ہے۔ خوابوں کے واقعات تو شہادت کے طور پر ہیں۔

مردہ جنازے کے شرکاء سے مانوس ہوتا ہے

صحیح احادیث سے بھی ثابت ہے کہ مردہ مدفون ہونے کے بعد جنازے میں شریک ہونے والوں سے مانوس ہوتا ہے۔ روایت کیا گیا ہے کہ مرض الموت میں عمرو بن العاصؓ دیوار کی طرف رخ پھیر کر کافی دیر تک روتے رہے آپ کے بیٹے نے کہا: ابا جان آپ کیوں روتے ہیں؟ کیا اللہ کے رسول ﷺ نے آپ کو فلاں فلاں خوشخبری نہیں دی تھی؟ فرمایا: ہم سب سے افضل توحید و رسالت کے اقرار کو سمجھتے تھے۔ میری زندگی تین مختلف حالات سے گزری ہے۔ ایک زمانے میں تو مجھے رحمۃ اللعالمین ﷺ سے بہت بغض تھا۔ اور آپ کے قتل کرنے سے زیادہ مجھے کوئی بات عزیز نہ تھی۔ اگر خدانخواستہ

میں اس حالت پر مر جاتا تو یقیناً دوزخی تھا۔ پھر جب اللہ نے میرے دل میں اسلام کی محبت پیدا کی تو میں نے آپ سے کہا کہ آپ دست مبارک پھیلائیں تاکہ میں بیعت کرلوں۔ آپ نے داہنا ہاتھ پھیلا دیا۔ لیکن میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ پوچھا عمرو کیا بات ہے؟ میں بولا ایک شرط ہے۔ فرمایا: کیا؟ میں بولا شرط یہ ہے کہ میرے تمام گناہ معاف ہو جائیں۔ فرمایا کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اسلام وہجرت اور حج پہلے تمام گناہ مٹا دیتے ہیں۔ اب آپ مجھے سب سے زیادہ محبوب اور میری نگاہ میں سب سے زیادہ جلیل القدر تھے۔ آپ ﷺ کی شان جلالت کے باعث میں آپ کو نظر بھر کر بھی نہ دیکھ سکتا۔ اگر کوئی مجھ سے آپ کا حلیہ پوچھتا تو نہیں بتا سکتا تھا۔ کیونکہ جلالت شان کے باعث اچھی طرح دیکھتا ہی نہ تھا۔ اگر میں اس حالت پر فوت ہو جاتا تو مجھے توقع تھی کہ جنتی ہوتا۔ پھر مجھے ایسے حالات سے سابقہ پڑا کہ نہ معلوم ان کے باعث میرا انجام کیا ہو؟ جب میں فوت ہو جاؤں تو میرے جنازے کے ساتھ نوحہ کرنے والی نہ ہو نہ آگ ہو۔ جب تم مجھے دفنا چکو تو میری قبر کے چار جانب اتنی دیر ٹھہرے رہنا جتنی دیر اونٹنی ذبح کرنے اور اس کا گوشت بانٹنے میں لگتی ہے۔ تاکہ میں تم سے مانوس رہوں اور مجھے علم ہو جائے کہ میرے رب کے قاصد کیا لے کر لوٹتے ہیں معلوم ہوا کہ مردہ حاضرین قبر سے مانوس اور خوش ہوتا ہے۔

دفن کرنے کے بعد قرآن پاک پڑھنا

سلف کی ایک جماعت سے نقل کیا جاتا ہے کہ انھوں نے وصیت کی کہ دفنانے کے بعد ان کی قبر کے پاس تلاوت قرآن پاک کی جائے۔ عبدالحق سے روایت ہے کہ ابن عمرؓ نے حکم کیا تھا کہ ان کی قبر پر سورۃ بقرہ کی تلاوت کی جائے۔ معلی بن عبدالرحمٰن کی بھی یہی رائے تھی۔ امام احمد شروع میں تو قائل نہ تھے کیونکہ یہ اثر انھیں نہیں پہنچا تھا۔ مگر بعد میں قائل ہو گئے تھے۔ علاء بن لجلاج سے مروی ہے کہ میرے والد نے وصیت کی کہ جب میں مر جاؤں تو مجھے قبر میں دفن کرنا اور اس میں اتارتے وقت بسم اللہ وعلی سنۃ رسول اللہ پڑھنا اور مٹی ڈال کر قبر کے سرہانے سورۂ بقرہ کی شروع والی آیتیں پڑھنا۔ کیونکہ میں نے ابن عمرؓ کو یہی فرماتے ہوئے سنا ہے۔ (جامع خلال)

عباس دوری سے روایت منسوب ہے کہ میں نے امام احمدؒ سے دریافت کیا کہ قبر پر قرآءت سے متعلق کوئی روایت محفوظ ہے؟ فرمایا: نہیں۔ اور جب یحییٰ بن معین سے پوچھا تو انھوں نے یہ حدیث بیان کی: علی بن موسیٰ الحداد سے روایت ہے کہ میں احمد بن حنبلؒ اور محمد بن قدامہؒ کی معیت میں ایک جنازے میں شریک تھا۔ دفنانے سے فراغت پر ایک نابینا قبر کے پاس قرآءت کرنے لگا۔ امام احمدؒ نے

فرمایا کہ قبر کے پاس قراءت بدعت ہے۔ پھر جب ہم قبرستان سے نکلے تو ابن قدامۃ نے امام احمدؒ سے فرمایا: آپ مبشر حلبی کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟ ثقہ ہیں کہا آپ نے ان سے کچھ روایات لکھیں ہیں فرمایا: ہاں میں نے کہا مجھے مبشر نے عبدالرحمن بن العلاء بن الجلاج سے انھوں نے اپنے باپ سے خبر دی کہ انھوں نے وصیت کی تھی کہ دفن کرنے کے بعد ان کے سرہانے بقرہ کا ابتدائی اور آخری رکوع پڑھا جائے۔ اور فرمایا تھا کہ میں نے ابن عمرؓ سے سنا تھا کہ آپ نے بھی یہی وصیت کی تھی۔ پھر ان سے امام احمدؒ نے کہا کہ جا کر اس نابینا سے کہہ دو کہ قراءت کرے۔

حسن بن صباح سے روایت ہے کہ امام شافعیؒ سے قبر کے پاس قراءت کے متعلق پوچھا تو فرمایا کہ کوئی حرج نہیں۔

امام شعبیؒ سے مروی ہے کہ جب انصار کا کوئی رشتہ دار فوت ہو جاتا تو اس کی قبر کے قریب کھڑے ہو کر قرآن پڑھا کرتے تھے۔

حسن بن جروی سے روایت ہے کہ میں نے اپنی بہن کی قبر کے پاس سورۂ ملک پڑھی۔ پھر ایک شخص نے مجھ سے آ کر کہا کہ میں نے آپ کی بہن کو خواب میں دیکھا۔ فرماتی تھیں اللہ انھیں جزائے خیر دے۔ ان کی قراءت سے مجھے فائدہ ہوا۔ ایک شخص اپنی ماں کی قبر پر جا کر ہر جمعہ کو سورۂ یٰسین پڑھا کرتا تھا۔ ایک دن اس نے سورۂ یٰسین پڑھ کر اللہ سے دعا مانگی کہ اے اللہ! اگر تیرے نزدیک اس سورۃ سے ثواب ملتا ہے تو اس قبرستان کے مردوں کو ثواب بخش۔ اگلے جمعہ کو اس کے پاس ایک عورت آئی اور اس نے پوچھا کیا تم فلاں بن فلاں ہو؟ بولا ہاں۔ اس نے کہا میری ایک بیٹی فوت ہوگئی ہے میں نے اسے خواب میں دیکھا کہ اپنی قبر کے کنارے پر بیٹھی ہوئی ہے۔ میں نے پوچھا یہاں کیوں بیٹھی ہو؟ اس نے آپ کا نام لے کر کہا کہ وہ اپنی والدہ کی قبر پر آئے اور سورۂ یٰسین پڑھ کر اس کا ثواب تمام مردوں کو بخش گئے۔ اس میں سے کچھ ثواب ہمیں بھی ملا یا ہمیں بخش دیا گیا۔ یا اسی طرح کا کوئی جملہ بولا۔

رحمۃ اللعالمین ﷺ نے فرمایا اپنے مردوں کے پاس یٰسین پڑھو۔ اس کے دو معنی ہیں۔ یعنی مرنے والوں کے پاس پڑھو یا ان کی قبروں پر پڑھو۔ لیکن پہلا معنی زیادہ ظاہر ہے کیونکہ اس کی مثال آپؐ کا یہ فرمان ہے کہ اپنے مردوں (مرنے والوں) کو لا الہ الا اللہ کی تلقین کرو۔ اس کے علاوہ مرنے والوں کو اس سے فائدہ پہنچتا ہے۔ کیونکہ اس میں توحید و آخرت کا بیان ہے۔ اور فرزندان توحید کے لیے جنت کی خوشخبری ہے اور توحید پر ختم ہونے والوں پر رشک ہے فرمایا:

یالیت قومی یعلمون بما. الخ

کاش میری قوم کو بھی معلوم ہو جاتا کہ میرے رب نے مجھے بخش دیا اور مجھے عزت والوں میں شامل کر دیا۔ یہ خوشخبری سن کر روح مسرور ہوتی ہے۔ اور اللہ کی ملاقات چاہتی ہے پھر اللہ بھی اس سے ملاقات پسند فرماتا ہے۔ یہ سورۃ قرآن کا دل ہے۔ اگر یہ مرنے والے کے قریب پڑھی جائے تو اس کی عجیب خصوصیت ہے۔ ابن جوزیؒ کا بیان ہے کہ ہم اپنے شیخ ابو الوقت عبدالاول کے عالم نزع کے وقت موجود تھے۔ مرنے سے کچھ دیر پہلے آپ نے آسمان کی طرف نگاہ کی اور مسکرائے اور یہ آیت پڑھی: **یا لیت قومی یعلمون. الخ** اور سدھار گئے۔ لوگوں کی زمانہ قدیم سے یہ عادت چلی آرہی ہے کہ مرنے والوں کے پاس یٰسین پڑھا کرتے تھے۔ چوتھے اگر صحابہ کرامؓ اس حدیث سے یہ مطلب سمجھتے کہ مردوں کی قبور پر یٰسین پڑھنے کا حکم ہے تو تعمیل ارشاد فرماتے۔ اور یہ عمل ان میں مشہور ہوتا اور ان کی عادت میں شامل ہوتا۔ پانچویں یٰسین پڑھنے سے مرنے والے کو فائدہ پہنچانا اور قرآءت کے وقت اس کے دل و دماغ کو اس کی طرف متوجہ کرنا مطلوب ہوتا ہے تاکہ قرآن کی تلاوت سنتے سنتے اس کی آخری سانسیں ختم ہوں۔ لیکن قبر پر پڑھنے سے کیا فائدہ؟ کیونکہ ثواب یا تو قرآءت سے ملتا ہے یا قرآءت سننے سے۔ دونوں صورتوں میں عمل ہے۔ اور جو قبر میں اتر گیا اس کا عمل ختم ہو چکا۔ حافظ ابو محمد عبدالحق اشبیلی نے بھی اس موضوع پر بحث کی ہے۔ اور یہ عنوان قائم کیا ہے۔ یہ "بیان کہ مردے زندوں سے سوال کرتے ہیں اور ان کے اقوال و اعمال جانتے ہیں۔ اور یہ حدیث لائے ہیں کہ رحمۃ اللعالمین ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے جاننے والے کسی مسلمان بھائی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے اور اس پر سلام کرتا ہے تو وہ اسے ضرور پہچان لیتا ہے۔ اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ اگر اجنبی پر سلام کرتا ہے تو وہ بھی اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔ دوسری حدیث میں فرمایا کہ جو شخص مسلمان بھائی کی قبر کی زیارت کرتا ہے اور اس کے قریب بیٹھتا ہے تو جب تک اٹھتا نہیں وہ اس سے مانوس رہتا ہے۔ حافظ صاحب نے یہ دلیل دی ہے کہ رحمۃ اللعالمین ﷺ نے فرمایا کہ جو مجھ پر سلام کرتا ہے اللہ میری روح لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دے دیتا ہوں۔

سلیمان بن نعیم سے مروی ہے کہ میں نے رحمۃ اللعالمین ﷺ کو خواب میں دیکھا۔ پوچھا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! لوگ آپ کی قبر کے پاس آتے اور سلام کرتے ہیں۔ کیا آپ کو خبر ہو جاتی ہے؟ فرمایا "ہاں" اور میں انھیں سلام کا جواب بھی دے دیتا ہوں۔ قبرستان میں داخل ہوتے وقت

السلام علیکم اھل الدیار . الخ پڑھا جاتا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ صاحب قبر کو سلام کرنے والے کی اور اس کی دعا کی آگاہی ہو جاتی ہے۔

فضل بن موفق سے مروی ہے کہ میں بار بار کثرت سے اپنے باپ کی قبر پر جایا کرتا تھا۔ایک دن ایک جنازے میں شامل ہوا۔پھر اپنے کام میں مصروف گیا۔قبر پر نہ جا سکا۔رات کو میں نے خواب میں دیکھا۔والد صاحب پوچھ رہے ہیں کہ تم میرے پاس کیوں نہیں آئے؟ میں نے پوچھا کیا آپ کو میرے آنے کا علم ہو جاتا ہے؟ فرمایا: ہاں ہاں اللہ کی قسم میں مسلسل آگاہ رہتا ہوں۔ جب تم پل سے اتر کر میرے پاس آ کر بیٹھتے ہو پھر اٹھ کر واپس ہوتے ہو تو مسلسل میں تمہیں دیکھتا رہتا ہوں جب تک تم پل سے اتر نہیں جاتے۔

عمرو بن دینار سے مروی ہے کہ مرنے والا اپنے اہل و عیال کے احوال سے آگاہ رہتا ہے اسے ان کے نہلانے اور کفنانے کی خبر رہتی ہے اور وہ انہیں دیکھتا ہے۔

مجاہد سے روایت ہے کہ مردہ اپنی اولاد کے نیک اعمال سے قبر میں خوش ہوتا ہے۔

قبر پر تلقین

پرانے زمانے سے اب تک یہ رواج چلا آ رہا ہے کہ قبر میں مردہ کو تلقین کی جاتی ہے۔اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ مردہ سنتا ہے اور تلقین سے استفادہ کرتا ہے۔ ورنہ تلقین بے فائدہ ہو جاتی ہے۔اس سلسلے میں امام احمدؒ سے پوچھا گیا تو انھوں نے تلقین اچھی بھی اور لوگوں کے عمل سے دلیل پکڑی اس ضمن میں معجم طبرانی میں ابوامامہ والی ایک ضعیف حدیث بھی آئی ہے کہ رحمۃ اللعالمین ﷺ نے فرمایا کہ مردے پر مٹی ڈالنے کے بعد ایک شخص قبر کے سرہانے کھڑا ہو کر صاحب قبر کو اس کا نام مع اس کی والدہ کے نام لے کر پکارے (کیونکہ وہ سنتا ہے مگر جواب نہیں دے سکتا) پھر دوسری دفعہ نام لے کر پکارے تو وہ اٹھ کر بیٹھ جائے گا پھر تیسری دفعہ نام لے کر پکارے گا تو وہ جواب دے گا لیکن تم اس کا جواب سن نہ پاؤ گے کہے اللہ پاک تم پر رحم فرمائے۔ ہماری رہنمائی سے فائدہ اٹھاؤ پھر کہے کہ تم جس اقرار توحید و رسالت پر دنیا سے رخصت ہوئے وہ یاد کرو یعنی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ذہن میں رکھو اور یہ بھی کہ تم اللہ رب العالمین سے دین اسلام سے محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت سے اور قرآن کے رہنما ہونے سے راضی تھے۔ یہ تلقین سن کر منکر نکیر ٹل جاتے ہیں اور کہتے ہیں آؤ واپس چلو۔اس کے پاس ہمیں ٹھہرنے کی ضرورت نہیں اسے اس کی حجت یاد کرا دی گئی اور اس کے درمیان جھگڑنے کے لیے اللہ اور اس کا رسولؐ

آ گیا۔ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ اگر کسی کو قبر والے کی ماں کا نام یاد نہ ہو؟ فرمایا ایسی صورت میں اس کی ماں حوا کا نام لے لے۔ یہ حدیث گو ثابت نہیں لیکن تمام شہروں میں اور ہر دور میں بلا انکار مستقل اس پر عمل جاری ہے اور یہی بات اس پر عمل کرنے کے لیے کافی ہے۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ روئے زمین کی امت جو اپنی عقل اور وسیع معلومات میں کامل ترین ہے ایسوں سے خطاب کرنے پر متفق ہو جائے جو نہ سن سکتے ہوں اور نہ سمجھ سکتے ہوں۔ اور اسے اچھا سمجھے اور اس کا کوئی انکار نہ کرے۔ بلکہ پہلے آئندگاں کے لیے سنت جاری کر جائیں اور اس بات میں پچھلے رفتگاں کے نقوش قدم پر چلیں۔ اگر مخاطب میں سننے اور سمجھنے کی استعداد نہ ہو تو یہ خطاب ایسا ہے جیسے کوئی مٹی لکڑی پتھر اور معدوم شے سے خطاب کرتا ہے۔ ایسے خطاب کو گو کوئی بے وقوف اچھا جانے مگر تمام علما تو اچھا نہیں جان سکتے!

ایک مرتبہ رحمۃ اللعالمین ﷺ کسی جنازے میں شریک ہوئے۔ دفن کرنے کے بعد آپؐ نے فرمایا اپنے بھائی کی ثابت قدمی کی دعائیں مانگو۔ کیونکہ اب اس سے سوال ہو رہا ہے۔ (ابوداؤد مناسب سند کے ساتھ) معلوم ہوا کہ جب اس سے سوال کیا جاتا ہے تو وہ تلقین بھی سنتا ہے۔ یہ بات بھی صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ صاحب قبر واپس ہونے والوں کے قدموں کی چاپ سنتا ہے۔

ایک صالح آدمی کا بیان ہے کہ میرا بھائی فوت ہو گیا میں نے اسے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ جب تمہیں دفن کر دیا گیا تو کیا واقعات پیش آئے؟ بولا آنے والا میرے پاس آگ کا ایک شعلہ لے کر آیا۔ اگر دعا کرنے والے میرے لیے دعا نہ کرتے ہوتے تو میں ہلاک ہو جاتا۔ (عبدالحق)

شعیب بن شیبہ سے روایت ہے کہ مرتے وقت میری والدہ نے مجھے وصیت کی کہ مجھے دفن کرنے کے بعد میری قبر کے قریب رک کر کہنا اے ام شعیب لا الہ الا اللہ پڑھو۔ فرماتے ہیں پھر دفن کرنے کے بعد میں نے ان کی قبر کے پاس رک کر ان کی وصیت پر عمل کیا۔ رات کو انھیں خواب میں دیکھا۔ فرما رہی ہیں کہ اگر لا الہ الا اللہ مجھے نہ سنجھاتا تو میں ہلاک ہو جاتی۔ شاباش بیٹا۔ تم نے میری وصیت یاد رکھی۔

تماضر بنت سہل ایوب بن عیینہ کی بیوی سے مروی ہے کہ میں نے سفیان بن عیینہ کو خواب میں دیکھا۔ فرما رہے ہیں کہ اللہ پاک میرے بھائی ایوب کو اچھا صلہ دے۔ وہ میری کثرت سے زیارت کرتے ہیں۔ آج بھی وہ میرے پاس آئے تھے۔ ایوب بولے ہاں آج بھی میں قبرستان گیا تھا اور سفیان کی قبر پر بھی گیا تھا۔ (ابن ابی الدنیا) صحب وعرف دونوں ایک دوسرے کو بھائی گردانتے تھے اور انھیں یقین تھا کہ ہم میں سے جو پہلے فوت ہو جائے گا تو پھر بھی یہی آپس کی محبت ختم نہ ہو گی اور خواب ئی

میں ملاقات ہو جایا کرے گی۔ پہلے صعب فوت ہوئے عوف نے انھیں خواب میں دیکھا کہ وہ آئے ہیں۔ میں نے پوچھا بھائی جان آپ کے ساتھ کیا واقعات پیش آئے؟ بولے مصائب کے بعد ہمیں مغفرت مل گئی۔ میں نے ان کی گردن میں ایک سیاہ داغ دیکھا۔ پوچھا یہ سیاہ دھب کیسا ہے؟ کہنے لگے یہ دس دینار ہیں جو میں نے فلاں یہودی سے ادھار لیے تھے۔ وہ میرے پاس جو سینگ تھا اس کے اندر ہیں۔ انھیں نکال کر اسے دے دو میرے گھر جو جو واقعات رونما ہوتے ہیں ان سب کی مجھے خبر مل جاتی ہے۔ حتیٰ کہ آج سے کچھ دن پہلے ہماری بلی مرگئی تھی اس کی بھی خبر مل گئی۔ دیکھو میری بچی چھ دن کے بعد فوت ہو جائے گی۔ اس لیے اس کی خاطر و مدارات کرو۔ صبح کو میں ان کے گھر گیا۔ گھر والے مجھے دیکھ کر خوش ہوئے اور شکوہ کیا کہ آپ کا اپنے بھائی کے پسماندگان کے ساتھ یہی سلوک رہ گیا ہے کہ صعب کی وفات کے بعد سے آج آپ نے شکل دکھائی ہے۔ میں نے معذرت کی پھر سینگ اتروایا اس میں سے ایک تھیلی نکلی جس میں دینار تھے پھر میں نے یہودی کو بلا کر پوچھا۔ تمہارا صعب پر کچھ قرضہ تو نہ تھا؟ بولا اللہ ان پر رحم فرمائے وہ اللہ کے رسولؐ کے بڑے اچھے صحابی تھے' جو کچھ قرض تھا میں نے انھیں معاف کر دیا۔ میں نے کہا بتاؤ کتنا قرض تھا۔ بولا دس دینار تھے۔ میں نے دس دینار اسے دے دیئے۔ بولا اللہ کی قسم یہ بالکل وہی دینار ہیں جو میں نے دیئے تھے۔ فرماتے ہیں میں نے دل میں سوچا خواب کی ایک بات تو سچی ہوئی۔ پھر میں نے گھر والوں سے پوچھا کیا صعب کے انتقال کے بعد کچھ نئے واقعات پیش آئے ہیں؟ گھر والوں نے بتایا کہ فلاں فلاں واقعہ پیش آیا۔ یہاں تک کہ بلی کی موت کا واقعہ بھی بتایا فرماتے ہیں میں نے دل میں کہا دو باتیں سچی ثابت ہو گئیں۔ پھر میں نے پوچھا میری بھتیجی کہاں ہے؟ بولے کھیل رہی ہے۔ میں نے اس کے پاس جا کر اسے چھوا تو جسم گرم تھا اور اسے بخار تھا۔ میں نے کہا اس کی تم دیکھ بھال کرو۔ پھر وہ چھ دن کے بعد مرگئی۔

عوف صحابیؓ تھے اور سمجھدار تھے۔ موت کے بعد خواب میں جو صعب نے انھیں وصیت کی تھی اسے چند قرائن سے درست سمجھ کر (جو خواب ہی میں بتا دیئے گئے تھے) ان کی وصیت نافذ فرما دی۔ مثلاً خواب میں بتا دیا گیا تھا کہ دس دینار ہیں' سینگ میں ہیں۔ پھر یہودی سے استفسار پر خواب کی تصدیق ہو گئی اور عوف نے خواب کو حقیقت پر مبنی سمجھ کر یہودی کو دینار دے دیئے۔ یہ بھی ایک قسم کا فقہ ہے جو ذہین و وسیع معلومات والے علماء کا حصہ ہے اور وہ تو صحابی تھے۔ ممکن ہے کہ آج کل کے لوگ اسے نہ مانیں اور یہ دلیل دیں کہ عوف نے صعب کے ترکے کے دس دینار جواب صعب کے یتیم بچوں کی ملکیت

تھے ایک خواب کی بنیاد پر یہودی کو کس دلیل سے دے دیئے یہ ان کے لیے نا جائز تھا۔ اس فقہ کی جس سے اللہ نے اپنے خاص خاص بندوں کو نوازا ہے نظیر کے طور پر ثابت بن قیسؓ کا واقعہ بھی پیش کیا جا سکتا ہے کہ رحمۃ اللعالمین ﷺ نے ان سے فرمایا تھا۔ ثابت! کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ تمہاری قابل تعریف زندگی ہو شہادت کی موت ہو اور بہشت میں داخل ہو جاؤ۔ مالک بن انسؓ فرماتے ہیں کہ ثابت جنگ یمامہ میں شہید ہو گئے۔ ثابتؓ کی ایک صاحبزادی کا بیان ہے کہ جب آیۃ یا ایھا الذین آمنوا لا ترفعوا اصواتکم. الخ اے ایمان والو! نبی کی آواز پر اپنی آواز کو بلند نہ کرو اتری تو میرے والد گھر میں آ کر گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ گئے۔ جب رحمۃ اللعالمین ﷺ نے انھیں نہیں دیکھا تو ان کی خیریت معلوم کرنے کے لیے آدمی بھیجا۔ بولے میری آواز اونچی ہے مجھے خوف ہے کہیں میرے عمل برباد نہ ہو گئے ہوں۔ فرمایا نہیں نہیں تم ان میں سے نہیں ہو۔ بلکہ تمہاری زندگی بھی خیر والی ہے اور موت بھی۔ پھر جب آیت ان اللہ لا یحب کل مختال فخور (اللہ ہر مغرور دشیخی خورہ کو پسند نہیں فرماتا) اتری تو گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ گئے اور رونے لگے۔ رحمۃ اللعالمین ﷺ نے انھیں نہ دیکھ کر ان کی خیریت دریافت کرنے کے لیے آدمی بھیجا۔ بولے یا رسول اللہ ﷺ! مجھے جمال محبوب ہے اور اپنی قوم کی سرداری بھی۔ فرمایا: تم مغروروں میں سے نہیں ہو بلکہ تمہاری زندگی بھی قابل تعریف ہے اور موت بھی شہادت کی ہے اور جنتی ہو۔ فرماتی ہیں کہ والد صاحب جنگ یمامہ میں خالد رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ جب مسلمانوں اور مسیلمہ کذاب کی فوجوں میں مقابلہ ہوا اور مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے تو ثابتؓ اور سالم مولی ابو حذیفہؓ نے فرمایا ہم رحمۃ اللعالمین ﷺ کے ساتھ اس طرح دشمنوں سے نہیں لڑا کرتے تھے۔ پھر دونوں نے گڑھے کھودے اور ان میں جم کر آخری لمحے تک لڑتے رہے۔ آخر جام شہادت نوش فرما لیا۔ اس جنگ میں ثابتؓ کے جسم پر ایک بہترین زرہ تھی۔ ایک مسلمان نے ان کی لاش کے پاس آ کر زرہ اتار لی۔ پھر کسی دوسرے مسلمان نے انھیں خواب میں دیکھا فرما رہے ہیں کہ میں تمہیں ایک وصیت کرتا ہوں خبردار خواب کی وصیت سمجھ کر اسے ضائع نہ کرنا۔ کل میرے قتل کیے جانے کے بعد ایک مسلمان نے میری زرہ اتار لی ہے اس کا گھر آبادی کے آخر میں ہے اور اس کے خیمہ کے قریب ایک لمبی رسی میں گھوڑا بندھا ہوا ہے۔ اس نے زرہ پر ایک ہانڈی الٹا دی ہے اور ہانڈی کے اوپر کجاوہ ہے۔ تم خالد رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر ان سے کہو کہ وہ آدمی کو بھیج کر زرہ منگا لیں۔ اور جب تم مدینہ جاؤ تو اللہ کے رسولؐ کے خلیفہ (ابوبکر رضی اللہ عنہ) کے پاس جا کر کہو کہ مجھ پر اتنا قرضہ ہے اور میرا

فلاں فلاں غلام آزاد ہے۔ وہ شخص خالد رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور انہیں اپنا خواب سنایا انھوں نے آدمی بھیج کر زرہ منگالی۔ پھر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے خواب بیان کیا' آپ نے بھی ان کی وصیت جاری فرمائی۔ بجز ثابتؓ کے ہمیں کوئی اور شخص ایسا معلوم نہیں کہ جس کی موت کے بعد کی گئی وصیت کو جاری کیا گیا ہو۔ (ابن عبدالبر) دیکھئے اس خواب کی وصیت پر عمل کرنے پر حضرت خالدؓ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہم اور آپ کے پاس والے دیگر صحابہ کرامؓ نے اتفاق کیا۔ جب امام ابوحنیفہؒ 'امام احمدؒ اور امام مالکؒ میاں بیوی میں سے مدعی کے اس قول کو جو اس کے لیے مناسب ہے' اس کے صدق کے قرینے سے مان لیتے ہیں تو خواب کی وصیت بدرجہ اولی ماننی پڑے گی۔ اسی طرح امام ابوحنیفہؒ دعوے دار دیوار کا قول مان لیتے ہیں جب کہ اس کی طرف اینٹیں اور رسیاں وغیرہ پڑی ہوئی ہوں۔ اس کے علاوہ اللہ تعالی نے شوہر کی قسم پر قرینہ کی موجودگی میں عورت پر حد مشروع فرمادی ہے۔ کیونکہ یہ شوہر کی سچائی کی بڑی واضح دلیل ہے۔ اس کے علاوہ قسامہ میں دعوے داروں کی قسموں سے قرینہ قتل کی موجودگی میں ملزم کو قتل کیا جاتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی سفر میں فوت ہوتے وقت دو غیر مسلموں کو وصیت کر جائے اور ان کی خیانت کی وارثوں کو خبر ہو جائے تو وارث مسروقہ چیز پر قسم کھا کر اس کے حقدار بن سکتے ہیں۔ اور ان کی قسم وصیت کیے جانے والوں کی قسموں سے اولی ہے۔ یہ حکم سورۂ مائدہ میں ہے جو سب سے آخر میں نازل ہوئی اور اس حکم کو منسوخ کرنے والا کوئی حکم اترا نہیں اور اس پر آپؐ کے بعد صحابہؓ نے عمل کیا۔ معلوم ہوا کہ مالی معاملات میں اتہام کی بناء پر فیصلہ کیا جاسکتا ہے اور جب محض اتہام سے قسامت میں خون مباح ہے تو اگر مالی معاملات میں واضح قرینوں کی بنیاد پر الزام کے سلسلے میں اقدام کیا جائے تو بدرجہ اولی اٹھایا جاسکتا ہے اسی پر چوری معلوم کرنے میں انصاف پسند منصفوں کا عمل ہے اور اسے نہ ماننے والے بھی حکام سے معاونت کر کے اپنے مال برآمد کرا لیتے ہیں۔ اللہ تعالی نے شاہد کا واقعہ سورۂ یوسف میں بیان فرمایا ہے جس نے قرینہ سے یوسف صدیق اور عزیز کی عورت کے درمیان فیصلہ کیا تھا۔ اور کہا کہ یوسف سچے ہیں اور عورت جھوٹی ہے۔ اللہ پاک نے اس کی تردید نہیں کی بلکہ اسے برقرار رکھنے کے لیے بیان فرمایا۔ اسی طرح رحمۃ اللعالمین ﷺ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کا واقعہ بیان فرمایا کہ دو عورتوں میں ایک بچہ کے بارے میں جھگڑا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا چھری لاؤ میں بچے کو کاٹ کر نصف نصف دونوں کو دے دیتا ہوں۔ بڑی بولی ٹھیک ہے۔ (کیونکہ بچہ اس کا نہ تھا اسے کیوں دکھ ہوتا) لیکن چھوٹی نے کہا خدارا کاٹیے نہیں اسی کو دے دیجئے۔ آخر آپ نے چھوٹی کو بچہ دے دیا کیونکہ

اس کے کاٹنے سے اس کا دل دکھا اور اس نے سوچا کہ اگر بوی کو بل گیا تو زندہ تو رہے گا اور میری مامتا ٹھنڈی رہے گی۔ یہ طریقہ انتہائی اچھا اور انصاف والا ہے۔ اسلام نے اسے برقرار رکھا ہے اور اس کی صحت کی گواہی دی ہے۔ البتہ مشابہت کی بنا پر قیافہ سے حکم لگانا اور اس سے نسب ملانا ٹھیک نہیں۔ کیونکہ اس میں اکثر و بیشتر اشتباہ رہتا ہے۔ غرضیکہ جب صاحب قبر ان تمام تفصیلات و جزئیات سے آگاہ کر دیا جاتا ہے تو زیارت کرنے والے سے اور اس کی دعا و سلام سے بھی بدرجہ اولیٰ آگاہ کر دیا جاتا ہے۔

☆☆☆

دوسرا حصہ

کیا ارواح باہم ملاقات و مذاکرات کرتی ہیں؟

یہ بھی ایک اہمیت کا حامل بڑا عظیم مسئلہ ہے۔ روحوں کی دو اقسام ہیں:

(i) سجین والی روحیں

(۲) علیین والی روحیں۔

سجین والی روحیں تو عذاب میں ماخوذ ہیں۔ انھیں ملنے جلنے کی فرصت کہاں لیکن جو راحت والی اور آزاد ارواح ہیں وہ باہم ملتی جلتی ہیں اور دنیا میں ان پر جو واقعات گزرے ہیں انھیں یاد کرتی ہیں اور ان واقعات پر بھی بات چیت کرتی ہیں جو اہل دنیا کو پیش آتے رہتے ہیں۔

ہر روح اپنی رفیق اور ہم شکل عمل والی روح کے ساتھ ملتی جلتی ہے۔ اس لیے پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ و السلام کی روح رفیق اعلیٰ میں ہے۔ فرمایا: ومن يطع الله و رسوله الخ اور جو اللہ کی اور رسول کی اطاعت کرے گا وہ ان کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ کا انعام ہے۔ یعنی انبیاء، صدیق، شہداء اور نیک حضرات کے ساتھ اور وہ بہترین رفیق ہیں مل جل کر رہنا دنیا میں بھی پایا جاتا ہے اور عالم برزخ و آخرت میں بھی پایا جائے گا ان تینوں گھروں میں انسان اپنے رفقاء کے ساتھ رہتا ہے۔

مسروقؒ سے روایت ہے کہ صحابہ کرامؓ نے رحمۃ اللعالمین ﷺ سے کہا: ہم کو دنیا میں ایک ثانیے کے لیے بھی آپ سے الگ ہونا گوارا نہیں۔ لیکن دنیا سے رخصت ہونے کے بعد آپ کا مقام ہم سے اونچا ہوگا اور ہم آپ کے دیکھنے کو ترسیں گے۔ اس پر آیۃ مذکورہ بالا اتری۔

امام شعبیؒ سے روایت ہے کہ ایک انصاری روتے ہوئے رحمۃ اللعالمین ﷺ کے پاس آئے۔ پوچھا کیوں رو رہے ہو؟ بولے یا رسول اللہ ﷺ اس کی قسم جس کے علاوہ کوئی حقدار عبادت نہیں آپ

مجھے میرے اہل وعیال اور مال ومنال سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ اللہ کی قسم! آپ مجھے میری جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔ جب آپ مجھے گھر میں یاد آتے ہیں تو آپ کو دیکھے بغیر مجھے چین نہیں آتا۔ پھر جب مجھے اپنی اور آپ کی موت یاد آ جاتی ہے تو میں سوچتا ہوں کہ مجھے دنیا ہی میں آپ کا ساتھ نصیب ہے پھر تو آپ کو انبیاء کے درمیان اٹھا لیا جائے گا۔ اور مجھے اگر میں بہشت میں گیا تو آپ کے مقام سے نیچے والا مقام ملے گا اس پر آپ نے کچھ جواب نہیں دیا۔ یہاں تک کہ مذکورہ بالا آیت اتری: یا ایتھا النفس المطمئنۃ اے اطمینان والی روح! شاداں وفرحاں اپنے رب کی طرف لوٹ جا۔ رب بھی تجھ سے راضی ہے اور تو بھی رب سے راضی ہے اور میرے بندوں میں اور میری بہشت میں داخل ہو جا۔ اور (انھیں کے ساتھ مل جل کر رہ۔ یہ موت کے وقت روح سے کہا جاتا ہے۔ معراج والے واقعے میں ہے کہ رحمۃ اللعالمین ﷺ نے حضرت ابراہیم اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام وغیرہ سے ملاقات فرمائی اور کچھ دیر تک تینوں میں گفتگو رہی۔ پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ قیامت کب آئے گی؟ لیکن آپ کو اس کا علم نہ تھا۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ قیامت کب آئے گی؟ آپ نے فرمایا قیامت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مجھ سے ایک وعدہ فرمایا ہے۔ پھر آپ نے دجال کے ظہور کا ذکر کیا اور فرمایا کہ پھر میں (آسمان سے) اتروں گا اور اسے قتل کروں گا۔ اور لوگ اپنے اپنے شہروں کی طرف لوٹ جائیں گے۔ انھیں یاجوج ماجوج ملیں گے جو ہر بلندی سے اٹھ رہے ہوں گے۔ پانی سے گزریں گے تو اسے پی کر خشک کر دیں گے۔ غرضیکہ جس چیز سے گزریں گے اسے تہس نہس کر ڈالیں گے۔ لوگ میرے پاس ان کی شکایت لائیں گے میں اللہ سے ان کے حق میں بددعا کروں گا۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کر دے گا۔ زمین بھی ان کی بدبو کی اللہ سے شکایت کرے گی اور لوگ بھی مجھ سے شکوہ کریں گے آخر میں اللہ سے دعا کروں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ پانی برسائے گا جس سے ان کی لاشیں بہہ کر سمندر میں چلی جائیں گے۔ پھر پہاڑ ہموار کر دیے جائیں گے اور زمین چمڑے کی طرح کھینچ دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ جب یہاں تک نوبت آ جائے گی تو قیامت پورے دنوں کی حاملہ جیسی ہوگی۔ کہ نہ معلوم صبح وشام میں کس وقت اس کے بچہ پیدا ہو جائے۔ یہ حدیث اجتماع ارواح پر اور مذاکرہ علم پر کھلی دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شہیدوں کے بارے میں فرمایا کہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں انھیں رزق دیا جاتا ہے وہ اپنے پس ماندگان سے خوش ہوتے ہیں اور اللہ کی نعمت اور اس کے فضل سے بھی۔ اس سے تین صورتوں سے روحوں کی آپس میں ملاقات کا ثبوت ملتا ہے۔ چونکہ انھیں رزق دیا

جاتا ہے اور زندہ ہیں لہٰذا آپس میں ملتے جلتے ہیں۔ نیز اپنے بھائیوں کے آنے سے اور ان کی ملاقات سے خوش ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ لغت میں استبشار تباشر کے معنی میں بھی آتا ہے یعنی ایک دوسرے کو خوشخبری سناتا ہے۔ خوابوں کے تواتر سے یہ مسئلہ ثابت ہے۔

عطاء سلمی علیہ الرحمۃ کا خواب میں آنا

صالح بن بشیر بصریؒ سے روایت ہے کہ میں نے عطاء سلمی علیہ الرحمۃ کو خواب میں دیکھا اور ان سے کہا: اللہ تم پر اپنا رحم فرمائے تم دنیا میں بڑے غمگین رہتے تھے۔ فرمایا: اللہ کی قسم اس طویل غم کے بعد اللہ نے مجھے طویل مسرت اور دائمی سرور عطا فرما دیا۔ میں نے پوچھا آپ کس درجے میں ہیں؟ فرمایا میں انبیاء صدیق شہداء اور نیک حضرات کے درجے میں ہوں۔

امام ثوری علیہ الرحمۃ کا خواب میں آنا

ابن مبارکؒ سے مروی ہے کہ میں نے امام ثوری علیہ الرحمۃ کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ اللہ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ رکھا؟ فرمایا میں نے محمد رسول اللہ ﷺ سے اور ان کی جماعت سے ملاقات کر لی۔

ابن مبارک علیہ الرحمۃ کا خواب میں آنا

صخر بن راشدؒ سے روایت ہے کہ میں نے ابن مبارکؒ کو خواب میں دیکھا اور ان سے پوچھا کہ کیا آپ وفات نہیں پا گئے تھے؟ فرمایا: کیوں نہیں۔ میں نے پوچھا پھر اللہ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ فرمایا: ایسی مغفرت عطا فرمائی کہ جس سے کوئی گناہ باقی نہیں رہا۔ میں نے پوچھا اور سفیان ثوریؒ کے ساتھ کیا کیا؟ فرمایا: واہ واہ وہ تو انبیاء صدیق شہداء اور نیک حضرات کے ساتھ ہیں۔

مروان محلمی علیہ الرحمۃ کا خواب میں آنا

یقظہ بنت راشدؒ سے روایت ہے کہ مروان محلمیؒ میرے پڑوسی تھے آپ قاضی اور مجتہد تھے۔ قضائے الٰہی سے ہو گئے۔ مجھے ان کی وفات کا بڑا صدمہ ہوا۔ میں نے انہیں خواب میں دیکھا اور ان سے پوچھا فرمایئے کیا حال ہے؟ فرمایا: مجھے اللہ نے بہشت عطا فرما دی۔ میں نے پوچھا اور کیا ملا؟ فرمایا میرا درجہ اصحاب یمین تک بلند کر دیا گیا۔ میں نے پوچھا اور کیا ملا؟ فرمایا: مجھے مقرب حضرات تک بلند کر دیا گیا۔ میں نے پوچھا آپ نے اپنے کس کس بھائی کو دیکھا؟ فرمایا: میں نے حسن بصریؒ ابن سیرینؒ

اور میمون بن سیاہؒ کو دیکھا۔

ام عبداللہ بصریؒ سے روایت ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا جیسے میں ایک آراستہ گھر میں داخل ہوئی پھر ایک باغ میں گئی جو نہایت سجا ہوا تھا۔ میں نے اس میں ایک شخص کو دیکھا جو سونے کے تخت پر آرام سے ٹیک لگائے بیٹھے ہیں اور ان کے چہار جانب جام لیے ہوئے خدام کھڑے ہیں۔ میں وہاں کی زیب وزینت دیکھ کر حیران رہ گئی اتنے میں کہا گیا کہ مروان محلمیؒ آرہے ہیں۔ یہ سن کر وہ شخص فوراً سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ پھر میری آنکھ کھل گئی۔ دیکھا تو میرے دروازے کے پاس سے مروان کا جنازہ گزر رہا تھا۔ صریح حدیثوں سے بھی روحوں کی آپس کی ملاقات وتعارف کا ثبوت ہے۔

ابولبیبہؓ سے روایت ہے کہ بشر بن معرور کی وفات سے ام بشر کو سخت دکھ ہوا اور بولیں یارسول اللہ ﷺ مرنے والا خاندان سلمہ ہی سے زیادہ تر مرتا ہے۔ کیا مردے ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو میں بشر کو سلام بھیج دوں۔ فرمایا: ہاں ام بشر اللہ کی قسم! مردے ایک دوسرے کو اس طرح پہچانتے ہیں جیسے درختوں پر پنچھی پہچان لیے جاتے ہیں۔ پھر تو خاندان سلمہ کا جو آدمی فوت ہوتا ام بشر اسی کے پاس جا کر سلام کے بعد کہتیں کہ بشر سے میرا سلام کہہ دینا۔ عبید بن عمیر سے روایت ہے کہ ارواح خبروں کے انتظار میں رہتی ہیں پھر جب ان کے پاس کوئی مردہ آتا ہے تو پوچھتی ہیں کہ فلاں فلاں کا کیا حال ہے؟ یہ کہتا ہے ٹھیک ٹھاک ہے اگر مر چکا ہوتا ہے تو کہتا ہے کیا وہ تمہارے پاس نہیں آیا۔ کہتی ہیں نہیں۔ یہ انا للہ پڑھتا ہے اور کہتا ہے کہ اسے دوسری راہ پر لے جایا گیا۔ ہمارے رستے پر نہیں چڑھایا گیا۔

صالح المریؒ سے روایت ہے کہ مجھے خبر ملی ہے کہ موت کے وقت روحیں باہم ملتی ہیں اور آنے والی روح سے پوچھتی ہیں تمہارا ٹھکانا کون سا ہے؟ تم نے کیسے جسم میں تھیں پاکیزہ یا گندے جسم میں۔ پھر صالح کی روتے روتے ہچکی بندھ گئی۔

عبید بن عمیرؒ سے روایت ہے کہ ارواح مرنے والے کی روح کو خوش آمدید کہتی ہیں اور اس سے اپنے اعزہ کی خبریں پوچھتی ہیں۔ جیسے کوئی پردیسی اپنے عزیزوں کی آنے جانے والوں سے خبریں پوچھا کرتا ہے کہ فلاں فلاں کا کیا حال ہے؟ اگر آنے والی روح کہتی ہے کہ وہ فوت ہو گیا اور ان کے پاس آیا نہیں تو ارواح کہتی ہیں کہ اسے اس کی ماں ہاویہ کے پاس پہنچا دیا گیا۔

سعید بن مسیبؒ سے مروی ہے کہ جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو جیسے غائب کا استقبال کیا جاتا ہے اسی طرح اس کا اس کے والد استقبال کرتے ہیں۔ عبید بن عمیرؒ سے روایت کیا گیا ہے کہ اگر میں اپنے

گھر والوں کی ارواح کی ملاقات سے مایوس ہوتا تو انتہائی غم کے باعث مرجاتا۔ رحمۃ اللعالمین ﷺ نے فرمایا کہ قبض کیے جانے کے بعد مومن کی روح کا اللہ کے پاس والے رحمت کے ملائکہ اس طرح استقبال کرتے ہیں جیسے دنیا میں خوش خبری سنانے جانے والے کا استقبال کیا جاتا ہے اور کہتے ہیں ذرا اپنے بھائی کو دم لے لینے دو۔ کیونکہ یہ سخت اضطراب میں تھے۔ پھر اس سے نام لے لے کر پوچھتے ہیں کہ فلاں مرد یا فلاں عورت کا کیا حال ہے؟ کیا فلاں عورت کی شادی ہوگئی؟ پھر جب اس سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھتے ہیں جو اس سے پہلے انتقال کر چکا ہے تو یہ جواب دیتا ہے کہ وہ تو مجھ سے پہلے فوت ہو چکے۔ پھر یہ ارواح انا للہ پڑھ کر کہتی ہیں کہ اسے اس کی ماں ہاویہ کی طرف لے جایا گیا۔ وہ بھی انتہائی بدترین ہے اور اس کی آغوش میں جانے والا بھی۔

تیسرا حصہ

کیا زندوں اور مردوں کی ارواح میں ملاقات ہوتی ہے؟

اس کے دلائل لاتعداد ہیں اور حس و واقعات سب سے بڑے شاہد ہیں۔ زندوں اور مردوں کی ارواح میں اسی طرح ملاقات ہوتی ہے جس طرح زندوں کی ارواح باہم ملتی جلتی ہیں۔ فرمایا: اللہ یتو فی الانفس حین موتھا الخ اللہ موت کے وقت روحیں قبض کرتا ہے اور نیند کے دوران ان ارواح کو بھی جن کی ابھی موت نہیں آئی۔ پھر جن پر موت کا حکم فرما چکا انہیں روک لیتا ہے۔ اور دوسری ارواح کو ایک مقررہ مدت تک کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔ (زمر:۴۲)

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ مجھے خبر ملی ہے کہ خواب میں زندوں اور مردوں کی ارواح ملتی ہیں۔ اور ایک دوسرے سے پوچھتی ہیں۔ پھر اللہ مردوں کی روحوں کو روک لیتا ہے۔ اور زندوں کی روحوں کو چھوڑ دیتا ہے۔ سدیؒ سے مروی ہے کہ اللہ نیند کی حالت میں بھی روحیں قبض کر لیتا ہے۔ پھر زندوں اور مردوں کی روحیں مل کر ایک دوسرے کو پہچانتی ہیں اور مذاکرہ کرتی ہیں پھر زندوں کی روحیں ان کے جسموں کی طرف دنیا میں لوٹا دی جاتی ہیں۔ مگر مردوں کی روحیں جب اپنے جسموں کی طرف لوٹنے کا ارادہ کرتی ہیں تو انہیں روک دیا جاتا ہے۔ اس آیت کا ایک مطلب تو یہ ہوا کہ جو مر چکا اس کی روح روک لی جاتی ہے اور جو زندہ ہے اس کی روح جسے نیند میں قبض کیا گیا تھا، چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اور دوسرا مفہوم یہ ہے کہ روکی ہوئی اور چھوڑی ہوئی دونوں قسم کی روحیں زندوں ہی کی ہیں۔ پھر جس کی مقررہ مدت پوری ہو چکی اس کی روح روک لی جاتی ہے اور قیامت سے پہلے جسم کی طرف نہیں لوٹائی جاتی اور جس کا وقت پورا نہیں ہوا اسے اس کے جسم کی طرف معینہ مدت پوری کرنے کے لیے لوٹا دیا جاتا ہے۔ شیخ الاسلام نے یہی مفہوم پسند فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ اسی پر قرآن و حدیث دونوں دلالت کرتے ہیں کیونکہ اللہ نے جن

ارواح کو نیند والی وفات دی ہے ان میں سے جن پر موت کا فیصلہ فرمایا ہے اسی کے روکنے کا حکم فرمایا ہے رہیں وہ ارواح جنھیں موت کے وقت قبض کیا جاتا ہے انھیں نہ روکنے ہی کا حکم ہے اور نہ چھوڑنے کا۔ بلکہ یہ تیسری قسم کی ارواح ہیں۔لیکن ترجیح پہلے مفہوم کو ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دو وفاتیں بیان کیں۔ وفات کبریٰ (موت) اور وفات صغریٰ (نیند) اور روحوں کی دو اقسام بیان فرمائیں ایک تو وہ قسم جس پر موت کا حکم صادر ہو چکا انھیں تو اللہ نے اپنے پاس روک لیا اور وفات موت عطا فرما دی اور ایک وہ قسم جس کی ابھی معینہ مدت باقی ہے انھیں اللہ نے تکمیل عمر کے لیے ان کے جسم کی طرف لوٹا دیا۔ اور محولہ بالا وفاتوں کے دو حکم (روکنا اور چھوڑنا) بیان فرمائے اور بتایا کہ زندہ وہ روح ہے جسے نیند والی وفات دی گئی ہے اگر وفات کی صرف دو اقسام (وفات موت' نیند والی وفات) ہوتیں تو والتی لم تمت فی منامھا لانے کی ضرورت نہیں تھی۔ کیونکہ یہ قبض ہی کے وقت سے مر جاتی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ وہ نہیں مری۔ تو پھر فیمسک التی قضی علیھا الموت کیسے درست ہو سکتا؟ جواب دینے والا یہ جواب دے سکتا ہے کہ نیند والی وفات کے بعد اللہ نے موت کا فیصلہ فرمایا ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ آیت وفات کی دونوں قسموں کو شامل ہے۔ کیونکہ اس میں دو وفاتوں (نیند والی وفات اور وفات موت) کا بیان ہے۔ پھر مرنے والے کی روح کو روکنے اور دوسری روح کو چھوڑنے کا ذکر ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر مرنے والے کی روح روک لیتا ہے چاہے وہ سوتے سوتے مر جائے یا جاگتے میں اور زندوں و مردوں کی روحوں کے ملنے کا یہ ثبوت بھی ہے کہ زندہ حضرات خواب میں مردوں کو دیکھتے ہیں اور ان سے حالات دریافت کرتے ہیں اور مردے نامعلوم حالات بتاتے ہیں جن کا مستقبل میں بعینہٖ ظہور ہو جاتا ہے اور کبھی ماضی میں بھی ہو چکا ہوتا ہے۔ کبھی مرنے والا اپنا دفن کیا ہوا مال بتاتا ہے جس کی اس کے علاوہ کسی کو خبر نہیں ہوتی۔ اور کبھی اپنے قرض کی اطلاع کرتا ہے (کہ میں نے فلاں کا قرض ادا کرنا ہے) اور اس کے قرائن بھی بیان کرتا ہے کبھی ایسے عمل کی خبر دیتا ہے جس کی اس کے علاوہ کسی کو بھی خبر نہ تھی کبھی یہ بتاتا ہے کہ ہمارے پاس فلاں فلاں وقت آ و گے اور اس کی خبر سچ ثابت ہو جاتی ہے۔ کبھی ایسی باتوں کی خبر دیتا ہے جن کے بارے میں زندوں کو یقین ہوتا ہے کہ انھیں اس کے علاوہ کوئی نہیں جانتا تھا۔ اوپر صعب' عوف ثابت بن قیس' صدقہ بن سلیمان جعفری' شعیب بن شیبہ اور فضل بن موفق کے واقعات لکھے جا چکے ہیں۔

ابن سلام رضی اللہ عنہ اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا عہد

سعید بن مسیبؒ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ عبداللہ بن سلامؓ اور سلمان فارسیؓ میں ملاقات ہوئی اور دونوں میں یہ معاہدہ ہوا کہ جو پہلے فوت ہو اپنے حالات کی خبر دے۔ دونوں نے یہ بھی کہا کہ زندوں اور مردوں کی روحوں کی ملاقات ہوتی ہے اور نیکوں کی روحیں بہشت میں ہیں جہاں چاہتی ہیں آتی جاتی ہیں۔ آخر ان میں سے ایک فوت ہو گیا۔ اور دوسرے سے خواب میں مل کر کہا کہ اللہ کے توکل پر قائم ہو اور خوش ہو جاؤ۔ میں نے توکل جیسا کوئی عمل نہیں پایا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے خواب میں ملنا

حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب سے روایت ہے کہ میری آرزو تھی کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھوں آخر میں نے آپ کی شہادت کے قریب ایک سال بعد آپ کو خواب میں دیکھا کہ جبین مبارک سے پسینہ پونچھ رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ اب میں فارغ ہوا ہوں۔ معلوم ہو رہا تھا کہ میری چھت دھاکے کے ساتھ گر جائے گی اگر مجھے انتہائی مشفق اور مہربان اللہ نہ سنبھالتا میں اللہ کے رحم و کرم سے بچ گیا ورنہ ہلاک ہو جاتا۔

شریح رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا

غضیف بن حارث شریح بن عابد شالی کی نزع کے وقت ان کے قریب گئے اور درخواست کی کہ اگر آپ فوت ہونے کے بعد ہمارے پاس آسکیں اور اپنے حالات کی ہمیں اطلاع دے سکیں تو ضرور ایسا کرنا۔ یہ کلمہ ارباب فقہ میں مقبول تھا۔ وفات کے بعد ایک زمانے تک تو انھوں نے خواب میں نہیں دیکھا۔ پھر ایک دن انھوں نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کیا آپ فوت نہیں ہو گئے تھے؟ فرمایا: ''کیوں نہیں''۔

پوچھا اچھا تو اب کیا حال ہے؟ فرمایا: ہمارے رب نے ہمارے گناہوں سے درگزر فرمائی۔ چنانچہ ہم میں سے بجز احراض کے اور کوئی ہلاک نہیں ہوا۔ پوچھا احراض کون؟ فرمایا: جن کی طرف کسی بات کے ضمن میں انگلیوں سے اشارہ کیا جائے۔

عمر بن عبدالعزیز علیہ الرحمۃ سے خواب میں ملنا

عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیزؒ: میں نے اپنے والد کو خواب میں دیکھا۔ جیسے آپ کسی گلستان میں ہیں۔ اور آپ نے مجھے چند سیب عنایت کیے ہیں۔ میں نے پوچھا آپ نے کون سا عمل سب سے اچھا پایا؟ فرمایا: "استغفار" میں نے اس خواب کی یہ تعبیر لی کہ میرے بیٹے ہوں گے۔ مسلمہ بن عبدالملک نے عمر بن عبدالعزیزؒ کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ امیر المومنین کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ آپ کی وفات کے بعد کیا حالات رونما ہوئے؟ فرمایا: اے مسلمہ اب میں فارغ ہوا ہوں' اللہ کی قسم! اب میں ستایا ہوں۔ پوچھا اب آپ کہاں ہیں؟ فرمایا: جنت عدن میں ہدایت یافتہ ائمہ کے ساتھ۔

زرارہؒ بن اوفی کو خواب میں دیکھنا

صالح براد سے مروی ہے کہ میں نے زرارہ بن اوفی کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ اللہ آپ پر رحم فرمائے آپ سے سوال جواب ہوئے اور آپ نے کیا جواب دیا؟ آپ نے مجھ سے رخ پھیر لیا۔ میں نے پوچھا اللہ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ فرمایا: اپنے لطف و کرم سے مجھ پر مہربانی فرمائی۔ میں نے پوچھا اور ابوالعلاء بن یزید مطرف کے بھائی کے ساتھ؟ فرمایا: وہ تو اعلیٰ درجوں میں ہیں۔ میں نے پوچھا آپ کے نزدیک کون سے عمل سب سے اچھے ہیں؟ فرمایا: "توکل اور قصر امل"۔

مسلم بن یسار علیہ الرحمۃ کو خواب میں ملنا

مالک بن دینارؒ سے مروی ہے کہ میں نے مسلم بن یسار علیہ الرحمۃ کو خواب میں دیکھا اور سلام کیا۔ مگر انھوں نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا۔ میں نے سوال کیا آپ سلام کا جواب کیوں نہیں دیتے؟ فرمایا: میں مردہ ہوں تمہارے سلام کا جواب کیسے دوں؟ میں نے پوچھا موت کے بعد کیا واقعات پیش آئے؟ فرمایا: اللہ کی قسم! میں نے خوف اور عظیم و سخت زلزلے دیکھے۔ میں نے پوچھا پھر اس کے بعد کیا ہوا؟ فرمایا: کریم سے جو تم توقع کرتے ہو وہی ہوا۔ اس نے نیکیاں قبول فرمالیں۔ گناہ معاف فرما دیے اور خود تاوانوں کا ضامن بن گیا پھر مالک بن دینارؒ چیخ مار کر بے ہوش ہو کر گر گئے۔ اس کے بعد ایک عرصے تک بیمار رہے پھر ان کا دل پھٹ گیا اور فوت ہو گئے۔

مالک بن دینار علیہ الرحمۃ کو خواب میں ملنا

سہیل (حزم کے بھائی) سے مروی ہے کہ میں نے مالک بن دینارؒ کو خواب میں دیکھا اور کہا کاش مجھے علم ہو جاتا کہ آپ اللہ کے پاس کیا لے کر گئے؟ فرمایا: بہت سے گناہ لے کر گیا تھا۔ مگر میرا اللہ کے ساتھ جو اچھا گمان تھا اس نے سارے گناہوں سے درگزر کیا۔

رجا کو خواب میں ملنا

رجا بن حیوۃ کے انتقال کے بعد انھیں ایک عابدہ وزاہدہ خاتون نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ تم کس چیز کی طرف لوٹے؟ فرمایا: بھلائی کی طرف۔ لیکن تمہارے بعد ہم گھبرا گئے اور ہم نے خیال کیا کہ قیامت آ گئی۔ پوچھا کیوں؟ فرمایا: جراح اور ان کے ساتھی معہ اپنے تمام ساز و سامان کے فردوس میں داخل ہو رہے تھے یہاں تک کہ بہشت کے دروازے پر بھیڑ ہو گئی تھی۔

مورق کو خواب میں ملنا

جمیل بن مرۃ سے مروی ہے کہ مورق عجلی میرے رفیق تھے۔ ہم نے باہم عہد کر لیا تھا کہ جو پہلے فوت ہو جائے وہ اپنے دوست کے پاس خواب میں آ کر اپنا حال سنائے چنانچہ مورق فوت ہو گئے۔ انھیں میری زوجہ نے خواب میں دیکھا کہ ہمارے پاس حسب معمول آئے ہیں اور دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں۔ میں حسب عادت اٹھ کر دروازہ کھول دیتی ہوں اور عرض کرتی ہوں کہ اپنے دوست کے گھر میں تشریف لائیے۔ فرماتے ہیں کس طرح آؤں؟ میں تو مر چکا ہوں۔ میں اپنے دوست کو اللہ کی مہربانی کی خوشخبری دینے آیا ہوں۔ انھیں بتا دینا کہ اللہ نے مجھے اپنے خاص بندوں میں شامل فرما لیا ہے۔

ابن سیرین علیہ الرحمۃ کو خواب میں ملنا

ابن سیرین علیہ الرحمۃ کی وفات سے بعض لوگوں کو انتہائی دکھ ہوا انھوں نے آپ کو خواب میں نہایت اچھی حالت میں دیکھا اور کہا کہ آپ کا حال دیکھ مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ حسن بصری علیہ الرحمۃ کا حال بیان کیجئے۔ فرمایا: وہ مجھ سے ستر درجہ بلند ہیں۔ میں نے پوچھا کیوں؟ ہم تو آپ کو افضل سمجھا کرتے تھے۔ فرمایا: وہ آخرت کے لیے متفکر رہا کرتے تھے۔

امام ثوری علیہ الرحمۃ کو خواب میں دیکھنا

ابن عیینہ نے امام ثوری علیہ الرحمۃ کو خواب میں دیکھا اور کہا کچھ وصیت فرمایئے۔ فرمایا: لوگوں سے جان پہچان کم کرو۔

حسن بن صالح علیہ الرحمۃ کو خواب میں دیکھنا

عمار بن سیف سے مروی ہے کہ میں نے حسن بن صالح علیہ الرحمۃ کو خواب میں دیکھا اور کہا میں تو آپ سے ملنے کا آرزومند تھا۔ اپنے حالات بتایئے۔ فرمایا: خوش ہو جاؤ۔ میں نے اللہ کے ساتھ حسن گمان جیسا کوئی عمل نہیں پایا۔

ضیغم عابد علیہ الرحمۃ کو خواب میں دیکھنا

ضیغم عابد علیہ الرحمۃ کو کسی نے خواب میں دیکھا' فرماتے ہیں۔ تم نے میرے لیے دعا کیوں نہیں کی۔ دیکھنے والے نے معذرت کی۔ فرمایا: اگر تم میرے لیے دعا کرتے تو اچھا ہوتا۔

رابعہ بصری علیہ الرحمۃ کو خواب میں دیکھنا

رابعہ بصری علیہ الرحمۃ کو کسی نے خواب میں دیکھا کہ مہین ریشمی کپڑے پہنے ہوئے ہیں اور دبیز ریشمی دوپٹہ ہے۔ آپ کو کمبل کے ایک جبہ اور دوپٹہ میں دفن کیا گیا تھا۔ دیکھنے والی نے پوچھا تمہارا کمبل والا کفن کدھر گیا؟ فرمایا: مجھ سے اتار کر اس کے بدلے یہ لباس پہنا دیا گیا اور اسے لپیٹ کر اس پر مہر کر دی گئی اور علیین میں رکھ دیا گیا تا کہ روز قیامت مجھے اس کا ثواب ملے انہوں نے پوچھا کیا آپ اسی غرض سے دنیا میں عمل کیا کرتی تھیں۔ فرمایا میرے خیال میں اولیاء اللہ کا یہی اکرام نہیں ہے۔ پوچھا عبدۃ بنت ابی کلاب کس حال میں ہے؟ فرمایا: اللہ کی قسم وہ تو ہم سے اعلیٰ درجوں کی طرف نکل گئیں۔ پوچھا کیسے؟ لوگوں کی نگاہوں میں تو آپ سب سے زیادہ عبادت گزار تھیں۔ فرمایا انہیں دنیا میں جس حال میں بھی تھیں کوئی پرواہ نہ تھی۔ پوچھا ابو مالک (ضیغم) کا کیا حال ہے؟ فرمایا جب چاہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی زیارت کر لیتے ہیں۔ پوچھا بشر بن منصور علیہ الرحمۃ کا کیا حال ہے؟ فرمایا: واہ واہ انہیں تو اللہ تعالیٰ نے توقع سے زیادہ عطا فرما دیا۔ درخواست کی کہ تقرب الٰہی کا کوئی عمل بتایئے۔ فرمایا: کثرت سے اللہ کا ذکر کرتی رہو۔ اس سے قبر میں تمہاری قابل رشک حالت ہوگی۔

عبدالعزیز بن سلیمان علیہ الرحمۃ کو خواب میں دیکھنا

عبدالعزیز بن سلیمان عابد علیہ الرحمۃ کو کسی نے خواب میں دیکھا کہ جسم پر سبز رنگ کے کپڑے ہیں اور سر پر موتیوں کا تاج سجا ہے۔ پوچھا کیا حال ہے؟ موت کیسی رہی اور کیا دیکھا؟ فرمایا: موت کی شدت و بے قراری نہ پوچھو مگر اللہ کی رحمت نے ہر عیب پر پردہ ڈال دیا اور اپنے رحم و کرم ہی سے ہماری خاطر مدارات کی۔

عطاء سلمی علیہ الرحمۃ کا خواب میں ملنا

صالح بن بشرؒ سے مروی ہے کہ میں نے عطاء سلمی علیہ الرحمۃ کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ کیا آپ وفات نہیں پا گئے؟ فرمایا: کیوں نہیں پوچھا موت کے بعد کیا معاملات پیش آئے؟ بولے اللہ کی قسم! میں زبردست بھلائی کی طرف اور بخشنے والے اللہ کی طرف پہنچ گیا۔ پوچھا کیا آپ دنیا میں ہر وقت فکر مند نہیں رہا کرتے تھے؟ مسکرا کر بولے: اللہ کی قسم! اس کے بدلے مجھے دائمی راحت و مسرت مل گئی۔ پوچھا اب آپ کہاں ہیں؟ فرمایا: انبیاءؑ اولیاءؒ صدیق اور شہداء کے ساتھ ہوں۔

عاصم جحدری علیہ الرحمۃ کا خواب میں ملنا

عاصم جحدری علیہ الرحمۃ کو ان کے کسی رشتہ دار نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کیا آپ فوت نہیں ہو گئے تھے؟ فرمایا: ''کیوں نہیں'' پوچھا اب آپ کہاں ہیں؟ فرمایا: اللہ کی قسم! میں جنت کے باغ میں ہوں۔ میں اور میرے ساتھی جمعہ کے جمعرات کو اور صبح کو بکر بن عبداللہ مزنیؒ کے قریب جمع ہوتے ہیں اور تمہارے حالات معلوم کرتے ہیں۔ پوچھا جسموں کے ساتھ یا صرف روحیں جمع ہوتی ہیں۔ فرمایا: جسم تو بوسیدہ ہو چکے۔ بس روحیں ملتی ہیں۔

فضیلؒ بن عیاض کا خواب میں ملنا

فضیل بن عیاض علیہ الرحمۃ کو خواب میں دیکھا گیا فرمایا رب نے میں نے بندے کے حق میں اس کے رب سے زیادہ کسی کو اچھا نہیں پایا۔

مرہ ہمدانی علیہ الرحمۃ کا خواب میں ملنا

مرہ ہمدانی علیہ الرحمۃ اتنے طویل سجدے کیا کرتے تھے کہ ان کی پیشانی پر مٹی کے نشانات واضح ہو

گئے تھے۔آپ کے کسی رشتہ دار نے آپ کو خواب میں دیکھا کہ آپ کے سجدے کی جگہ ایک انتہائی روشن تارے کی طرح جگمگا رہی ہے۔کہا آپ کے چہرے پر یہ کیسی جگمگاہٹ ہے۔فرمایا: مٹی کے نشانات کی وجہ سے میری پیشانی کو نور بخش دیا گیا۔کہا آخرت میں آپ کا کیا رتبہ ہے؟ فرمایا: بہترین منزل نصیب ہے۔اور ایسا گھر جس سے اس کے رہنے والے نہ منتقل ہوں گے اور نہ فوت ہوں گے۔

اویس قرنی علیہ الرحمۃ کا خواب میں ملنا

ابو یعقوب قاری سے مروی ہے کہ میں نے خواب میں ایک گندم گوں اور لمبا شخص دیکھا جس کے پیچھے پیچھے بہت سے لوگ تھے۔کہا یہ کون ہیں؟ لوگوں نے کہا یہ اویس قرنی علیہ الرحمۃ ہیں۔آخر میں بھی ان کے پیچھے ہو گیا اور گزارش کی کہ کچھ وصیت فرمائیں۔اللہ تعالیٰ آپ پر فضل و کرم فرمائے آپ نے مجھے غور سے دیکھا۔میں نے کہا میں ہدایت کا متلاشی ہوں میری رہنمائی فرمایئے اللہ تعالیٰ آپ پر فضل و کرم فرمائے آخر میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کی اطاعت کے پاس تلاش کرو۔اور گناہوں کے پاس اس کا عذاب ہے ان سے بچو اور اس کے درمیان اپنی امید یں اللہ تعالیٰ سے نہ کاٹو۔پھر آپ مجھے چھوڑ کر چلے گئے۔

مسعر علیہ الرحمۃ کو خواب میں دیکھا

ابن سماک سے مروی ہے کہ میں نے مسعرؒ کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ آپ کے نزدیک کون سا عمل افضل ہے؟ فرمایا: ”ذکر کی مجلسیں“۔

سلمۃ بن کہیل علیہ الرحمۃ کو خواب میں دیکھا

اجلح سے مروی ہے کہ میں نے سلمۃ بن کہیل علیہ الرحمۃ کو خواب میں دیکھا اور کہا کہ آپ نے کون سا عمل افضل پایا؟ فرمایا: ”تہجد“۔

وفا بن بشر علیہ الرحمۃ کو خواب میں دیکھا

ابوبکر بن ابی مریمؒ سے مروی ہے کہ میں نے وفاء بن بشرؒ کو خواب میں دیکھا اور کہا کیا حال ہے؟ فرمایا ہر مشکل سے نجات مل گئی۔کہا کون سا عمل افضل پایا؟ فرمایا: ”اللہ کے خوف سے رونا“۔

عبداللہ بن ابی حبیبہ علیہ الرحمۃ کو خواب میں دیکھا

موسیٰ بن درادؒ سے مروی ہے کہ میں نے عبداللہ بن ابی حبیبہؒ کو خواب میں دیکھا فرمارہے ہیں کہ مجھے میری نیکیاں اور برائیاں دکھائی گئیں میں نے اپنی نیکیوں میں انار کے وہ دانے بھی دیکھے جو زمین پر گرے پڑے تھے اور میں نے انہیں اٹھا کر کھالیا تھا اور برائیوں میں ریشم کے وہ دو ڈورے بھی دیکھے جو میری ٹوپی میں تھے۔

ایک نوجوان عابد کو خواب میں دیکھا

جویریہ بن اسماءؒ سے مروی ہے کہ ہم عبادان میں رہتے تھے ہمارے نزدیک ہی ایک کوئی نوجوان آ کر رہنے لگا۔ بے چارہ بڑا عبادت گزار تھا۔ قضائے الٰہی سے فوت ہو گیا۔ سخت گرمی تھی، ہماری رائے ہوئی کہ ذرا ٹھنڈک ہو جائے تو اس کی تجہیز و تکفین کی جائے۔ دفن کرنے سے پہلے میری آنکھ لگ گئی۔ میں نے خواب میں دیکھا جیسے میں قبرستان میں ہوں وہاں موتی کا ایک بند گنبد ہے جس کی خوبصورتی پر نظر نہیں جمتی۔ میں اسے دیکھ ہی رہی تھی کہ اتنے میں وہ پھٹا اور اس میں سے ایک نوجوان حور جو انتہائی خوبصورت تھی، جگمگاتی ہوئی برآمد ہوئی اور اس نے میرے پاس آ کر کہا۔ تمہیں اللہ تعالیٰ کی قسم ظہر کے وقت سے زیادہ انہیں ہمارے پاس آنے سے نہ روکنا۔ گھبرا کر میری آنکھ کھل گئی۔ پھر میں ان کی تجہیز و تکفین میں لگ گئی۔ اور میں نے اسی جگہ ان کی قبر کھدوائی جہاں گنبد دیکھا تھا۔ آخر انھیں اس میں دفن کر دیا گیا۔

عامر بن عبد قیس علیہ الرحمۃ کو خواب میں دیکھا

عبدالملک بن عتاب لیثی سے مروی ہے کہ میں نے عامر بن عبد قیس علیہ الرحمۃ کو خواب میں دیکھا اور کہا کہ آپ نے کون سا عمل افضل پایا؟ فرمایا: ''جس عمل سے اللہ کی خوشنودی مقصود ہو۔''

ابوالعلاء ایوب علیہ الرحمۃ کو خواب میں دیکھا

یزید بن ہارون سے مروی ہے کہ میں نے ابوالعلاء ایوبؒ بن مسکین کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا برتاؤ کیا؟ فرمایا: مجھے بخش دیا۔ پوچھا کن اعمال سے؟ فرمایا: نماز روزے سے پوچھا منصور بن زاذان کے بارے میں خبر دیجئے۔ فرمایا: ان کا محل تو ہم دور سے دیکھتے ہیں۔

ایک بچی کو خواب میں دیکھا

یزید بن نعامہ سے مروی ہے کہ ایک بچی وبائی طاعون میں فوت ہو گئی۔ اس کے والد نے اسے خواب میں دیکھا اور کہا کہ آخرت کی باتیں بتاؤ۔ بولی: ابا جان ہم ایک ایسی بڑی اہم جگہ پہنچ گئے ہیں کہ ہمیں علم تو ہے مگر عمل پر قادر نہیں۔ لیکن تم عمل پر قادر ہو مگر علم سے محروم ہو۔ اللہ کی قسم! ایک دو تسبیحات اور ایک دو رکعات جو میرے اعمال نامے میں ہوں مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہیں۔

چند عورتوں کو خواب میں دیکھا

کثیر بن مرہ سے مروی ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا جیسے میں جنت کے کسی بلند درجہ میں داخل ہو گیا ہوں اور اسے چل پھر کر دیکھ رہا ہوں اور خوش ہو رہا ہوں۔ اتنے میں میں نے دیکھا کہ اس کے ایک کونے میں مسجد کی کچھ عورتیں ہیں۔ میں نے انہیں جا کر سلام کیا اور ان سے کہا کہ تم اس مقام تک کس عمل سے پہنچیں؟ کہا سجدوں اور تکبیروں کی وجہ سے۔

عمر بن عبدالعزیز علیہ الرحمۃ کا ایک اور خواب

فاطمہ بنت عبدالملک زوجہ عمر بن عبدالعزیزؒ سے مروی ہے کہ ایک رات عمر بن عبدالعزیزؒ نے جاگ کر فرمایا کہ میں نے ایک خوش کن خواب دیکھا ہے۔ میں نے کہا میرے جان نثار سنایئے' فرمایا: صبح تک بیان نہیں کروں گا۔ پھر صبح صادق کے بعد مسجد میں جا کر نماز پڑھی پھر واپس اپنی جگہ پر تشریف لائے۔ میں نے یہ تنہائی غنیمت سمجھی اور خواب سنانے کی بڑے شوق سے گزارش کی۔ فرمایا: میں نے دیکھا جیسے کوئی مجھے ایک ہری بھری اور کھلی سرزمین پر لے گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہاں زمرد کا فرش بچھا ہوا ہے۔ اتنے میں میں نے اس میں ایک سفید چاندی جیسا محل دیکھا۔ پھر کیا دیکھتا ہوں کہ اس سے ایک آدمی باہر آ کر پکار کر اعلان کرتا ہے کہ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب اللہ کے رسول محمد ﷺ کہاں ہیں؟ اتنے میں دیکھتا ہوں کہ آپ تشریف لاتے ہیں اور اس قصر میں داخل ہو جاتے ہیں۔ پھر اس قصر سے دوسرا شخص باہر آ کر پکار کر کہتا ہے کہ ابوبکرؓ بن ابی قحافہ کہاں ہیں؟ اسی لمحے میں میں دیکھتا ہوں کہ ابوبکر صدیقؓ تشریف لاتے ہیں اور اس قصر میں داخل ہو جاتے ہیں پھر ایک شخص اور نکل کر اعلان کرتا ہے کہ عمر بن الخطابؓ کہاں ہیں؟ اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت عمرؓ بھی تشریف لاتے ہیں اور اس میں داخل ہو جاتے ہیں۔ پھر ایک اور شخص نکل کر منادی کرتا ہے کہ عثمان بن عفانؓ کہاں ہیں؟ آپ بھی

آتے ہیں اور اس میں داخل ہو جاتے ہیں۔ پھر ایک اور شخص نکل کر اعلان کرتا ہے کہ علی بن ابی طالبؓ کہاں ہیں؟ آپ بھی تشریف لاتے ہیں اور اس میں داخل ہو جاتے ہیں۔ پھر ایک شخص نکل کر اعلان کرتا ہے کہ عمر بن عبدالعزیزؒ کہاں ہیں؟ آخر میں بھی اٹھ کر اس میں داخل ہو جاتا ہوں۔ میں آپ کے پاس پہنچتا ہوں۔ آپؐ کے اصحابؓ آپ کے چاروں طرف ہیں میں دل میں سوچ رہا ہوں کہ کہاں بیٹھوں؟ آخر اپنے نانا حضرت عمرؓ کے پاس بیٹھ جاتا ہوں پھر غور سے دیکھتا ہوں تو آپ کے دائیں جانب تو حضرت ابوبکرؓ ہیں اور بائیں جانب حضرت عمرؓ ہیں۔ مزید غور کرتا ہوں تو کیا دیکھتا ہوں کہ رحمۃ اللعالمین ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے درمیان ایک اور صاحب تشریف فرما ہیں۔ کہتا ہوں کہ یہ کون ہیں؟ فرماتے ہیں کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ پھر مجھے نور کے پردے کے پیچھے سے ایک آواز آتی ہے کہ اے عمر بن عبدالعزیزؒ جس راہ پر تم قائم ہو اسے مضبوط پکڑے رہو اور اس پر جمے رہو۔ پھر مجھے باہر آنے کی اجازت مل جاتی ہے۔ پیچھے مڑ کر دیکھتا ہوں تو اچانک میرے پیچھے پیچھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ یہ فرماتے ہوئے تشریف لا رہے ہیں الحمدللہ! اللہ تعالیٰ نے میری مدد فرمائی اور آپ کے پیچھے حضرت علی رضی اللہ نہ یہ فرماتے ہوئے آ رہے ہیں: الحمدللہ! اللہ تعالیٰ نے مجھے معاف فرما دیا۔

عمر بن عبدالعزیزؒ سے روایت ہے کہ میں نے رحمۃ اللعالمین ﷺ کو خواب میں دیکھا۔ آپ کے پاس حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر رضی اللہ عنہم تشریف فرما ہیں۔ میں بھی آپ کو سلام کر کے بیٹھ گیا۔ اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت علی و امیر معاویہ رضی اللہ عنہم کو لایا گیا اور انہیں گھر میں داخل کر کے دروازہ بند کر دیا گیا۔ میں مسلسل دیکھ رہا تھا پھر وہاں سے بہت جلدی حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ فرماتے ہوئے نکلے: رب کعبہ کی قسم! میرے جھگڑے کا فیصلہ ہو گیا۔ پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یہ فرماتے ہوئے نکلے رب کعبہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے مجھے بخش دیا۔

عمر بن عبدالعزیز علیہ الرحمۃ کو ایک شخص کا خواب میں دیکھنا

ایک شخص نے عمر بن عبدالعزیزؒ کے پاس آ کر کہا کہ میں نے رحمۃ اللعالمین ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آپ کی دائیں طرف حضرت ابوبکرؓ اور بائیں طرف حضرت عمرؓ ہیں اور دو شخص جھگڑتے ہوئے آئے ہیں۔ آپ ان دونوں کے آگے بیٹھے ہیں پھر رحمۃ اللعالمین ﷺ آپ سے فرماتے ہیں کہ اے عمر! جب تم عمل کرو تو ان دونوں (ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہم) جیسے عمل کرنا۔ حضرت عمرؒ نے اس شخص سے قسم کھلوا کر کہا کہ تم نے یہ خواب دیکھا ہے اس نے قسم کھا کر یقین دلایا۔ عمر بن عبدالعزیزؒ پر گریہ طاری ہو گیا۔

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا خواب میں آنا

عبدالرحمٰن بن غنمؒ سے مروی ہے کہ میں نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو تین سال کے بعد خواب میں ایک چت کبرے گھوڑے پر سوار دیکھا۔ پیچھے کچھ سفید آدمی ہیں جو سبز کپڑوں میں ملبوس چت کبرے گھوڑوں پر سوار ہیں۔ معاذ رضی اللہ عنہ فرما رہے ہیں کاش میری بخشش کی اور عزت و وقار کی لوگوں کو بھی خبر ہو جائے پھر اپنے دائیں بائیں دیکھ کر فرماتے ہیں اے ابن رواحہ اے ابن مظعون الحمد للہ الذی صدقنا الخ۔ الحمد للہ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرمایا اور ہمیں اس سرزمین (فردوس) کا وارث بنایا۔ ہم جنت میں جہاں چاہتے ہیں آرام سے رہتے ہیں۔ عمل کرنے والوں کا کیا ہی اچھا بدلہ ہے۔ پھر مجھ سے مصافحہ کیا اور سلام کیا۔

امام ثوری علیہ الرحمۃ کو خواب میں دیکھا

قبیصہ بن عقبہؒ سے مروی ہے کہ میں نے امام ثوریؒ کو خواب میں دیکھا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا برتاؤ کیا۔ آپ نے یہ اشعار پڑھے:

نظرت الی ربی عیانا فقال لی — هنیأ رضای عنک یا ابن سعید

فقد کنت قواما اذا اللیل قد رجا — بعبرة محزون و قلب عمیر

فدونک فاختر ای قصر ترید — وزنی فانی منک غیر بعید ا

”میں نے اپنے رب کو اپنے سامنے دیکھا۔ اس نے مجھ سے فرمایا: اے ابن سعید! میری رضا تمہیں مبارک ہو۔ کیونکہ تاریک راتوں میں تم تہجد گزار رہا کرتے تھے۔ تمہاری آنکھ سے غم کے آنسو جاری تھے اور دل میں درد تھا۔ اب تمہیں اختیار ہے جو قصر چاہو چن لو اور میرا دیدار کرتے رہو کیونکہ میں تمہارے قریب ہوں۔“

ابن عیینہ علیہ الرحمۃ کا امام ثوری رحمۃ اللہ کو خواب میں دیکھنا

ابن عیینہ سے مروی ہے کہ میں نے امام ثوریؒ کو خواب میں دیکھا کہ فردوس میں کھجور کے درخت سے اڑ کر کسی اور درخت پر جا بیٹھتے ہیں پھر اس سے اڑ کر کھجور کے درخت پر آ جاتے ہیں اور فرما رہے ہیں اس جیسی نعمت کے لیے عمل کرنے والوں کو عمل کرنے چاہئیں۔ آپ سے کہا گیا کہ کن اعمال سے فردوس

ملی؟ فرمایا: پرہیزگاری اور تقویٰ سے۔ پوچھا گیا علی بن عاصم کا کیا حال ہے؟ فرمایا: ہم انھیں تارے کی طرح دیکھتے ہیں۔

شعبۃ بن حجاج اور مسعر علیہ الرحمۃ کو خواب میں دیکھنا

شعبۃ بن حجاج اور مسعر بن کدامؒ دونوں حافظ قرآن تھے اور دونوں بڑے آدمی تھے۔ ابواحمد بریدی فرماتے ہیں: میں نے دونوں کو خواب میں دیکھا اور کہا۔ ابو بسطام! اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا کیا؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ تمھیں میرے یہ اشعار یاد کرنے کی توفیق دے:

حباني الهي في الجنان بقبة	لها الف باب من لجين و جوهرا
وقال لي الرحمن يا شعبة الذي	تبحر في جمع العلوم فاكثرا
تنعم بقربي انني عنك ذو رضا	وعن عبدي القوام في الليل مسعرا
كفي مسعرا عزا بان سيزورني	واكشف عن وجهي الكريم لينظرا
وهذا فعالي بالذين تنسكوا	ولم يالفوا في سالف الدهر منكرا

"مجھے میرے معبود نے جنتوں میں ایسا گنبد عنایت فرمایا ہے جس کے ایک ہزار دروازے ہیں اور جو چاندی اور موتی کا ہے اور مجھ سے مہربان اللہ نے فرمایا کہ اے شعبہ جو کثرت سے علوم کے جمع کرنے میں ماہر تھا اب میرے پاس موج اڑا میں تجھ سے راضی ہوں اور اپنے بندے مسعر سے جو تہجد گزار تھا مسعر کو یہی عزت کافی ہے کہ اسے میرا دیدار حاصل ہے اور اس کے لیے میں اپنا عزت والا چہرہ کھول دیتا ہوں۔ عبادت کرنے والوں کے ساتھ میرا بھی یہی سلوک ہے جو ماضی میں بُری باتوں کے عادی نہ تھے۔"

امام احمد علیہ الرحمۃ کو خواب میں دیکھا

احمد بن محمد لبدی سے مروی ہے کہ میں نے امام احمد علیہ الرحمۃ کو خواب میں دیکھا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ فرمایا: مجھے بخش دیا۔ فرمایا: میں نے اپنا چہرہ تمہارے لیے جائز کر دیا ہے اب اس کے دیدار کا لطف اٹھاتے رہو۔

ایک طرسوسی نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ! مجھے قبر والے دکھا تاکہ میں ان سے امام احمد علیہ

الرحمۃ کے بارے میں پوچھوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ سلوک کیا۔ پھر میں نے دس سال کے بعد خواب میں دیکھا جیسے قبروالے اپنی قبروں سے نکل آئے ہیں اور مجھ سے ہر آدمی پہلے بات کرنا چاہتا ہے۔ انھوں نے مجھ سے کہا کہ تم دس سال سے اللہ تعالیٰ سے دعا کر رہے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمھیں ہمیں دکھلائے اور تم ایک ایسے آدمی کے بارے میں ہم سے پوچھو جو تم سے جس وقت سے علیحدہ ہوا ہے اسی وقت سے اسے فرشتے طوبیٰ کے درخت کے تلے زیورات سے سجا کر رہے ہیں۔ ابو محمد عبدالحق فرماتے ہیں کہ یہ خبر آپ کے درجہ کی بلندی پر آپ کے مقام کی بلندی پر اور آپ کے مرتبہ کی بڑائی پر دلالت کرتی ہے۔ فرشتے آپ کے حال کا وصف انھیں الفاظ میں بیان کر سکے اور اسی عبارت سے آپ کی شان رفعت کی تعبیر کر سکے۔

بشر حافی علیہ الرحمۃ اور معروف کرخی علیہ الرحمۃ کو خواب میں دیکھنا

ایک سقاء ابو جعفر رفیق بشر بن حارث سے مروی ہے: ایک مرتبہ معروف کرخی کو خواب میں دیکھا۔ جیسے کہیں سے آ رہے ہیں۔ میں نے کہا کہاں سے تشریف لا رہے ہیں؟ فرمایا: جنت الفردوس میں موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کر کے آ رہا ہوں۔

عاصم جزریؒ سے مروی ہے کہ میں نے خواب میں بشر سے ملاقات کی اور کہا کہ ابو نصر آپ کہاں سے آ رہے ہیں فرمایا علیین میں سے کہا احمد بن حنبل کا کیا حال ہے؟ میں نے انہیں اس وقت عبدالوہاب وراق کے پاس اللہ تعالیٰ کے آگے چھوڑا ہے۔ دونوں کھاتے پیتے ہیں۔ کہا اور آپ؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ مجھے کھانے کی کچھ زیادہ رغبت نہیں۔ اس لیے اس نے اپنا دیدار مجھے جائز فرما دیا۔ ابو جعفر سقاء سے مروی ہے کہ میں نے بشر کو خواب میں دیکھا کہا اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ فرمایا: مجھ پر فضل و کرم اور رحم فرمایا۔ اور فرمایا: اے بشر! اگر تم میرے لیے آگ کے انگاروں پر بھی سجدہ کرتے تو میں نے جو تمہاری محبت لوگوں کے دلوں میں پیدا کر دی ہے اس کا بھی شکر ادا نہ کر پاتے۔ اللہ تعالیٰ نے میرے لیے آدھی جنت جائز فرما دی ہے کہ میں اس میں جہاں چاہوں آرام سے کھاؤں پیوں اور اس نے میرے جنازے میں جو جو شریک تھے سب کو بخشنے کا وعدہ فرمالیا ہے۔ میں نے کہا ابو نصر تمہارا کیا حال ہے؟ فرمایا: وہ اپنے صبر و فاقے کی وجہ سے لوگوں کے اوپر ہیں۔ عبدالحق فرماتے ہیں غالباً نصف جنت سے جنت کی آدھی نعمتیں مراد ہے کیونکہ جنت کی نعمتوں کے دو حصے ہیں۔ آدھی روحانی اور آدھی جسمانی۔ جنتی عالم برزخ میں تو روحانی نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے اور قیامت کے دن جب

ارواح اپنے جسموں میں چلی جائیں گی تو ان روحانی نعمتوں پر جسمانی نعمتوں کا بھی اضافہ کر دیا جائے گا کچھ کے نزدیک جنت کی نعمتیں علم و عمل پر مرتب ہوتی ہیں۔ اس لیے بشر کا علمی نعمتوں کی بہ نسبت عملی نعمتوں میں زیادہ حصہ ہے۔

امام شبلی علیہ الرحمۃ کو خواب میں دیکھنا

کسی اللہ والے نے شبلی علیہ الرحمۃ کو خواب میں دیکھا کہ رصافہ (بغداد کا ایک محلہ) میں ایک جگہ خوبصورت لباس میں تشریف فرما ہیں جہاں عام طور پر بیٹھا کرتے تھے۔ فرماتے ہیں میں نے آپ کی طرف بڑھ کر سلام کیا اور سامنے بیٹھ کر پوچھا کہ آپ کا خاص دوست کون ہے؟ فرمایا: جب سب سے زیادہ ذکر اللہ کرتا ہے سب سے زیادہ اللہ کے حقوق کی حفاظت کرتا ہے اور اللہ کی خوشنودی میں سب سے زیادہ بہتر ہے۔

میسرۃؒ بن سلیم کو خواب میں دیکھنا

ابو عبدالرحمٰن ساحلی سے مروی ہے کہ میں نے میسرۃ بن سلیم کو خواب میں دیکھا اور کہا کہ آپ ایک لمبے عرصہ تک غائب رہے۔ فرمایا: سفر بہت لمبا ہے۔ کہا: کیا معاملہ پیش آیا۔ فرمایا: رخصت مل گئی کیونکہ ہم رخصتوں پر فتویٰ دیا کرتے تھے کہا مجھے کیا حکم؟ فرمایا: اتباع سنت اور اللہ والوں کی صحبت آگ سے نجات دیتی ہے اور اللہ سے قریب کرتی ہے۔

عیسیٰ علیہ الرحمۃ بن زاذان علیہ الرحمۃ کو خواب میں دیکھنا

ابو جعفر ضریر سے مروی ہے کہ میں نے عیسیٰ بن زاذان کو خواب میں دیکھا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ آپ نے یہ اشعار پڑھے:

لو رأیت الحسان فی الخلد حولی ۔۔۔ واکاویب معها لشراب

یترنمن بالکتاب جمیعا ۔۔۔ یتمشین مهلات الثیاب

"کاش خلد میں تم حسینوں کو میرے اردگرد دیکھتے جن کے پاس مشروبات کے لبالب جام ہیں جو نہایت عمدگی سے قرآن پڑھ رہی ہیں اور جو کپڑے گھسیٹتی ہوئی چلی آرہی ہیں۔"

مسلمؒ بن خالد زنگی کو خواب میں دیکھنا

کچھ رفقائے ابن جریج سے مروی ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مکہ کے قبرستان میں ہوں۔ میں نے ہر قبر پر شامیانہ لگا ہوا دیکھا۔ لیکن ایک قبر پر شامیانے کے ساتھ خیمہ بھی دیکھا اور بیری کا درخت بھی۔ میں خیمہ کے دروازے پر آیا اور سلام کر کے اندر گیا تو وہاں مسلم بن خالد زنگی کو دیکھا میں نے ان سے سلام کے بعد کہا: اے ابو خالد! یہ کیا بات ہے کہ تمام قبروں پر تو شامیانے ہیں مگر تمہاری قبر پر شامیانے کے ساتھ خیمہ بھی ہے اور بیری کا درخت بھی۔ فرمایا: میں کثرت سے روزے رکھا کرتا تھا' میں نے کہا ابن جریج کی قبر کہاں ہے اور ان کا مقام کہاں ہے؟ میں ان کے پاس اٹھتا بیٹھتا تھا۔ اب میں انھیں سلام کرنا چاہتا ہوں۔ یہ سن کر آپ نے ہاتھ سے شہادت کی انگلی گھما کر فرمایا۔ ابن جریج کی قبر کہاں رکھی ہے؟ ان کا اعمال نامہ تو علیین میں اٹھا لیا گیا۔

حماد بن سلمۃ علیہ الرحمۃ کا خواب

حماد بن سلمۃؒ نے خواب میں اپنے کسی ساتھی کو دیکھا اور کہا کہ اللہ نے تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کیا۔ فرمایا مجھ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ تم دنیا میں تو تکلیفیں اٹھاتے رہے۔ آج میں تجھے اور تمام دکھ اٹھانے والوں کو ہمیشہ کی خوشی بخشتا ہوں۔ یہ موضوع بہت وسیع ہے۔

موضوع گفتگو پر یقین کرنے کی صورتیں

اگر تمہارا دل اس کی تصدیق گوارا نہ کرے اور یہ کہہ کر نظر انداز کر دو کہ یہ تو خواب ہیں نہ معلوم غلط ہوں یا صحیح تو اس کے خواب میں غور کرو جس نے اپنے کسی دوست کو یا رشتہ دار کو یا کسی اور کو خواب میں دیکھا اور اس نے ایسی باتوں کی خبر دی جن کو اس کے علاوہ کوئی اور نہیں جانتا تھا یا اسے اپنا دفن ہوا خزانہ بتایا یا کسی آنے والی مصیبت کی اطلاع دی یا آئندہ کے لیے کوئی بشارت سنائی اور اس کی بعینہٖ تصدیق ہوگئی یا یہ بتایا کہ وہ یا اس کے گھر کا کوئی آدمی اتنے اتنے عرصہ میں مر جائے گا' پھر اسی طرح ہوا بھی یا اسے خوشحالی یا قحط کی خبر دی۔ یا دشمن کے حملہ یا کسی آنے والی مصیبت کی یا کسی بیماری کی یا اپنے قرض کی خبر دی اور خبر کے مطابق تمام باتوں کا ظہور ہوا۔ اس قسم کے واقعات بے شمار ہیں۔ اور لوگ ان میں مشترک ہیں۔ ہم نے اور دوسروں نے اس سلسلے میں عجائبات دیکھے ہیں۔

کیا خواب محض خیالات ہیں؟

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ تمام خیالات و اعتقادات ہیں (جو مختلف شکلوں میں خواب دیکھنے والوں کے سامنے آ جاتے ہیں جب ان کی روح نیند کی حالت میں جسمانی اشغال سے آزاد ہو جاتی ہے) غلط ہے بلکہ ناممکن ہے۔ کیونکہ جسم میں کبھی ان باتوں کے جاننے کی صلاحیت نہیں جو خواب میں بتائی گئی ہیں۔ بلکہ وہ خیال میں بھی نہیں ہوتیں اور نہ جسم کے پاس ان کی کوئی نشانی اور علامت ہوتی ہے ہم اس کا انکار نہیں کرتے کہ کبھی خیالات بھی خواب کا سبب بنتے ہیں۔ کیونکہ کچھ خواب خیالات و اعتقادات سے بھی دکھائی دیتے ہیں۔ بلکہ لوگوں کے اکثر خواب صرف ان کے خیالات و اعتقادات کی صورتیں ہوتی ہیں۔ خواہ واقع کے مطابق ہوں یا نہ ہوں۔

خواب کی اقسام

خواب کی تین قسمیں ہیں: (۱) کچھ خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں۔ (۲) کچھ شیطان کی جانب سے اور (۳) کچھ خیالات ہوتے ہیں۔

سچے خوابوں کی اقسام

سچے خواب کی چند اقسام ہیں:

(۱) الہامی خواب میں اللہ تعالیٰ کے بندے کے دل میں نیند میں کوئی بات ڈال دیتا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ خواب میں اپنے بندے سے کلام فرماتا ہے جیسا کہ عبادۃ بن صامت وغیرہ کا بیان ہے تمثیلی خواب یہ ہے کہ خواب کا فرشتہ تمثیلی رنگ میں کوئی بات کہتا ہے۔ ارواح کی طرف سے خواب یعنی سونے والے کی روح اپنے کسی مردہ عزیز دوست کی روح سے ملتی ہے اور وہ روح اسے کوئی بات بتا دیتی ہے۔ عروجی خواب یعنی سونے والے کی روح اللہ تعالیٰ کی طرف پرواز کرتی ہے اور خواب نظر آتا ہے۔ جنتی خواب یعنی سونے والے کی روح جنت میں چلی جاتی ہے اور اس کا مشاہدہ کر آتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ جب کہ زندوں اور مردوں کی ارواح کا اجتماع بھی سچے خواب کی ایک قسم ہے جو لوگوں کے نزدیک محسوسات کی جنس سے ہے۔ اس مسئلہ میں لوگوں کا اختلاف ہے۔

کیا روح علوم کا سرچشمہ ہے؟

کچھ کے نزدیک روح میں تمام علوم پائے جاتے ہیں لیکن اسے عالم کی مصروفیتوں نے ان کے مطالعہ سے روک رکھا ہے۔ پھر جب نیند کی وجہ سے روح آزاد ہو جاتی ہے تو اپنی صلاحیت کے مطابق ان میں سے کسی بات کا مشاہدہ کر لیتی ہے۔ اور چونکہ موت سے پوری آزادی مل جاتی ہے اس لیے اب روح کے علوم و معارف بھی کمال پر پہنچ جاتے ہیں۔ مگر یہ بات کچھ ٹھیک بھی ہے اور کچھ غلط بھی۔ کیونکہ روح کی آزادی روح کو ان علوم و معارف سے خبردار کرتی ہے۔ جن پر آگاہی بغیر آزادی کے مشکل ہے لیکن اگر روح پوری طرح آزاد ہو جائے تو پھر بھی اللہ تعالیٰ کے اس علم پر مطلع نہیں ہو سکتی جسے اس نے اپنے رسولوں کو عطا فرما کر مبعوث فرمایا ہے اور نہ ان تفصیلات پر جن کی اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے۔ یعنی گزرے ہوئے انبیاء کی اور ان کی قوموں کی تفصیلات پر۔ اسی طرح معاد پر۔ قیامت کی شروط پر اچھے برے کاموں پر اچھے ناموں پر صفات و افعال پر جبکہ شریعت کی تمام جزئیات پر آگاہ نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ یہ تمام باتیں وحی سے معلوم ہوتی ہیں۔ ہاں روح کی آزادی ان باتوں کی پہچان پر روح کی مددگار ضرور بن جاتی ہے۔ لیکن انہیں بدن کی مصروفیات میں دبی ہوئی روح کے حاصل کردہ معلومات کی بہ نسبت۔ ان کے معدن سے حاصل کرنا زیادہ آسان قریب اور کثرت سے ہے۔

کچھ کے نزدیک خواب بغیر اسباب علوم حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں مگر یہ خیال غلط ہے

کچھ کے نزدیک خواب وہ علوم ہیں جن کو اللہ نے بغیر کسی سبب کے نفس انسانی میں شروع میں پیدا فرما دیا ہے۔ یہ بیان ان کا ہے جو اسباب و حکمتوں کے قائل نہیں مگر شریعت فطرت اور عقل کے مخالف ہے۔

بعض کے نزدیک خواب مثالیں ہیں

اللہ تعالیٰ بندے کی صلاحیت کے مطابق بندے کو کوئی بات مثالی رنگ میں بتاتا ہے اس لیے کبھی تو مثالی رنگ میں خواب دکھائی دیتا ہے اور کبھی جو کچھ دکھائی دیا تھا بعینہ اس کا ظہور ہو جاتا ہے۔ غرض کہ خواب واقع کے مطابق اسی طرح ہوتے ہیں جیسے علم معلوم کے مطابق ہوتا ہے یہ بیان پہلے دونوں

بیانوں سے اچھا ہے لیکن خواب اسی پر منحصر نہیں بلکہ اس کے اور بھی اسباب ہیں جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔

حضرت علیؓ سے تین عجیب وغریب سوالات و جوابات

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اکثر اوقات آپ رحمۃ اللعالمین ﷺ کے پاس ہوتے ہیں مگر ہم نہیں ہوتے۔ اور کبھی ہم ہوتے ہیں آپ نہیں ہوتے' میں آپ سے تین سوال کرتا ہوں۔ اگر آپ کو جوابات معلوم ہوں تو بتائیے۔
حضرت علی رضی اللہ عنہ "پوچھیں"

(۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ "کسی کو کسی سے محبت ہوتی ہے جبکہ وہ اس کا کوئی سلوک نہیں دیکھا۔
(۲) کسی کو کسی سے دشمنی ہوتی ہے جبکہ اس نے اس سے کوئی برائی نہیں دیکھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ: "ہاں میں نے رحمۃ اللعالمین ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے کہ ارواح جمع شدہ لشکر ہیں اور فضا میں ملتی جلتی ہیں۔ پھر جن ارواح میں تعارف ہو جاتا ہے ان میں محبت ہو جاتی ہے اور جن میں اجنبیت رہتی ہے ان میں دنیا میں بھی اجنبیت ہی رہتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ایک تو جواب ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آدمی بات کرتا کرتا کوئی بات بھول جاتا ہے پھر اچانک اسے بات یاد آجاتی ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں میں نے رحمۃ اللعالمین ﷺ سے سنا فرماتے تھے ہر دل کے لیے چاند کے بادل کی طرح بادل ہوتا ہے۔ پھر جس طرح چاند پر بادل چھا کر اس کی روشنی ختم کر دیتا ہے اور جب ہٹ جاتا ہے تو پھر چاند روشن ہو جاتا ہے اسی طرح انسان کے ذہن پر گفتگو کے درمیان بادل چھا جاتا ہے اور وہ بات بھول جاتا ہے اور جب ہٹ جاتا ہے تو اسے وہ بات یاد آجاتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا دو کا جواب ہوا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ انسان خواب دیکھتا ہے پھر کوئی خواب تو سچا ہوتا ہے اور کوئی جھوٹا اس کی وجہ؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں میں نے رحمۃ اللعالمین ﷺ سے سنا۔ آپ فرمارہے تھے کہ جب انسان گہری نیند سو جاتا ہے تو اس کی روح عرش تک چڑھتی ہے۔ پھر جو عرش کے ورے بیدار نہیں ہوتا (اور کچھ خواب میں دیکھتا ہے) تو اس کا وہ خواب سچا ہوتا ہے۔ ورنہ جھوٹا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: الحمد للہ۔ میں نے موت سے پہلے تینوں کا جواب پالیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ حیرانگی کی بات ہے کہ کبھی انسان خواب میں ایسی بات دیکھتا ہے جس کا اس کے دل میں ذرہ بھی نہیں گزرا تھا۔ اور اس کا وہ خواب سچا ہو جاتا ہے۔ اور کچھ خواب کچھ بھی نہیں ہوتا۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اللہ یتوفی الانفس. الخ اللہ موت کے وقت بھی روحیں قبض کر لیتا ہے۔ اور جو فوت نہیں ہوئے ان کی ارواح نیند میں بھی قبض کر لیتا ہے پھر وہ ارواح روک لیتا ہے۔ جن پر موت کا فیصلہ ہو چکا ہوتا ہے۔ اور دوسری ارواح ایک مقررہ مدت کے لیے چھوڑ دیتا ہے جن روحوں کو نیند میں چڑھایا جاتا ہے وہ جو کچھ آسمان میں دیکھ آتی ہیں وہ باتیں درست ہوتی ہیں۔ پھر جب وہ اپنے جسموں کی طرف واپس آ جاتی ہیں تو فضا میں انھیں شیطان مل جاتے ہیں اور ان کو جھوٹی باتیں بتا دیتے ہیں۔ ایسے خواب جھوٹے ہیں (کتاب النفس والروح لابن مندہ) طبرانی میں ابن عباسؓ سے مروی بھی اسی کے ہم معنی ہے۔ ایک کمزور روایت میں ابوالدرداءؓ کا بیان ہے کہ جب انسان سو جاتا ہے تو اس کی روح اوپر چڑھتی ہے۔ یہاں تک کے عرش کے پاس جا پہنچتی ہے۔ پھر اگر وہ نیک ہوتا ہے تو روح کو سجدے کی اجازت ملتی ہے ورنہ نہیں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ارواح جمع کئے ہوئے لشکر ہیں اور آپس میں ملتی جلتی ہیں۔ پھر بعض ان میں گھوڑوں کی طرح منحوس بھی ہوتی ہیں۔ پھر جن ارواح میں جان پہچان ہو جاتی ہے ان میں محبت ہو جاتی ہے ورنہ اختلاف ہو جاتا ہے۔ لوگ پرانے زمانے سے اب تک یہ بات جانتے ہیں اور اس کا مشاہدہ کرتے چلے آئے ہیں۔

میں دن بھر تو بے وقوف رہتا ہوں مگر رات کو خواب میں میری روح میرے محبوب کی روح سے ملاقات کرا آتی ہے۔ (جمیل بن معمر)

خواب میں زندہ ارواح کا اجتماع کس طرح ہوتا ہے؟

اگر کوئی کہے کہ کبھی انسان زندہ آدمی کو بھی خواب میں دیکھ لیتا ہے اور اکثر اوقات دونوں کے درمیان کافی فاصلہ ہوتا ہے ان کی ارواح کا کس طرح اجتماع ہوتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ یا تو مثال ہوتی ہیں جسے خواب کا فرشتہ مثال کے رنگ میں پیش کرتا ہے۔ یا خواب دیکھنے والے کا خیال ہوتا ہے جو خواب میں اس کے لیے مجسم کر دیا جاتا ہے۔

سقیا لطیفک من زور اتاک بہ حدیث نفسک عنہ وھو مشغول

(حبیب بن اوس)

اے محبوب اللہ تیرے تصور کو شاداب رکھے کہ مجھے اس کی بدولت تیری زیارت ہو گئی۔

تیرے قربان اے میرے خیال۔ وہ گویا روبرو ہے اور میں ہوں کبھی دو ارواح میں کوئی خاص نسبت ہوتی ہے اور دونوں کا انتہائی گہرا اور پوشیدہ تعلق ہوتا ہے۔ جس کی بنا پر ہر ایک کو اپنے ساتھی کے

کچھ واقعات کا شعور ہو جاتا ہے۔ گو ان کا کسی غیر کو شعور نہ ہو لوگ اس سلسلے میں عجائبات کا مشاہدہ کر چکے ہیں۔ جب کہ زندہ ارواح اور مردہ ارواح کا بھی اجتماع ہوتا ہے۔ اور زندوں زندوں کی ارواح کا بھی۔

اجتماع ارواح کے بارے میں بعض سلف کے اقوال

مختلف علماء کا بیان ہے کہ ارواح کی آسمان میں ملاقات ہو جاتی ہے۔ اور تعارف ہو جاتا ہے پھر سلسلہ گفتگو چلتا ہے پھر ان کے پاس خواب کا فرشتہ وہ بھلائی یا برائی لے آتا ہے جو انھیں ملنے ہونے والی ہے اللہ تعالیٰ نے سچے خوابوں پر ایک فرشتہ مقرر فرما دیا ہے جو کیلئے اکیلے ہر شخص کو جانتا پہچانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ہر آدمی کے حالات کی تعلیم دے دی ہے۔ وہ ہر آدمی کے آنے والے طبعی دینی اور دنیوی انقلابات کو جانتا ہے اور تمام تفصیلات پر بخوبی حاوی ہے۔ کوئی جز اس سے پوشیدہ نہیں۔ اور نہ وہ اپنی معلومات میں غلطی کرتا ہے۔ اس فرشتے کو ام الکتاب (اللہ کے علم غیب) سے ان واقعات وحادثات کی تحریر مل جاتی ہے جو کسی آدمی کو پیش آنے والے ہوتے ہیں۔ پھر وہ انھیں اس کے سامنے محسوسات و مثالوں کے رنگ میں اس کی عادت کے مطابق ڈھال دیتا ہے۔ چنانچہ کبھی تو اسے ماضی یا مستقبل کی بھلائی کی خوشخبری سنا دیتا ہے۔ اور کبھی ان گناہوں سے جن کا اس نے ارادہ کیا ہے یا کر چکا ہے ڈراتا ہے اور کبھی ان بُری باتوں سے نفرت دلاتا ہے جن کے اسباب مہیا ہو چکے ہیں تا کہ وہ اسباب ایسے اسباب سے ٹکرا جائیں جو انھیں مٹا دیں۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے خواب میں اپنی عنایت ومہربانی سے خبر دار اور بیدار کرنے کے لیے اور بھی مصلحتیں رکھیں ہیں۔ اور خواب کا ایک طریقہ ارواح کی آپس کی ملاقات وتعارف کا بھی مقرر فرمایا ہے بہت سے لوگوں کی اصلاح خوابوں ہی سے ہو جاتی ہے اور وہ گناہوں سے پرخلوص توبہ کر کے اللہ والے اور آخرت کے طالب بن جاتے ہیں۔ اور بہت سے ان کے ذریعہ مال دار بن جاتے ہیں۔ اور مدفون ہوا خزانہ پا جاتے ہیں۔

ایک خواب کا واقعہ

ایک شخص سے مروی ہے کہ ایک دفعہ ہم تین آدمی سفر پر روانہ ہوئے۔ سفر کے درمیان ہمارا ایک ساتھی سو گیا۔ ہم نے دیکھا کہ اس کی ناک سے چراغ جیسی روشنی نکل کر ایک قریب ہی غار میں جاتی ہے پھر واپس آ کر اس کی ناک میں داخل ہو جاتی ہے پھر وہ آنکھیں مل کر اٹھتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے ایک عجیب خواب دیکھا ہے میں نے دیکھا کہ اس غار میں بہت خزانہ ہے۔ چنانچہ ہم اس غار میں جاتے ہیں تو وہاں اتنا ہی خزانہ پاتے ہیں جتنا وہ خواب میں دیکھتا ہے۔

عبدالمطلب کو خواب ہی میں مقام زمزم بتایا گیا

عبدالمطلب کو خواب ہی میں زمزم کی جگہ بتائی گئی تھی اور انہیں اس جگہ خزانہ بھی مل گیا تھا۔

عمیر کو خواب میں خزانے کی بشارت

عمیر بن وہیب سے خواب ہی میں کہا گیا تھا کہ گھر میں فلاں فلاں جگہ کھودو تمہارے والد کا دبایا ہوا مال نکل آئے گا۔ ان کے والد نے مال دبا دیا تھا اور مرنے سے پہلے بتانے کا موقع نہ مل سکا تھا۔ عمیر خواب دیکھ کر وہی جگہ کھودتے ہیں تو وہاں سے دس ہزار درہم اور بہت سا سونا نکل آتا ہوتا ہے۔ وہ اس سے اپنا قرض بھی اتار دیتے ہیں اور خوش حال ہو جاتے ہیں۔ یہ واقعہ ان کے اسلام لانے کے بعد کا ہے۔ جب یہ مال نکل آتا ہے تو ان کی چھوٹی بچی کہتی ہے ابا جان جس خدا نے ہمیں اپنے دین سے زندگی بخشی وہ ھبل اور عزی سے اچھا ہے کیونکہ آپ نے ابھی چند ہی دن سے اس کی عبادت کرنی شروع کی ہے کہ اس نے آپ کو یہ مال عطا فرما دیا۔

ابو محمد عبداللہ کے حیرت انگیز خواب

علی بن ابی طالب قیروانی معبر کا قول ہے کہ عمیر کے خواب کا واقعہ اتنا حیرت انگیز نہیں جتنے وہ واقعات حیرت انگیز ہیں جن کا ہم نے اپنے زمانے میں اپنے شہر میں اپنی آنکھوں سے ابو محمد عبداللہ سے دیکھا ہے۔ عبداللہ ایک نیک آدمی تھے۔ یہ مردوں کو خواب میں دیکھ کر ان سے پوشیدہ باتیں معلوم کر لیا کرتے تھے اور ان کے اہل و عیال اور رشتہ داروں کو بتا دیا کرتے تھے۔ اس میں انھیں کمال حاصل تھا اور دور دور تک مشہور تھے۔ لوگ دور دور سے ان کے پاس آ کر کہتے کہ ہمارا فلاں عزیز فوت ہو گیا اس کے پاس مال تھا مگر اسے بتانے کا موقعہ نہ مل سکا۔ اب مال کا پتہ نہیں کہ کہاں دبایا ہوا ہے۔ یہ فرماتے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہو گا تو مل جائے گا تم کل آنا۔ پھر یہ اللہ تعالیٰ سے دعا کر کے رات کو سو جاتے اور خواب میں اسی مردے کو دیکھتے پھر اس سے اس کے مال کے بارے میں پوچھتے وہ انہیں بتا دیتا تھا کہ فلاں جگہ دبایا ہوا ہے۔

کسی عورت کی سات اشرفیاں ایک عورت کے پاس تھیں اور وہ فوت ہو گئی

ان کا ایک واقعہ ہے کہ ایک بڑھیا فوت ہو گئی بے چاری نیک تھیں۔ ان کے پاس کسی عورت کی

سات اشرفیاں امانت رکھی ہوئی تھیں۔ وہ روتی پیٹتی عبداللہ کے پاس آئی اور ان سے اپنا واقعہ بیان کیا اور بڑھیا کا نام بتا کر چلی گئی۔ پھر دوسرے دن آئی تو عبداللہ نے کہا کہ خواب میں مجھے بڑھیا نے بتایا ہے کہ میرے گھر کی چھت پر سات لکڑیاں ہیں۔ ساتویں لکڑی میں ایک اونی کپڑے میں لپٹی ہوئی اشرفیاں رکھی ہیں۔ وہاں سے لے لو۔ چنانچہ ان کی ہدایت کے مطابق اشرفیاں وہاں سے مل گئیں۔

ایک مزدور کا واقعہ

مجھے ایک معتبر آدمی نے بتایا ہے کہ مجھے ایک عورت مزدوری پر لے گئی کہ میں اس کا گھر گرا کر نیا بنا دوں۔ جب میں نے اسے گرانے کا ارادہ کیا تو وہ عورت اور تمام گھر والے باہر نہیں نکلے۔ میں نے کہا کیا بات ہے؟ عورت نے کہا میں صرف اس وجہ سے گھر گرانا کرانا چاہتی ہوں کہ میرے والد مال دار تھے قضائے الٰہی سے فوت ہوگئے۔ پتہ نہیں ان کا مال کہاں ہے؟ میں نے سوچا کہ گھر ہی میں دبایا ہوگا۔ شاید مکان گرانے سے مل جائے۔ کسی نے کہا اس سے زیادہ آسان بات تو تم بھول ہی گئیں۔ بولی وہ کیا؟ اس نے کہا فلاں کے پاس جا کر یہ واقعہ بیان کرو۔ شاید وہ خواب میں تمہارے والد کو دیکھ کر ان سے پوچھ لیں اور بغیر محنت و خرچ کے تمہیں تمہارے والد کا مال مل جائے۔ چنانچہ وہ ان کے پاس گئی اور اپنا اور اپنے والد کا نام بتا آئی۔ دوسرے دن صبح سویرے ان کے پاس گئیں تو انہوں نے بتایا۔ میں نے تمہارے والد کو خواب میں دیکھا اور ان سے مال کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے مال محراب میں دبایا ہوا ہے۔ چنانچہ اس نے کھود کر اسے نکال لیا۔ لوگوں کو تعجب ہوا جبکہ مال تھوڑا تھا اس لیے وہ پھر ان کے پاس گئی کہ اس جگہ سے مال تو ملا ہے مگر تھوڑا ہے۔ کہا کل آنا۔ پھر وہ دوسرے دن گئی تو فرمایا کہ تمہارے والد نے بتایا ہے کہ اس مربع حوض کے نیچے کھودو جو روغن زیتون کا خزانہ ہے۔ پھر جب اس نے کمرہ کھولا تو اس کے کونے میں ایک مربع حوض دیکھا وہاں کھودا تو ایک بڑا آب خورہ ملا مگر اب بھی اس عورت کی پیاس نہیں بجھی پھر گئی۔ اور ماجرا بیان کیا۔ کہا کل آنا۔ صبح کو سویرے ہی پہنچ گئی۔ فرمایا تمہارے والد کہتے ہیں کہ تمہیں تمہارے مقدر کا مل گیا۔ باقی مال پر جن قابض ہوگیا ہے وہ جس کے نصیب میں ہوگا اسے ملے گا اس موضوع کے سلسلے میں بہت سی حکایات منقول ہیں۔ اور یہ واقعات تو بہت ہیں کہ خواب میں بیماری کی دوا بتائی گئی اور اس سے اللہ تعالیٰ نے صحت عطا فرمائی۔

علامہ ابن تیمیہ علیہ الرحمۃ کو خواب میں دیکھنا

مجھ سے بہت سے ان لوگوں نے جو شیخ الاسلام ابن تیمیہ علیہ الرحمۃ کے معتقد تھے بیان کیا کہ انھوں نے شیخ ابن تیمیہ کو خواب میں دیکھا اور فرائض کے مشکل مسائل شیخ ابن تیمیہ سے پوچھے اور شیخ نے انھیں حل کر بتا دیئے۔ بہر حال اس کا وہی انکار کر سکتا ہے جو ارواح کے حالات و احکام سے ناواقف ہے۔

☆☆☆

چوتھا حصہ

کیا ارواح بھی مرتی ہیں یا صرف جسم کو موت آتی ہے؟

کچھ کے نزدیک ارواح بھی مرتی ہیں کیونکہ روح بھی جسم ہے اور ہر جسم کے لیے موت ہے۔ معلوم ہوا کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی بھی باقی نہیں رہے گا کل من علیھا فان الخ جو روئے زمین پر ہیں سب فنا ہو جائیں گے بس آپ کے جلال وعزت والے رب کی ذات باقی رہے گی کل شی ھالک الا وجھہ سوائے آپ کے رب کی ذات کے ہر چیز ختم ہو جائے گی جب فرشتوں کو موت ہے تو ارواح انسان کو سب سے پہلے موت ہے نیز اللہ تعالیٰ نے جہنیوں کی طرف سے نقل فرمایا ہے کہ وہ کہیں گے اب رب تو نے دو بار ہمیں موت دی اور دو بار ہی زندگی عطا کی۔ اس لیے ان دونوں موتوں میں سے پہلی موت تو جسم کی ہے اور دوسری روح کی۔ لیکن کچھ کے نزدیک ارواح کو موت نہیں ہے۔ کیونکہ انھیں زندگی ہی کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ بس جسم ہی مرتے ہیں۔ کیونکہ جسم سے جدا ہونے کے بعد پھر جسم میں آنے تک روح پر عذاب وثواب ہوتا ہے جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے۔ اگر روحیں بھی مر جائیں تو پھر ان پر عذاب وثواب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ولا تحسبن الذین قتلوا الخ تم اللہ کی راہ میں قتل کیے جانے والوں کو مردہ نہ سمجھو۔ بلکہ وہ زندہ ہیں۔ انھیں رب کے پاس رزق دیا جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے جو کچھ انھیں دیا ہے اس سے خوش ہیں۔ اور اپنے پسماندگان سے جو ان سے نہیں ملے ہیں خوش ہیں۔ جبکہ ان کی ارواح جسموں سے جدا ہو چکیں اور وہ موت کا ذائقہ چکھ چکے۔

دونوں رایوں میں محاکمہ

اگر ارواح کی موت سے ان کا اجسام سے جدا ہونا مراد ہے تو بے شک ارواح بھی مرتی ہیں۔ اور اگر یہ مراد ہے کہ وہ بھی جسموں کی طرح عدم محض میں گم ہو جاتی ہیں تو بے شک ارواح نہیں مرتیں۔ بلکہ پیدا ہونے کے بعد سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے باقی رہتی ہیں۔ بے شک ثواب میں رہیں یا عذاب میں۔ اس کا بیان انشاء اللہ تعالیٰ تفصیل سے آ رہا ہے۔ اور واضح دلائل سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ارواح عالم برزخ میں عذاب وثواب میں رہتی ہیں۔ جب تک اللہ پھر انھیں ان کے جسموں میں نہ واپس کر دے احمد بن حسین کندی نے اس اختلاف کو دو اشعار میں بیان کر دیا ہے کہ لوگوں میں یہاں تک اختلاف ہے کہ سوائے موت کے کسی بات میں بھی اتفاق نہیں۔ بلکہ موت میں بھی اختلاف ہے' کچھ کہتے ہیں روح صحیح سالم رہے گی اور کچھ کہتے ہیں روح کو بھی موت ہے۔

کیا نفخ صور کے وقت ارواح زندہ رہیں گی یا مر جائیں گی اور پھر زندہ ہوں گی؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ونفخ في الصور الخ اور صور پھونکا جائے گا پھر تمام آسمان وزمین والے فوت ہو جائیں گے مگر جنھیں اللہ زندہ رکھنا چاہے۔ کچھ کے نزدیک موت سے مستثنیٰ شہید ہیں۔ کچھ کے نزدیک چاروں بڑے فرشتے' کچھ کے نزدیک حوریں اور جنتی اور جہنم کے محافظ وغیرہ۔ امام احمدؒ سے منقول ہے کہ نفخ صور کے وقت حوریں اور نابالغ لڑکے نہیں مریں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لا يذوقون فيها الموت الا الموتة الاولى۔ کہ جنتی جنت میں موت نہیں چکھیں گے۔ پس انھیں دنیا میں موت آ چکی۔ ورنہ دو موتیں ہو جائیں گی۔ رہا جہنمیوں کا یہ قول کہ اے رب تو نے ہمیں دو بار موت دی اور دو بار زندگی بخشی اس کی تفسیر بقرہ والی آیت کيف تكفرون بالله الخ میں ہے۔ یعنی تم اللہ کا کیسے انکار کر سکتے ہو حالانکہ تم مردہ تھے پھر اللہ نے تمہیں زندگی دی۔ پھر وہ تمہیں مارے گا اور پھر زندگی دے گا۔ یعنی باپوں کی پشتوں اور ماؤں کے پیٹوں میں نطفوں کی شکلوں میں مردہ (معدوم) تھے پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے زندگی بخشی۔ پھر مار کر قیامت کے دن زندگی بخش دے گا۔ اس آیت میں قیامت سے پہلے نفخ صور سے روحوں کو مارنا مطلب نہیں ہے۔ ورنہ تین موتیں جمع ہو جائیں گی۔ نفخ صور کے وقت روحوں کے بے ہوش ہو جانے سے ان کی موت لازم نہیں آتی۔ ایک صحیح حدیث میں ہے کہ لوگ روز قیامت بے ہوش ہو جائیں گے پھر سب سے پہلے مجھے ہوش آئے گا تو میں حضرت موسیٰ علیہ

السلام کو عرش کا پایہ پکڑے پاؤں گا۔ پتہ نہیں آپ مجھ سے پہلے ہوش میں آ گئے یا طور پر بے ہوشی کے
بدلے میں بے ہوش ہی نہیں ہوئے۔ موقف میں جب اللہ تعالیٰ فیصلے کے لیے آئے گا اور اس کے نور
سے زمین روشن ہو جائے گی۔ اس وقت بھی سب بے ہوش ہو جائیں گے۔ بس اگر یہ بے ہوشی موت
ہے تو ایک نئی موت لازم آتی ہے۔ علماء کی ایک جماعت کا ذہن اس کی طرف منتقل ہوا ہے۔ چنانچہ قرطبی
کا بیان ہے کہ بظاہر اس حدیث سے بے ہوشی مراد ہے موت مراد نہیں۔ ہمارے شیخ احمد بن عمرو کا بیان
ہے کہ بظاہر دوسری بار نفخ صور کے بعد بے ہوشی گی۔ اور قرآن کی آیت کا مطلب ہے کہ یہ استثناء بے
ہوشی والے نفخ صور کے بعد ہے۔ اسی بنا پر کچھ علماء نے کہا ہے کہ ممکن ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام فوت
ہی نہ ہوئے ہوں مگر یہ غلط ہے۔ قاضی عیاض کا بیان ہے کہ ممکن ہے اس بے ہوشی سے قبروں سے اٹھنے
کے بعد موقف کی گھبراہٹ کی بے ہوشی مراد ہو۔ جب آسمان و زمین پھٹ رہے ہوں گے۔ لیکن قرطبی
نے کہا ہے کہ قاضی صاحب کا یہ بیان غلط ہے جس کی غلطی حدیث کے ان الفاظ سے ثابت ہوتی ہے کہ
جب آپ اپنی قبر سے باہر آئیں گے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عرش کا پایہ پکڑے ہوئے پائیں گے۔
یہ حال گھبراہٹ میں ڈال دینے والے نفخ صور کے وقت ہوگا۔

موت عدم نہیں ہے بلکہ انتقال مکانی ہے

ہمارے شیخ احمد بن عمرو کا بیان ہے کہ یہ مشکل انشاء اللہ اس بیان سے حل ہو جائے گی کہ موت عدم
نہیں ہے بلکہ مکان منتقل کرنا ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ شہید قتل و موت کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں۔
کھاتے پیتے ہیں اللہ کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اور دنیا کے دوست اور قریبی رشتہ داروں
سے بھی خوش ہوتے ہیں پھر جب شہیداء کی برزخی زندگی ہے تو انبیاء سب سے پہلے اس کے حق دار ہیں
مزید براں رحمۃ اللعالمین ﷺ سے ثابت ہے کہ زمین انبیاء کے اجسام نہیں کھاتی۔ اور یہ بھی کہ شب
اسرا میں آپ بیت المقدس میں نبیوں کے اجتماع میں شریک ہوئے اور آسمان میں بھی نبیوں سے
ملاقات ہوئی۔ خصوصاً حضرت موسیٰ علیہ اسلام سے۔ اور یہ بھی کہ آپ نے فرمایا جو مسلمان مجھے سلام کرتا
ہے اللہ تعالیٰ اس کے سلام کا جواب دینے کے لیے میری روح مجھے واپس کر دیتا ہے۔ وغیرہ۔ ان تمام
باتوں سے یہ بات یقینی طور پر ثابت ہوتی ہے کہ انبیاء برزخی زندگی سے زندہ ہیں۔ اب جب کہ ان کی
زندگی ثابت ہوگئی تو جب بے ہوشی کا صور پھونکا جائے گا تو تمام آسمان و زمین والے بے ہوش ہو جائیں
گے سوائے ان کے جنہیں اللہ تعالیٰ ان کی پہلی حالت پر برقرار رکھے اسلئے غیر انبیاء کی بے ہوشی تو موت

ہے اور انبیاء صرف بے ہوش ہوں گے۔ پھر جب موت کے بعد زندگی کا صور پھونکا جائے گا تو مرنے والے زندہ ہو جائیں گے اور انبیاء کو ہوش آ جائے گا۔ اسی وجہ سے آپ نے ایک صحیح حدیث میں فرمایا کہ سب سے پہلے مجھے ہوش آئے گا۔ اسلئے ہمارے محبوب نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علاوہ سب سے پہلے اپنی قبر سے باہر تشریف لائیں گے۔ آپ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں شک ہے کہ آیا وہ اپنی پہلی حالت پر برقرار رہے اور بے ہوش ہی نہیں ہوئے۔ یا بے ہوش تو ہوئے مگر آپ سے پہلے ہوش میں آ گئے۔ اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بڑی فضیلت ثابت ہوئی۔ لیکن ایک فضیلت سے ان کا ہمارے نبی سے افضل ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ جزئی فضیلت کلی فضیلت کو لازم نہیں۔

قرطبی سے مروی ہے کہ اگر حدیث سے قیامت کے دن موقف والی بے ہوشی مراد ہو تو کوئی مشکل نہیں۔ اور اگر اس سے نفخ صور والی موت مراد ہو تو قیامت کا ذکر قیامت کے آثار کے اعتبار ہے۔ کیونکہ نفخ صور سے قیامت کی ابتدا ہو جائے گی۔ اس صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ جب موت کے بعد کی زندگی کا صور پھونکا جائے گا تو سب سے پہلے میں سر اٹھاؤں گا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عرش کا پایہ پکڑے ہوئے پاؤں گا۔" میری رائے میں نفخ صور والی موت مراد نہیں ہے۔ چونکہ رحمۃ اللعالمین ﷺ کو اس میں شک ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہوئے یا نہیں۔ اور آپؐ نے یہ فرمایا کہ مجھے سب سے پہلے ہوش آئے گا معلوم ہوا کہ آپؐ کو سب سے پہلے ہوش آئے گا۔ اگر حدیث سے موت کی بے ہوشی مراد ہوتی تو آپؐ کو اپنی موت کا یقین اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی موت میں شک ہوتا۔ لیکن یہ بات بہت سی دلیلوں سے غلط ہے۔ پتہ چلا کہ یہاں موت مراد نہیں بلکہ موقف والی بیہوشی مراد ہے۔ اس صورت میں آیت سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ موت والے صور سے روحیں مر جائیں گی ہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام زندہ مخلوق مر جائے گی لیکن جو پہلے مر چکے یا جن پر موت نہیں اس آیت سے ان پر موت ثابت نہیں ہوتی۔

ایک مشکل اور اس کا جواب

اگر کہا جائے کہ ایک حدیث کے یہ الفاظ ہیں کہ لوگ قیامت کے دن بیہوش ہو جائیں گے پھر سب سے پہلے زمین پھٹے گی پھر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عرش کا پایہ پکڑے ہوئے دیکھوں گا ان الفاظ سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ یہاں موت والی بیہوشی مراد ہے۔ اس کا یہ جواب ہے کہ بے شک حدیث کے یہی الفاظ ہیں اور ان سے مشکل پیدا ہوتی ہے۔ مگر اس میں راوی نے دو احادیث کے الفاظ جمع کر دیئے

ہیں۔ وہ دونوں حدیثیں مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) لوگ قیامت کے دن بے ہوش ہوں گے اور سب سے پہلے مجھے ہوش آئے گا۔

(۲) میں وہ پہلا شخص ہوں' جس پر قیامت کے دن زمین پھٹے گی۔

چنانچہ ترمذی کی ابوسعید خدریؓ والی روایت میں ہے کہ میں قیامت کے دن تمام بنی نوع انسان کا سردار ہوں گا۔ اس پر مجھے کوئی فخر نہیں ہوگا اور میرے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا۔ جس پر مجھے کوئی فخر نہیں ہوگا۔ اور اس دن تمام انبیاء میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور میں وہ پہلا شخص ہوں' جس پر زمین پھٹے گی اس پر مجھے کچھ فخر نہ ہوگا۔"

چنانچہ راوی نے دونوں احادیث جمع کر کے بیان کر دیں۔ یہ بیان ہمارے شیخ ابوالحجاج حافظ جمال الدین مزی محدث شام کا ہے۔

دوسری مشکل اور اس کا جواب

اگر کہا جائے گا کہ حدیث کے ان الفاظ کو کیا کرو گے۔ "معلوم نہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام مجھ سے پہلے ہوش میں آئے یا ان میں سے ہیں جنہیں اللہ نے مستثنیٰ فرمایا ہے۔ ظاہر ہے کہ استثنا موت والی بے ہوشی سے ہے۔ موقف والی بے ہوشی سے نہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور صور پھونکا جائے گا پھر اس سے تمام آسمان و زمین والے بے ہوش ہو جائیں گے مگر جنہیں اللہ چاہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث کے یہ الفاظ غیر محفوظ ہیں اور کسی راوی کے خیال پر مبنی ہیں۔ جن الفاظ پر صحیح روایتوں کی موافقت ہے اور وہ محفوظ ہیں' وہ یہ ہیں: "معلوم نہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام مجھ سے پہلے ہوش میں آ گئے یا طور کی بے ہوشی کے بدلے بے ہوش ہی نہیں ہوئے۔" لیکن کسی راوی نے یہ خیال کیا کہ یہاں موت والی بے ہوشی مراد ہے اور موسیٰ علیہ السلام ان میں شامل ہیں۔ جنہیں مستثنیٰ کر دیا گیا ہے۔ مگر یہ مطلب سیاق حدیث کے بالکل خلاف ہے۔ کیونکہ اس صورت میں افاقہ سے موت کے بعد کی زندگی والا افاقہ مراد ہوگا تو آپ کا یہ بیان غلط ہو جائے گا کہ نہ معلوم مجھ سے پہلے ہوش میں آئے (زندہ کیے گئے) یا طور کی بے ہوشی کے بدلے بے ہوش ہی نہیں ہوئے (مرے نہیں) یہ مقام بڑے غور و فکر کا ہے۔ اس لیے سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا چاہیے اور ہمارے بتائے ہوئے مطلب کو خوب ذہن نشین کر لینا چاہیے۔

☆☆☆
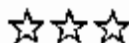
پانچواں حصہ

اجسام سے جدا ہونے کے بعد ارواح کیسے پہچانی جاتی ہیں؟

اجسام سے علیحدہ ہونے کے بعد ارواح کیسے پہچانی جاتی ہیں کہ ان میں آپس میں تعارف و ملاقات ہو؟ کیا علیحدہ ہونے کے بعد ارواح کی اجسام والی صورتیں ہوتی ہیں؟ اس مسئلہ پر غالباً آج تک کسی نے روشنی نہیں ڈالی۔ اور نہ اس بارے میں کسی کتاب میں کوئی مفید یا غیر مفید مضمون لکھا گیا ان کے اصول پر جو ارواح کو مارے اور اس کی آلودگی سے مجرد مانتے ہیں۔ اور یہ بھی کہ ارواح نہ عالم کے اندر ہیں نہ باہر۔ اور یہ بھی کہ ان کی کوئی شکل وصورت اور ساخت نہیں۔ اس سوال کا کوئی جواب نہیں۔ اس کے علاوہ ان کے عقائد پر بھی کوئی جواب نہیں جو ارواح کو عوارض اجسام سے مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان میں تشخص و امتیاز اجسام ہی کے ساتھ ہوتا ہے۔ لہٰذا موت کے بعد ان میں کوئی تشخص اور چناؤ نہیں رہتا بلکہ دوسرے عوارض کی طرح ان کا وجود ہی ختم ہو جاتا ہے۔ اور عدم کے تحت اندھیروں میں ڈوب جاتی ہیں۔ البتہ اہل سنت کے اصول پر اور اس بات کے ماننے پر کہ روح خود ایک مستقل چیز ہے جو آتی جاتی ہے۔ چڑھتی اترتی ہے۔ ملتی اور جدا ہوتی ہے اندر یا ہر آتی جاتی ہے اور اس میں حرکت وسکون پایا جاتا ہے۔ اس کا جواب ہے جس پر قرآن وحدیث سے اور قیاس وعقل سے سوسے اوپر دلائل قائم ہیں۔ ہم نے اپنی بڑی کتاب معرفۃ الروح والنفس میں اس پر بہت زیادہ روشنی ڈالی ہے اور مخالفوں کی رائے کی غلطی بہت سے دلائل سے ثابت کی ہے۔ اور یہ بھی ثابت کیا ہے کہ جو ہماری رائے نہیں مانتے وہ اپنے نفسوں سے واقف نہیں ہیں۔

روح کے اوصاف

قرآن حکیم سے ثابت ہے کہ روح اندر باہر آتی جاتی ہے۔ روح کو قبض کیا اور اٹھالیا جاتا ہے۔ اور روح اپنے ٹھکانے کی طرف چڑھتی ہے اور اس کے لیے آسمانوں کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں یا بند کر دیے جاتے ہیں ولو تری اذا الظالمون فی غمرات الخ. کاش آپ دیکھتے جب ظالم سکرات موت میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں اور فرشتے ان کی طرف ہاتھ پھیلا کر کہتے ہیں اپنی روحیں نکالو۔ فرمایا: یا ایتھا النفس المطمئنة الخ اے مطمئن روح اپنے رب کی طرف واپس جا۔ تو بھی اس سے خوش اور وہ بھی تجھ سے خوش ہے۔ اسلئے میرے بندوں میں میری جنت میں داخل ہو جاؤ۔ یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب روح جسم سے الگ کی جاتی ہے۔ فرمایا: ونفس وما سواها الخ روح کی اور روح کو ٹھیک ٹھاک کرنے والے کی قسم جس نے اس کے دل میں اسکی برائی اور نیکی ڈالی۔ یہاں اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ اس نے جسم کی طرح روح بھی ٹھیک ٹھاک کی۔ فرمایا: الذی خلقک فسواک الخ جس نے تجھے بنایا پھر ٹھیک ٹھاک کیا پھر برابر کیا' بلکہ جسم کو اس لیے درست کیا کہ روح کا قالب بن جائے اس لئے جسم کا درست کرنا روح کے درست کرنے کے تابع ہے۔ کیونکہ جسم روح کا محل ہے جیسے قالب کسی چیز کا محل ہوتا ہے جس میں وہ چیز داخل کی جاتی ہے معلوم ہوا کہ روح کی بھی شکل وصورت ہے اور جسم سے مل کر حسی صورت اختیار کر لیتی ہے جس سے انسان ایک دوسرے سے بلند ہو جاتا ہے کیونکہ جسم کی طرح روح بھی متاثر و منفعل ہوتی ہے اور جسم پاکیزہ یا گندی روح سے پاکیزگی یا گندگی حاصل کرتا ہے اسلئے جسم و روح میں جس قدر ربط و تناسب اور تاثیر و انفعال ہے ایسا کسی جوڑے میں نہیں۔ اسی وجہ سے جدا ہونے کے وقت اس سے کہا جاتا ہے کہ اے پاکیزہ روح جو پاکیزہ جسم میں ہے' اور اے گندی روح جو گندے جسم میں ہے نکل آ۔

اسی طرح اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ یتوفی الانفس الخ اللہ موت کے وقت ارواح پوری پوری لے لیتا ہے اور جن کی موت نہیں انہیں خواب میں لے لیتا ہے پھر جن پر موت کا فیصلہ ہو چکا انہیں روک لیتا ہے اور دوسری ارواح کو ایک مقررہ وقت تک کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔ اس آیت میں روحوں کے بارے میں کہا گیا انہیں اٹھایا جاتا ہے' روکا جاتا ہے' اور چھوڑا جاتا ہے۔ جیسے پہلی آیتوں میں کہا گیا تھا کہ وہ داخل ہوتی ہیں' خارج ہوتی ہیں' واپس ہوتی ہیں اور انہیں درست کیا جاتا ہے۔ رحمۃ اللعالمین ﷺ نے بتایا کہ جب قبض کیے جانے کے بعد روح اوپر چڑھتی ہے تو مرنے والے کی آنکھ اسے دیکھتی ہے اور

یہ بھی بتایا کہ موت کا فرشتہ روح قبض کرتا ہے پھر ان کے ہاتھ سے فرشتے لے لیتے ہیں پھر اس سے مشک سے بھی زیادہ پیاری خوشبو نکلتی ہے یا سڑی ہوئی لاش کی بدبو سے بھی زیادہ بدبو نکلتی ہے۔ ظاہر ہے کہ عوارض کی نہ بو ہوتی ہے نہ انہیں روکا جاتا ہے اور نہ انہیں ہاتھ بہ ہاتھ لیا جاتا ہے۔ اور یہ بھی بتایا کہ روح آسمان کی طرف چڑھتی ہے اس پر آسمان وزمین کے درمیان کا ایک ایک فرشتہ نماز پڑھتا ہے اس کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں پھر ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک چڑھتی ہوئی اس آسمان پر پہنچ جاتی ہے جہاں اللہ تعالیٰ ہے پھر اس کے سامنے کھڑی کر دی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کا نام علیین میں یا سجین والوں کے رجسٹرڈ میں لکھ لیا جائے۔ پھر زمین کی طرف واپس کر دی جاتی ہے اور کافر کی روح پھینک دی جاتی ہے۔ اور یہ بھی کہ روح قبر میں سوال کے لیے جسم کے ساتھ داخل ہوتی ہے رحمۃ اللعالمین ﷺ نے یہ بھی بتایا کہ مومن کی روح پرندہ ہے جو جنت کے درختوں کے پھل کھاتا رہتا ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ پھر اسے اس کے جسم میں واپس نہ کر دے اور یہ بھی بتایا کہ شہیدوں کی ارواح سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہیں۔ جو جنت کی نہروں پر آتی جاتی ہیں اور جنت کے پھل کھاتی ہیں اور یہ بھی بتایا کہ روح پر برزخ میں قیامت تک عذاب وثواب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قوم فرعون کی روحوں کے بارے میں فرمایا کہ انہیں قیامت تک صبح وشام آگ پر پیش کیا جاتا رہے گا۔ شہیدوں کے بارے میں فرمایا کہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں اور کھاتے پیتے ہیں۔ اس زندگی سے روحوں کی زندگی مراد ہے اور انہیں مسلسل غذا مل رہی ہے۔ ورنہ ان کے جسم تو کب کے فنا ہو چکے پھر آپ نے اس زندگی کی یہ تفسیر بیان فرمائی کہ ان کی ارواح سبز پرندوں کے پیٹ میں ہیں۔ جن کے لیے عرش کے نیچے قندیلیں لٹکی ہوئی ہیں۔ وہ جنت میں کھاتی پیتی ہیں پھر ان چراغوں میں آ کر بسیرا کرتی ہیں پھر ان کا رب انہیں جھانک کر پوچھتا ہے کچھ خواہش ہے؟ کہتی ہیں کہ ہم تو جنت میں اپنی مرضی سے کھاتی پیتی ہیں اب اور کیا خواہش ہوگی۔ اللہ تعالیٰ تین مرتبہ بار بار یہی پوچھتا ہے۔ جب وہ دیکھتی ہیں کہ جواب دیئے بغیر چارا نہیں تو کہتی ہیں ہماری یہ خواہش ہے کہ ہمیں اپنے اجسام کی طرف لوٹا دیا جائے۔ تاکہ ہم دوسری مرتبہ تیری راہ میں شہید ہو جائیں۔ آپ ؐ سے یہ بھی ثابت ہے شہداء کی ارواح سبز پرندوں میں ہیں اور جنت کے پھل کھاتی رہتی ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رحمۃ اللعالمین ﷺ نے فرمایا جنگ احد میں جب تمہارے بھائی شہید ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی ارواح سبز پرندوں کے پیٹوں میں رکھ دیں جو جنت کی نہروں اور پھلوں میں سے کھاتی پیتی ہیں اور عرش کے سائے میں

سونے کے چراغوں میں بسیرا کرتی ہیں پھر جب انہوں نے اپنا پاکیزہ کھانا پینا اور آرام کی خوبصورت جگہ دیکھی تو کہنے لگیں کاش ہمارے بھائیوں کو بھی معلوم ہوجاتا کہ اللہ نے ہمارے لیے کیا نعمتیں پیدا کر رکھی ہیں تا کہ انہیں بھی جہاد کی رغبت ہو۔ اور لڑائی سے پیچھے نہ ہٹیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں خبر کیے دیتا ہوں چنانچہ اس نے اپنے رسول (ﷺ) پر یہ آیت اتاری کہ تم انہیں جو اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے ہیں مردہ نہ سمجھنا بلکہ وہ زندہ ہیں اور انہیں ان کے رب کے پاس سے روزی پہنچائی جاتی ہے۔ (احمد) یہ روایت ارواح کے کھانے پینے حرکت وانتقال اور گفتگو کرنے کے بارے میں صاف ہے۔ اس پر مزید وضاحت انشاء اللہ آگے رہی ہے۔

ارواح میں تمیز و تشخص

کیا ارواح میں بھی تمیز و تشخص ہے؟ جب ارواح کے مندرجہ بالا اوصاف ہیں تو اجسام سے زیادہ ان میں تشخص وامتیاز ہے۔ بلکہ اجسام میں تو کبھی کبھی مشابہت پائی بھی جاتی ہے مگر ارواح میں بالکل مشابہت نہیں۔

اس بیان کی مزید وضاحت

دیکھئے ہم نے انبیاء صحابہ اور ائمہ کے اجسام نہیں دیکھے۔ جبکہ وہ ہمارے علم میں شخصی خصوصیات کے مالک ہیں۔ یہ امتیازی خصوصیات صرف ان کے اجسام ہی کے نتائج نہیں۔ گو ان کے اجسام کی خصوصی صفتیں بتادی گئی ہیں۔ بلکہ ان کی ارواح کی صفات وعوارض کے نتائج ہیں صفات کے اعتبار سے اجسام سے زیادہ ارواح میں تشخص ہے۔ دیکھتے نہیں کہ مومن وکافر کے جسم بہت سی باتوں میں ملتے جلتے ہیں۔ لیکن روحوں میں سب سے بڑا فرق وامتیاز ہے۔ دو حقیقی بھائیوں کے اعضا میں کافی مشابہت ہوتی ہے مگر اس سے زیادہ ان کی ارواح میں فرق ہوتا ہے اگر یہ دونوں ارواح اپنے اپنے جسموں سے جدا ہو جائیں تو ان کا آپس میں تمیز و فرق صاف ظاہر ہوگا۔ اب میں آپ کو ایک ایسی بات بتاتا ہوں کہ جب تم اجسام و ارواح کے حالات پر غور کرو گے تو اس کا آنکھوں جیسا مشاہدہ کر لو گے۔ اکثر بری شکل وصورت کا جسم اسی کی مناسب شکل وصورت والی روح کی سواری ہوتا ہے۔ اور اگر بدن میں کوئی مصیبت ہوتی ہے تو اسی کے مناسب آفت روح میں بھی ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے ارباب فراست اجسام کے اشکال واحوال سے ارواح کے حالات معلوم کر لیتے ہیں۔ امام شافعیؒ سے اس سلسلے میں عجائبات منقول ہیں۔ اسی طرح

اکثر خوبصورت شکل وصورت اور لطیف ترکیب والے جسم سے جو روح ملی ہوئی وابستہ ہے وہ بھی حسین و خوب صورت اور لطیف و پاکیزہ ہوگی۔

بشرطیکہ روکاوٹیں نہ ہوں۔ جب ارواح علویہ اور ارواح سفلیہ بغیر جسم کے ممتاز خصوصیات کی مالک ہیں تو ارواح بشریہ سب سے پہلے مالک ہوں گی۔

☆☆☆

چھٹا حصہ

کیا قبر میں سوال کے وقت مردے کی روح لوٹائی جاتی ہے؟

رحمۃ اللعالمین ﷺ نے تفصیل روشنی ڈال کر ہمیں لوگوں کے اقوال سے بے تعلق کر دیا ہے اور روح کے لوٹائے جانے کی وضاحت فرمادی ہے۔ براء بن عازب ؓ کا بیان ہے کہ ہم بقیع الغرقد میں ایک جنازے کے ساتھ تھے۔ رحمۃ اللعالمین ﷺ بھی تشریف فرما تھے۔ ہم بھی آپ کے آس پاس خاموش بیٹھ گئے۔ میت کی لحد کھودی جارہی تھی۔ آپ ؐ نے تین بار قبر کے عذاب سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی۔ پھر فرمایا کہ جب انسان آخرت میں داخل ہونے والا ہوتا ہے اور دنیا میں اس کی آخری سانسیں ہوتی ہیں تو اس کے پاس سورج جیسے روشن چہروں والے فرشتے اتر کر آتے ہیں جو اس کی حد نگاہ تک ہوتے ہیں۔ پھر ملک الموت آکر اس کے سرہانے بیٹھ کر فرماتے ہیں اے پاک روح اللہ تعالیٰ کی بخشش وخوشنودی کی طرف نکل۔ چنانچہ وہ اس طرح آسانی سے نکل آتی ہے جیسے مشک کے منہ سے قطرہ نکل آتا ہے۔ ملک الموت اسے لے لیتے ہیں۔ ان کے لیتے ہی فرشتے ایک سیکنڈ کے لیے بھی ان کے ہاتھ میں نہیں رہنے دیتے۔ اوران سے لے کر جنتی کفن وخوشبو میں اسے لپیٹ لیتے ہیں۔ اس روح سے مشک سے بھی زیادہ پیاری خوشبو نکل پڑتی ہے۔ پھر فرشتے اس کو لے کر چڑھتے ہیں اور ملائکہ کی جس جماعت کے پاس سے گزرتے ہیں وہ پوچھتے ہیں کہ یہ پاک روح کس کی ہے؟ لانے والے فرشتے اس کا دنیوی سب سے اچھا نام لے کر بتاتے ہیں کہ یہ روح فلاں بن فلاں کی ہے۔ یہاں تک کہ اسے دنیوی آسمان تک لے کر پہنچ جاتے ہیں اور اسکے لیے دروازہ کھلواتے ہیں۔ آخر دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ اور اس آسمان کے تمام مقرب فرشتے دوسرے آسمان تک اسے رخصت کرتے ہیں۔ اسی طرح اس آسمان تک لے کر پہنچ جاتے ہیں جس پر اللہ تعالیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے کی کتاب علیین میں رکھ لو (اعمال

نامہ علیین میں رکھ دو) اور اسے زمین کی طرف ہی واپس کر دو۔ کیونکہ میں نے مٹی ہی سے انہیں پیدا کیا ہے اسی میں لوٹا دوں گا اور دوسری بار اسی سے پیدا کر دوں گا۔ پھر اس کی روح اس کے جسم میں لوٹا دی جاتی ہے پھر اس کے پاس دو فرشتے آ کر اسے بٹھاتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں کہ تمہارا رب کون ہے؟ یہ جواب دیتا ہے کہ میرا رب اللہ تعالیٰ ہے۔ پھر اس سے کہتے ہیں کہ تمہارا دین کیا ہے؟ یہ جواب دیتا ہے کہ میرا دین اسلام ہے ہے پھر اس سے کہتے ہیں کہ وہ جو تم میں مبعوث کیے گئے تھے کون ہیں؟ یہ جواب دیتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ کہتے ہیں کہ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ اللہ کے رسولؐ ہیں؟ یہ جواب دیتا ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب پڑھی اور اس پر ایمان لایا اور اس کی تصدیق کی مجھے اس سے آپ کی رسالت کا علم ہوا۔ پھر آسمان سے آواز آتی ہے کہ میرے بندے نے سچ کہا۔ اس کے نیچے جنتی فرش بچھا دو۔ اور جنت کی کھڑکی کھول دو۔ پھر اس کی قبر میں جنت کی مہک اور خوشبو آنے لگتی ہے۔ اور اس کی قبر حد نگاہ تک کھلی کر دی جاتی ہے پھر اس کے پاس ایک بہت حسین و جمیل مہکتے ہوئے خوب صورت لباس والا ایک شخص آ کر کہتا ہے کہ ایک خوشخبری سنیے۔ آج کا وہ دن ہے جس کا آپ سے دنیا میں وعدہ کر لیا گیا تھا۔ یہ کہتا ہے کہ آپ کون ہیں؟ آپ کے تو چہرے ہی سے خوشخبری ٹپک رہی ہے۔ یہ شخص جواب دیتا ہے کہ میں آپ کا نیک عمل ہوں۔ یہ سن کر وہ دعا مانگتا ہے کہ اب رب قیامت قائم فرما تاکہ میں اپنے اہل و عیال کی طرف واپس جاؤں۔ اسی طرح کافر جب دنیا سے رخصت ہونے والا اور آخرت میں داخل ہونے والا ہوتا ہے تو کالے بھٹ چہروں والے فرشتے آسمان سے اتر کر اس کے پاس آتے ہیں ان کے ہاتھوں میں ٹاٹ ہوتی ہے یہ اس کی حد نگاہ تک ہوتے ہیں۔ پھر ملک الموت آ کر اس کے سرہانے بیٹھ کر فرماتے ہیں کہ اے گندی روح اللہ کے قہر و غضب کی طرف جا۔ مگر روح اس کے جسم کے کونے کونے میں پھیل جاتی ہے۔ پھر ملک الموت اسے کھینچتے ہیں جیسے تر روئی سے سلاخ کھینچی جاتی ہے۔ اور اسے پکڑ لیتے ہیں۔ مگر فرشتے ایک سیکنڈ کے لیے بھی ان کے ہاتھ میں نہیں رہنے دیتے اور ان سے لے کر ٹاٹ میں لپیٹ دیتے ہیں اس سے بہت سڑی ہوئی لاش کی بدبو کی طرح بدبو نکلتی ہے۔ پھر اسے لے کر چڑھتے ہیں اور ملائکہ کی جس جماعت سے گزرتے ہیں وہ پوچھتی ہے کہ یہ گندی روح کس کی ہے؟ یہ اس کا سب سے برا دنیوی نام لے کر بتاتے ہیں کہ یہ روح فلاں بن فلاں کی ہے۔ یہاں تک کہ اسے لے کر پہلے آسمان تک پہنچتے ہیں اور دروازہ کھلواتے ہیں مگر دروازہ نہیں کھولا جاتا۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھ کر سنائی: لا تفتح لهم ابواب السماء الخ ان کے لیے آسمان کے

دروازے نہیں کھولے جاتے اور وہ جنت میں نہیں جائیں گے۔ جب تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل نہ ہو (یہ ناممکن ہے لہٰذا ان کا جنت میں جانا بھی ناممکن ہے)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ان کا اعمال نامہ سجین میں سب سے نیچے کی زمین میں لکھ لو۔ پھر اس کی روح اوپر ہی سے پھینک دی جاتی ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: ومن یشرک باللہ الخ اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتا ہے گویا وہ آسمان سے گر پڑا اسے اب خواہ پرندے پکڑ لیں یا ہوا کہیں دور لے جا کر پھینک دے۔ پھر اس کی روح اس کے جسم میں لوٹا دی جاتی ہے پھر دو فرشتے اس کے پاس آ کر کہتے ہیں تیرا رب کون ہے یہ جواب دیتا ہے ہائے ہائے مجھے معلوم نہیں۔ کہتے ہیں وہ کون ہیں جو تم میں مبعوث کئے گئے تھے۔ یہ جواب دیتا ہے ہائے ہائے مجھے معلوم نہیں۔ پھر آسمان سے آواز آتی ہے کہ میرا بندہ جھوٹا ہے اس کے نیچے آگ کا فرش بچھا دو۔ اور جہنم کی کھڑکی کھول دو۔ پھر اس کی قبر میں جہنم کی لپٹیں اور سخت گرم ہوا آنے لگتی ہے۔ اور اسے قبر اتنا دباتی ہے کہ ادھر کی پسلیاں ادھر اور ادھر کی ادھر آ جاتی ہیں۔ اور اس کے پاس بدشکل بدبودار اور برے کپڑوں کے ساتھ ایک شخص آ کر کہتا ہے۔ ایک بری خبر سن! آج کا وہ دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ کیا گیا تھا۔ یہ کہتا ہے تو کون ہے؟ تیرے چہرے ہی سے برائی ٹپک رہی ہے۔ یہ جواب دیتا ہے کہ میں تیرا گندہ عمل ہوں پھر یہ دعا مانگتا ہے کہ اے رب قیامت قائم نہ کر۔ (احمد ابوداؤد نسائی اور ابن ماجہ میں ابتدائی حصہ ہے۔ ابوعوانہ) تمام اہل سنت و اہلحدیث کی رائے اسی حدیث کے مطابق ہے۔

ابن حزم کی رائے

اس سلسلے میں ابن حزم کی رائے ملاحظہ کیجئے:

فرماتے ہیں: جسے یہ خیال ہے کہ قیامت سے پہلے مردہ قبر میں زندہ ہو جاتا ہے غلط ہے کیونکہ قالوا ربنا امتنا الخ اور کیف تکفرون باللہ الخ سے اس خیال کی تردید ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر مردہ کا قبر میں زندہ ہونا مان لیا جائے تو بجائے دو کے تین موتیں اور تین زندگیاں لازم آتی ہیں۔ جبکہ یہ غلط اور قرآن کے خلاف ہے ہاں اگر اللہ تعالیٰ کسی کو کسی نبی کے معجزے سے زندہ کر دے تو یہ اور بات ہے۔ جیسے موت کے ڈر سے ایک ہزار آدمی نکل کھڑے ہوئے تھے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے انہیں مار دیا پھر زندہ کر دیا اسی طرح حضرت عزیر علیہ السلام بیت المقدس سے گزرے تو وہ اجڑا ہوا تھا انہیں تعجب ہوا کہ اب یہ شہر کیسے آباد ہوگا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے انہیں مار دیا پھر سو سال کے بعد زندہ کر دیا مطلب یہ جسے کسی

دلیل نے خاص کردیا وہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ اسی طرح آیت الله یتوفی الانفس الخ سے بھی تردید ہوتی ہے۔ لہٰذا قرآن کی ان تین آیات کی رو سے معلوم ہوا کہ روحیں قیامت سے پہلے جسم میں نہیں لوٹتیں۔

اسی طرح رحمۃ اللعالمین ﷺ نے فرمایا کہ آپ نے شب معراج میں پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام کے دائیں جانب خوش نصیبوں کی اور بائیں جانب بدنصیبوں کی ارواح دیکھیں۔ اور جب بدر کے دن مقتول کافروں کی لاشوں خطاب کیا تو انہوں نے آپ کی بات کی قبروں میں جانے سے پہلے اور صحابہ نے جب یہ کہا کہ ان کی تو لاشیں بھی سڑ چکیں تو آپ نے اس کی تردید نہیں فرمائی۔ اور بتایا کہ اس کے باوجود بھی یہ آپ کی باتیں سن رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ خطاب ارواح سے تھا اور ارواح آپ کی باتیں سن رہی تھیں اور ان کے اجسام میں حس و شعور نہ تھا۔

حق تعالیٰ نے فرمایا ہے: کہ آپ قبر والوں کو نہیں سنا سکتے۔ لہٰذا سماعت کی نفی قبر والوں کے (اجسام) سے ہے۔ یہ ایک ناقابل شکست حقیقت ہے کہ جن سے اللہ تعالیٰ نے سماعت کی نفی کی ہے وہ ان کے علاوہ ہیں جن کے لیے رحمۃ اللعالمین ﷺ نے سماعت ثابت فرمایا ہے (نفی اجسام کے لیے ہے اور اثبات ارواح کے لیے) کسی صحیح حدیث سے یہ ثابت نہیں ہے کہ سوال کے وقت مردوں کی ارواح اجسام میں لوٹا دی جاتی ہیں ورنہ ہم بھی اس کے قائل ہوتے۔ حدیث میں قبروں میں اجسام میں ارواح لوٹانے کی زیادتی میں منہال بن عمرو منفرد ہیں۔ اور یہ مضبوط نہیں ہیں۔ شعبہ وغیرہ کے نزدیک متروک ہیں۔ ان کے بارے میں مغیرہ بن مقسم ضبی (ایک امام) کا قول ہے کہ اسلام میں منہال کی شہادت جائز نہیں جیسا کہ منقول ہے۔ تمام صحیح خبریں اس زیادتی کے خلاف ہیں۔ ہماری رائے کے مطابق صحابہ سے بھی یہی ثابت ہے چنانچہ صفیہ بنت شیبہ فرماتی ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ مسجد میں داخل ہوئے اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی لاش پڑی ہوئی دیکھی ان سے کہا گیا کہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا بھی موجود تھیں۔ ابن عمرؓ نے حضرت اسماءؓ کو تسلی و تشفی دی اور فرمایا کہ یہ لاشیں کچھ نہیں اور ارواح اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔ حضرت اسماءؓ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت یحییٰ علیہ السلام کا سر ایک رنڈی کو ہدیہ کے طور پر پیش کیا گیا تھا۔ ہماری تو کیا حقیقت ہے؟"

ابن حزم کی رائے پر تنقید

میرے خیال میں اس میں کچھ باتیں درست ہیں اور کچھ غلط ہیں ان کا یہ کہنا کہ:

قبر میں زندہ ہونے کی رائے غلط ہے اگر اس سے دنیوی زندگی مراد ہے جس میں روح جسم سے قائم ہوتی ہے اور اس میں تصرف و انتظام کرتی ہے اور جسم اس کی موجودگی میں کھانے پینے اور پہننے کا محتاج ہوتا ہے تو مردے کی ایسی زندگی کی رائے واقعی غلط ہے اور نہ صرف قرآنی آیت بلکہ عقل و حس بھی اس کا انکار کرتی ہے اور اگر اس سے برزخی زندگی مراد ہے جو دنیوی زندگی کی طرح نہیں تو قبر میں روح جسم کی طرف واپس آتی ہے۔ تا کہ امتحان لیا جائے مگر یہ واپسی دنیوی لوٹنے کی طرح نہیں۔ تو یہ رائے صحیح ہے۔ اور اسے غلط کہنے والا غلطی پر ہے۔ اور حدیث کو جو ضعیف کہا گیا ہے اس کا جواب بھی انشاءاللہ آگے آرہا ہے۔

ابن حزم کی دلیل میں آیت قالوا ربنا امتنا الخ. سے جسم میں روح کے عارضی طور پر لوٹ آنے کی نفی نہیں ہوتی۔ جیسے اسرائیلی مقتول قتل کیے جانے کے بعد عارضی طور پر زندہ کر دیا گیا تھا۔ پھر مر گیا تھا۔ لہٰذا سوال کے لیے یہ عارضی زندگی نا قابل اعتبار تھی۔ کیونکہ وہ ذرا سی دیر کے لیے زندہ کیا گیا تھا۔ کہ اس نے یہ بتا دیا کہ مجھے فلاں نے قتل کیا ہے۔ اور یہ بتا کر پھر فوت ہو گیا۔ مزید برآں روح کو جسم میں لوٹا دینے سے ہمیشہ کی زندگی لازم نہیں آتی۔ بلکہ جسم سے ایک قسم کا تعلق پیدا ہو جاتا ہے اور روح کا تعلق اپنے جسم سے برابر قائم رہتا ہے۔ گو جسم پرانا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو کر خاک میں مل کر بے نام و نشان ہو جائے۔

جسم سے روح کے تعلقات

روح کے جسم سے پانچ اقسام کے تعلقات ہیں اور ہر تعلق کا علیحدہ حکم ہے۔

(۱) رحم میں جنین میں بھی روح کا جسم سے تعلق ہو جاتا ہے۔

(۲) دوسرا تعلق دنیا میں آنے کے بعد ہوتا ہے۔

(۳) تیسرا تعلق نیند کی حالت میں ہوتا ہے کہ جسم سے ایک صورت سے تعلق بھی ہے اور ایک صورت سے جدائی بھی۔

(۴) چوتھا تعلق برزخ میں ہوتا ہے کیونکہ اگر چہ مرنے کے بعد روح جسم سے جدا ہو کر آزاد ہو جاتی ہے مگر ایسی جدائی نہیں ہوتی ہے کہ ذرا سا بھی تعلق باقی نہ رہے۔ ہم شروع میں قبر میں روح کے واپس کیے جانے کی احادیث بیان کر چکے کہ جب مردے کو کوئی سلام کرتا ہے تو سلام کا جواب دینے کے لیے اس کی روح لوٹائی جاتی ہے۔ یہ ایک خاص قسم کا لوٹایا جانا ہے جو قیامت سے پہلے جسم کی زندگی کو لازم

نہیں۔

(۵) پانچواں تعلق موت کی زندگی کے بعد ہوگا جو سب سے گہرا اور مکمل تعلق ہوگا جس کے سامنے پہلی قسم کے چاروں تعلق بے وقعت ہوں گے کیونکہ یہ ایسا تعلق ہوگا جس کے ہوتے ہوئے نہ موت آئے گی نہ نیند اور نہ جسم میں کسی قسم کا کوئی تغیر پیدا ہوگا۔

ابن حزم کی پہلی دلیل کا جواب

ابن حزم نے جو آیت فیمسک التی قضی علیھا الموت (پھر اس روح کو روک لیتا ہے جس پر موت کا فیصلہ ہو چکا) پیش کی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ روح کو روک لینا مردے کے جسم میں عارضی طور پر کسی وقت روح کو لوٹائے جانے کے خلاف نہیں کیونکہ اس لوٹائے جانے سے دنیوی زندگی لازم نہیں آتی۔

سونے والے کی مثال

سونے والے کو دیکھو کہ وہ نہ زندہ ہوتا ہے اور نہ مردہ بلکہ درمیانی حالت میں ہوتا ہے۔ جبکہ جسم میں روح باقی ہے اور زندہ کہلاتا ہے۔ لیکن اس کی زندگی بیداری کی زندگی سے مختلف ہے کیونکہ نیند موت کی سگی بہن ہے۔ ٹھیک اسی طرح جب روح لوٹا دی جاتی ہے تو اس کی درمیانی حالت ہوتی ہے نہ مردہ ہی ہوتا ہے اور نہ زندہ اور مردہ ہی کہلاتا ہے۔ صرف اسی ایک بات میں غور کر لیجئے بہت سی مشکلات دور ہو جائیں گی۔

رحمۃ اللعالمین ﷺ کا معراج میں انبیاءؑ کو دیکھنا

رحمۃ اللعالمین ﷺ نے جو یہ فرمایا کہ آپؐ نے شب معراج میں انبیاء دیکھے اس کے سلسلے میں کچھ اہل حدیث کا خیال ہے کہ آپ نے ان کے اجسام ارواح کے ساتھ دیکھے۔ کیونکہ انبیاء اپنے رب کے پاس زندہ ہیں۔ آپ نے خلیل اللہ علیہ السلام کو بیت المعمور سے ٹیک لگائے دیکھا۔ کلیم اللہ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ اور ان کے حلیے بیان فرمائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا کہ آپ گندم گوں اور طویل قسم کے آدمی ہیں جیسے قبیلہ شنوءۃ کے آدمی ہوتے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا کہ آپ کے سر سے پانی کے قطرے گر رہے تھے جیسے ابھی نہا کر غسل خانے سے نکلے ہوں اور فرمایا جس نے خلیل اللہ کو نہ دیکھا ہو وہ مجھے دیکھ لے۔ لیکن اکثر ارباب حدیث کا

کہنا ہے کہ آپ نے انبیاء کی صرف ارواح دیکھیں۔ کیونکہ ان کے جسم تو قبروں میں ہیں جو قیامت سے پہلے نہیں اٹھائے جائیں گے ورنہ ان کا قیامت سے پہلے زمین سے اٹھنا لازم آئے گا اور پھر نفخ صور کے وقت مرنا لازم نہیں آئے گا۔ جس سے تین موتیں لازم آئیں گی جو بالکل غلط ہیں۔ اگر ان کے اجسام قبروں سے اٹھا لئے گئے ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان سے جنت کا وعدہ نہ فرماتا۔ بلکہ جنت میں ہوتے۔ جبکہ رحمۃ اللعالمین ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ سے پہلے انبیاء پر جنت حرام فرمادی ہے۔ سب سے پہلے آپؐ ہی جنت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے اور سب سے پہلے آپؐ ہی قبر سے اٹھیں گے۔ بے شک آپ کا جسم مبارک قبر میں تروتازہ اور نرم ہے۔ ایک مرتبہ صحابہ کرامؓ نے آپؐ سے کہا تھا کہ آپؐ کے بوسیدہ ہونے کے بعد آپؐ پر ہمارا درود کیسے پیش کیا جائے گا۔ آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مٹی پر انبیاء کے جسم حرام فرمادیئے ہیں۔ اگر آپؐ کا جسم مبارک قبر میں باقی نہ مانا جائے تو آپؐ کا یہ جواب غلط ہو جاتا ہے۔ آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی قبر پر فرشتے مقرر فرمادیئے ہیں جو آپؐ کو آپؐ کی امت کا سلام پہنچاتے رہتے ہیں۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہم کے درمیان نکلے اور فرمایا اسی طرح ہم زندہ کئے جائیں گے۔ اور یہ بات بھی یقینی ہے کہ آپؐ کی معزز روح اعلیٰ علیین میں انبیاء کی ارواح کے ساتھ اعلیٰ قدوسیوں کی جماعت میں ہے۔ آپؐ سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپؐ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ اور انہیں چھٹے یا ساتویں آسمان پر بھی دیکھا۔ معلوم ہوا کہ کلیم اللہ علیہ السلام کا جسم قبر میں تھا اور روح آسمان پر تھی۔ اور روح کا جسم سے ایک خاص قسم کا تعلق و ملاپ تھا کہ آپ علیہ السلام قبر میں نماز پڑھ رہے تھے اور سلام کرنے والے کے سلام کا جواب دے رہے تھے۔ جبکہ روح رفیق اعلیٰ میں تھی۔ ان دونوں باتوں میں کوئی تصادم نہیں۔

ارواح کے حالات' اجسام کے حالات سے مختلف ہیں

ارواح کے حالات اجسام کے حالات سے مختلف ہیں دیکھو دو متناسب اور ہم مثال روحوں میں بہت قرب ہوتا ہے۔ اگرچہ ان میں بہت دوری ہو۔ اور نفرت و بغض رکھنے والی دو ارواح میں انتہائی دوری ہوتی ہے۔ گو جسم ان کے پاس پاس ہوں روح کا اترنا چڑھنا اور قریب و دور ہونا جسم کے اتار چڑھاؤ اور نزدیکی و دوری کی طرح نہیں ہے۔ کیونکہ روح ذرا سی دیر میں (قبض کیے جانے کے بعد سے قبر میں رکھے جانے تک) ساتوں آسمانوں پر چڑھ کر اتر بھی آتی ہے جو جسم کے لیے ناممکن ہے۔ اسی

طرح خواب و بیداری میں روح چڑھتی اور اترتی ہے۔

روح کی مثال

کچھ لوگوں نے روح کی مثال سورج سے اور اس کی کرنوں سے دی ہے۔ کیونکہ سورج تو آسمان میں ہے مگر اس کی کرنیں زمین تک پہنچ رہی ہیں۔ لیکن ہمارے شیخ نے فرمایا کہ یہ مثال درست نہیں کیونکہ سورج آسمان سے نیچے نہیں آتا۔ اور زمین پر سورج کی کرنیں نہ تو سورج ہیں اور نہ سورج کی صفت ہیں بلکہ عرض ہیں۔ جو سورج کی وجہ سے جو زمین کے سامنے ہے پیدا ہوتی ہیں اور روح خود چڑھتی اترتی ہے۔ صحابہ کرامؓ کا بدر کے مقتولوں کے بارے میں رحمۃ اللعالمین ﷺ سے یہ فرمانا کہ جن کی لاشیں سڑ گئیں آپؐ ان سے باتیں کر رہے ہیں۔ اور آپؐ کا یہ جواب دینا کہ یہ آپ کی باتیں سن رہے ہیں اس بات کے خلاف نہیں کہ اس وقت ان کی روحیں ان کے جسموں میں واپس آ گئی تھیں۔ جن کی وجہ سے انہوں نے آپ کی باتیں سن لیں۔ جبکہ گل سڑ گئے تھے کیونکہ خطاب روحوں سے تھا جن کا ان گلے سڑے اجسام سے ایک گونہ تعلق تھا۔

ابن حزم کی دوسری دلیل کا جواب

وما انت بمسمع من فی القبور (آپ قبر والوں کو سنانے والے نہیں) سے بھی استدلال غلط ہے۔ کیونکہ سیاق آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت کا یہ مطلب ہے کہ جس کافر کا دل مردہ ہے آپ اسے اس طرح نہیں سنا سکتے۔ کہ اسے آپ کی باتوں سے قبر والے فائدہ نہیں اٹھا سکتے اللہ تعالیٰ کی یہ مراد نہیں ہے کہ قبر والے کسی وقت سن ہی نہیں سکتے۔ کیونکہ رحمۃ اللعالمین ﷺ نے فرمایا کہ مردہ جنازے میں شریک ہونے والوں کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے۔ اور یہ بھی بتایا کہ بدر کے مقتول آپؐ کی باتیں سن رہے ہیں۔ اور آپؐ نے خطاب کے صیغے کے ساتھ مردوں پر سلام مسنون فرمایا اور بتایا کہ جو مومن ان پر سلام کرتا ہے وہ اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔ اس آیت کی ایک مثال ملاحظہ کیجئے۔

فرمایا: انک لا تسمع الموتی ولا تسمع الخ (آپ اپنی دعوت مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو جب کہ وہ پیٹھ موڑ کر جا رہے ہوں) کہا جاتا ہے کہ بہروں کو سنانے کی نفی مردوں کو سنانے کی نفی کے ساتھ لانے سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ ان میں سے کسی میں بھی سننے کی طاقت نہیں۔ اور ان کے دل چونکہ مردہ اور بہرے ہیں اس لیے انہیں سنانا فضول ہے اور ان سے خطاب ایسا ہے جیسا

کہ مردوں اور بہروں سے خطاب ہوتا ہے ہم مانتے ہیں کہ یہ مطلب صحیح ہے لیکن اس سے مرنے کے بعد زجروتوبیخ کے لیے روحوں کو جب کہ کسی وقت ان کا اجسام سے ایک قسم کا تعلق ہو سنانے کی مخالفت ثابت نہیں ہوتی۔ یہ سنانا منفی سنانے کے علاوہ ہے۔ حقیقت میں آیت کا مطلب یہ ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ سنانا نہ چاہے آپ اسے سنا نہیں سکتے۔ آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو ڈرانے پر تو طاقت بخشی ہے جس کے آپ مکلف ہیں لیکن ان کے سنانے پر طاقت نہیں دی جنہیں اللہ سنانا نہ چاہے۔

ابن حزم کی حدیث پر جرح اور اس کا جواب

رہا حدیث کے ضعیف ہونے کا سوال سو وہ ابن حزم کی صرف اٹکل اور بے تکی بات ہے۔

بے شک حدیث صحیح ہے اور اسے براء بن عازبؓ سے زاذان کے علاوہ بھی ایک جماعت (جس میں عدی بن ثابت محمد بن عقبہ اور مجاہد بھی ہیں) روایت کرتے ہیں کہ عدی بن ثابت والی حدیث کچھ اختلاف الفاظ کے ساتھ ہے اسی طرح مجاہد والی حدیث ہے۔ جبکہ یہ حدیث ثابت اور مشہور و مستفیض ہے۔ حافظ الحدیث کی ایک جماعت نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ ہمیں حدیث کا کوئی ایسا امام معلوم نہیں جس نے اس پر طعن کیا ہو بلکہ اسے ائمہ اپنی اپنی کتابوں میں لائے ہیں اور قبول کر کے عذاب وثواب قبر کے اور منکر ونکیر کے سوال و جواب کے سلسلے میں اصول دین میں سے ایک اصل قرار دیا ہے۔ ابن حزم کا یہ کہنا کہ زاذان کے علاوہ کسی اور سے روایت نہیں وہم پر مبنی ہے۔ ابھی ہم نے اوپر بتایا کہ ایک جماعت سے روایت ہے۔ دارقطنی نے اس کی تمام سندیں ایک رسالہ میں جمع کر دی ہیں زاذان ثقہ ہیں اور اکابر صحابہ جیسے عمرؓ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔ ان کی روایت مسلم میں بھی ہے۔ ابن معین نے بھی انہیں ثقہ بتایا ہے۔ ان کے بارے میں حمید بن ہلال سے کہا گیا۔ تو فرمایا کہ یہ ثقہ ہیں۔ ان جیسے راویوں کے بارے میں تو کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں۔ ابن عدی کہتے ہیں اگر یہ ثقہ سے روایت کریں تو ان کی روایت میں کوئی حرج نہیں۔

منہال بن عمرو زیادتی میں تنہا نہیں

ابن حزم کا یہ قول کہ منہال ابن عمرو اس زیادتی (روح جسم میں لوٹا دی جاتی ہے) میں تنہا ہیں غلط ہے۔ اول تو منہال عادل و ثقہ ہیں ابن معین وعجلی نے انہیں ثقہ بتایا ہے۔ ان پر سب سے بڑا الزام یہ

ہے کہ ان کے گھر سے گانے کی آواز سنی گئی۔ اس سے ان کی روایت میں رد و قدح لازم نہیں آتا ابن حزم نے انہیں جو ضعیف کہا ہے وہ کچھ نہیں۔ کیونکہ انہوں نے سوائے تفرد کے ضعف کی کوئی دلیل نہیں دی جبکہ منہال منفرد نہیں ہیں یہ زیادتی اور روای بھی بیان کرتے ہیں بلکہ دوسرے راویوں نے تو اس جیسے یا اس سے زیادہ سخت الفاظ روایت کیے ہیں مثلاً مردے کی طرف اس کی روح واپس کر دی جاتی ہے۔ روح اس کی قبر کی طرف لوٹتی ہے پھر وہ اٹھ بیٹھتا ہے منکر نکیر اسے بٹھاتے ہیں۔ اسے قبر میں بٹھایا جاتا ہے۔ یہ تمام صحیح احادیث ہیں اور ان میں کوئی الزام نہیں۔ کچھ نے ان میں یہ عیب نکالا ہے کہ براء سے زاذان کا سماع ثابت نہیں۔

براء سے زاذان کا سماع بھی ثابت ہے

مگر یہ بھی غلط ہے کیونکہ ابوعوانہ اسفرائنی اپنی صحیح میں جو روایت لائے ہیں اس میں سماع کی وضاحت ہے۔ زاذان فرماتے ہیں کہ میں نے براء سے سنا۔ حافظ عبداللہ بن مندہ کا بیان ہے کہ یہ متصل و مشہور سند ہے۔ اور اسے براء سے ایک جماعت روایت کرتی ہے۔ اگر ہم بفرض محال براء والی حدیث کو چھوڑ بھی کر دیں تو دوسری صحیح حدیثوں میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ مثلاً ابو ہریرہؓ والی حدیث میں ہے کہ رحمۃ اللعالمین ﷺ نے فرمایا کہ مرنے والے کے پاس فرشتے حاضر ہوتے ہیں اگر نیک ہوتا ہے تو فرشتہ موت کہتا ہے اے پاک روح! جو پاکیزہ جسم میں ہے نکل تعریفوں کے حال میں نکل اور آرام و روزی اور رب کی رضا سے خوش ہو جا۔ آخر روح نکل آتی ہے (آخر حدیث تک)

حافظ ابونعیم فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے راویوں کی عدالت پر بخاری مسلم کا اتفاق ہے۔ اور پہلے اکابر علماء جیسے ابی فدیک اور عبدالرحیم بن ابراہیم وغیرہ۔ ابن ابی ذئب سے روایت کرتے ہیں۔ بلکہ ابن ابی ذئب سے بہت سے لوگ نقل کرتے ہیں ابن مندہ بدن میں روح کے لوٹانے پر ابن عباسؓ والی حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ ایک دن رحمۃ اللعالمین ﷺ تشریف فرما تھے۔ آپ نے یہ آیت ولو تری اذ الظالمون فی غمرات الخ کاش آپ دیکھتے جب ظالم کی موت بے ہوشیوں میں ہوں گے اور فرشتے ان کی طرف ہاتھ پھیلا رہے ہوں گے (مار رہے ہوں گے) اور فرمایا اس کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے۔ ہر شخص دنیا سے اٹھنے سے پہلے اپنا جنتی یا جہنمی ٹھکانا دیکھ لیتا ہے۔ پھر فرمایا دنیا سے جدا ہوتے وقت مرنے والے کے سامنے فرشتوں کی دو قطاریں آسمان و زمین کے درمیان باقاعدہ نظام کے ساتھ ہوتی ہیں۔ گویا ان کے چہرے

سورج ہیں۔ مرنے والا بس انہیں کو دیکھتا ہے تو پاس جانے والے خیال کرتے ہیں کہ جاں بلب مریض ہمیں دیکھ رہا ہے۔ ہر فرشتے کے پاس کفن و خوشبو ہوتی ہے۔ اگر مرنے والا مومن ہوتا ہے تو اسے جنت کی بشارت دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اے پاکیزہ روح اللہ کی جنت و بشارت کی طرف نکل۔ اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے وہ عزت و بزرگی والی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جو دنیا و دنیا کے اندر جو کچھ ہے اس سے بہت بہتر ہیں۔ فرشتے لگاتار خوشخبری دیتے ہیں اور گھیرے رہتے ہیں۔ اس پر ماں سے بھی زیادہ شفیق و مہربان ہوتے ہیں۔ اور اس کی روح ہر ناخن اور ہر جوڑ کے اندر سے کھینچتے ہیں۔ پس آہستہ آہستہ روح جس جس حصے سے کھینچی جاتی ہے وہ حصہ مرتا جاتا ہے۔ اور اس پر آسانی ہوتی جاتی ہے۔ اگرچہ تم اس پر سختی دیکھتے ہو۔ آخر روح ٹھوڑی تک پہنچ جاتی ہے جس طرح بچہ رحم سے مشکل سے نکلتا ہے اس سے کہیں زیادہ مشکل سے روح جسم سے نکلتی ہے۔ پھر ہر فرشتہ اسے لینے کے لیے جلدی کرتا ہے۔ لیکن ملک الموت لے لیتے ہیں۔

پھر آپ ﷺ نے آیت قل یتوفاکم ملک الموت الخ آپ فرما دیں کہ تمہاری روح ملک الموت قبض کرتا ہے۔ جو تم پر مقرر کر دیا گیا ہے۔ اور تم سب اپنے رب کے پاس لوٹ کر جاتے ہو) کی تلاوت فرمائی پھر فرشتے سفید کفن کے ساتھ اس کا استقبال کرتے ہیں اور اسے سینوں سے چمٹا لیتے ہیں جیسے ماں بچہ کو پیدا ہونے کے بعد چمٹا لیتی ہے۔ بلکہ ماں سے بھی زیادہ مہربان ہوتے ہیں۔ پھر اس سے مشک سے بھی زیادہ پیاری خوشبو مہک اٹھتی ہے فرشتے اس کی خوشبو سونگھتے ہیں اور اسے چمٹائے رہتے ہیں۔ اور کہتے رہتے ہیں کہ پاک روح کو مرحبا ہو۔ اور دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! اس روح پر اپنی رحمت اتار اور اس جسم پر بھی جس سے یہ نکلی ہے۔ پھر اس کے ساتھ چڑھتے ہیں۔ فضا میں اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ہے۔ جس کی تعداد اللہ ہی کو معلوم ہے۔ اس آنے والی خوشبودار روح کی مہک انہیں بھی پہنچتی ہے جو مشک سے بھی زیادہ اچھی ہوتی ہے وہ بھی اس کے لیے دعا کرتے ہیں اور سینے سے لگاتے ہیں۔ پھر ان کے لیے آسمان کے دروزے کھول دیئے جاتے ہیں روح جس آسمان سے گزرتی ہے اس کے فرشتے اس کے لیے دعائیں مانگتے ہیں آخر اللہ تعالیٰ کے سامنے پہنچ جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ بھی اس پاکیزہ روح کا خیر مقدم فرماتا ہے اور اس کے جسم کا بھی جس سے یہ نکلی ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی کا خیر مقدم فرمائے تو ہر چیز اس کا خیر مقدم کرتی ہے۔ اور اس سے ہر قسم کی تنگی دور ہو جاتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس پاکیزہ روح کے لیے فرماتا ہے کہ اسے جنت میں داخل کر کے اس کا جنتی

ٹھکانا دکھادو۔ اور میں نے اس کے لیے جو عزت و آرام والی نعمتیں تیار کی ہیں انہیں بھی دکھادو۔ پھر اسے زمین ہی کی طرف لے جاؤ کیونکہ میرا فیصلہ ہے کہ میں انسان کو مٹی ہی سے پیدا کیا اسی میں لوٹا دوں گا اور پھر اسی سے پیدا کروں گا۔ اس کی قسم جس کے قبضے میں محمد ﷺ کی جان ہے! روح کو جسم سے نکلتے وقت اتنا بار نہیں ہوتا جتنا کہ جنت سے نکلتے وقت ہوتا ہے۔ روح کہتی ہے کہ مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟ کیا اس جسم کی طرف جس میں تھی؟ فرشتے کہتے ہیں ہمیں یہی حکم ہے اور تمہیں بھی اس کے بغیر چارہ نہیں آخر فرشتے اسے اتار لاتے ہیں۔ اس عرصہ میں لوگ جسم کے غسل و کفن سے فارغ ہو جاتے ہیں۔ اور روح کو اس کے جسم و کفن میں داخل کر دیتے ہیں۔ اس حدیث سے پتہ چلا کہ روح جسم و کفن کے درمیان لوٹائی جاتی ہے۔ یہ لوٹانا اس واسطہ کے علاوہ ہے جو دنیا میں روح کو جسم کے ساتھ تھا۔ یہ تعلق کی ایک علیحدہ قسم ہے۔ جو حالت نیند کے تعلق کی طرح نہیں نہ اس تعلق کی طرح ہے جو تعلق سکون کی جگہ میں پایا جاتا ہے۔ بلکہ سوال کے لیے ایک خاص قسم کا لوٹنا ہے۔

علامہ ابن تیمیہؒ کی رائے

شیخ الاسلام نے فرمایا کہ صحیح و متواتر حدیثوں سے پتہ چلتا ہے کہ سوال کے وقت روح جسم میں لوٹا دی جاتی ہے بغیر روح کے صرف جسم سے سوال کے بھی کچھ لوگ قائل ہیں مگر اکثر اس کا انکار کرتے ہیں۔ کچھ کے نزدیک صرف روح سے سوال ہوتا ہے جسم سے نہیں جیسا کہ ابن حزم وغیرہ کی رائے ہے۔ مگر دونوں باتیں غلط ہیں۔ اور صحیح حدیثوں سے غلط ہیں۔ اگر سوال صرف روح سے ہوتا تو روح کے لیے قبر کی خصوصیت نہ ہوتی اس مسئلہ کی وضاحت ایک دوسرے مسئلہ کے جواب سے بھی ہوتی ہے۔ مطلب ہے کیا قبر کا عذاب و ثواب روح و جسم پر ہے یا صرف روح پر ہے یا صرف جسم پر ہے؟

شیخ الاسلام سے یہ مسئلہ پوچھا گیا تھا آپ نے جو جواب دیا وہ حسب ذیل ہے۔ اہل سنت و الجماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ عذاب و ثواب روح و جسم دونوں پر ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ عذاب و ثواب صرف روح پر ہوتا ہے۔

عذاب اور ثواب کیا روح کے بغیر صرف جسم پر بھی ہو سکتا ہے؟

اس میں اہل حدیث، اہل سنت اور اہل کلام کے دو مشہور اقوال ہیں اس مسئلہ میں اور بھی شاذ و نادر اقوال ہیں جو اہل حدیث و اہل سنت کے نہیں ہیں۔

فلاسفہ کے اقوال

فلاسفہ کہتے ہیں کہ عذاب اور ثواب صرف روح پر ہوتا ہے جسم پر نہیں۔ یہ لوگ موت کے بعد کی زندگی کو نہیں مانتے۔ اور بالاتفاق کافر ہیں یہی قول متکلمین معتزلہ وغیرہ کا ہے جو موت کے بعد کی زندگی کے تو ماننے والے ہیں لیکن کہتے ہیں کہ زندگی بعد الموت عالم برزخ میں نہیں ہے بلکہ قیامت کے دن اس کا ظہور ہوگا۔ یہ لوگ عالم برزخ میں جسم کے عذاب اور ثواب کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ برزخ میں صرف روحوں پر ثواب وعذاب ہوتا ہے۔ لیکن قیامت کے دن روح وجسم دونوں پر عذاب اور ثواب ہوگا۔ مسلمان اہلحدیث واہل کلام وغیرہ کی ایک جماعت اسی کی قائل ہے۔ اور ابن حزم وابن مرۃ نے اسی کو پسند کیا ہے۔ یہ قول شاذ اقوال ثلاثہ میں سے نہیں ہے بلکہ اس کے قول کے قریب ہے۔ جو عذاب قبر وقیامت کا قائل ہے۔ اور واپسی اجسام وارواح کی مانتا ہے لیکن ان لوگوں کے عذاب قبر میں تین اقوال ہیں:

(۱) صرف روح پر ہوتا ہے (۲) روح پر ہوتا ہے اور روح کے واسطے سے جسم پر بھی (۳) صرف جسم پر ہوتا ہے۔ اس قول سے اس کا قول بھی متعلق ہے جو عذاب قبر کا قائل ہے۔ اور روح کو زندگی مانتا ہے۔ ایک شاذ قول یہ بھی ہے کہ اجسام پر بالکل عذاب نہیں۔ ایک شاذ قول یہ بھی ہے کہ روح پر بالکل عذاب نہیں۔ اسلئے اگر شاذ اقوال تین مان لیے جائیں تو دوسرا شاذ قول اس کا ہے جو کہتا ہے کہ صرف روح پر عذاب وثواب نہیں روح تو زندگی کا نام ہے۔ یہ معتزلہ اور اشعریہ وغیرہ کا قول ہے۔ یہ لوگ بدن سے جدا ہونے کے بعد روح کی بقا کے قائل نہیں۔ یہ قول غلط ہے ابو المعالی الجوینی وغیرہ نے اس کی مخالفت کی ہے بلکہ کتاب وسنت اور اجماع سے ثابت ہے کہ روح بدن سے جدا ہونے کے بعد باقی رہتی ہے اور اس پر عذاب وثواب ہوتا ہے۔ علم الٰہی کے فلاسفہ اسے مانتے ہیں لیکن اجسام کے واپس آنے کو نہیں مانتے۔ دونوں اقوال غلط اور گمراہ کن ہیں۔ لیکن فلاسفہ کا قول اہل اسلام کے قول سے بہت دور ہے۔ گو اس مسئلہ میں ان کی موافقت وہ کرتے ہیں جن کو اسلام کے تمسک کا اعتقاد ہے بلکہ وہ بھی جو خود کو ارباب معرفت وتصوف اور ارباب تحقیق وکلام سمجھتے ہیں۔ ایک شاذ قول یہ بھی ہے کہ قیامت سے پہلے عالم برزخ میں عذاب وثواب نہیں۔ کچھ معتزلہ کا (جو اس بنا پر کہ روح جسم سے جدا ہو کر باقی نہیں رہتی اور جسم پر عذاب وثواب نہیں ہوتا' عذاب قبر کے قائل نہیں) یہی قول ہے جبکہ یہ تمام فرقے برزخ کے معاملہ میں گمراہ ہیں۔ تاہم فلاسفہ سے بہتر ہیں کیونکہ قیامت کبریٰ کے قائل ہیں۔

برزخ میں روح وجسم دونوں پر عذاب وثواب ہے

غلط خیالات معلوم کرنے کے بعد امت کے علماء وائمہ کی رائے پر غور کرنا چاہیے۔ ان کی رائے ہے کہ قبر میں عذاب وثواب سچ ہے۔ اور روح وجسم دونوں کو ہوتا ہے۔ روح جسم سے علیحدہ ہو کر باقی رہتی ہے اور عذاب یا ثواب میں پڑی رہتی ہے۔ کبھی جسم سے مل بھی جاتی ہے۔ اور جسم کو اس کے ساتھ عذاب یا ثواب ہوتا ہے۔ قیامت کے دن روحیں جسموں میں لوٹا دی جائیں گی اور قبروں سے اٹھ کر لوگ رب العالمین کے سامنے آ کھڑے ہوں گے جسموں کے واپس آنے میں مسلمانوں، یہودیوں اور عیسائیوں سب کا اتفاق ہے۔

عذابِ قبر اور سوال منکر نکیر

اس بارے میں رحمۃ اللعالمین ﷺ سے بہت سی متواتر احادیث ملتی ہیں مثال کے طور پر رحمۃ اللعالمین ﷺ دو قبروں سے گزرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ان دونوں پر عذاب ہو رہا ہے اور کسی بڑے گناہ پر نہیں بلکہ ایک تو پیشاب سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغل خور تھا۔ پھر آپ ایک تازہ ٹہنی منگا کر اسے آدھی آدھی توڑ کر دونوں قبروں پر گاڑ کر فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ ان کے خشک ہونے تک عذاب میں کمی فرما دے۔ (بخاری ومسلم)

زید بن ثابتؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رحمۃ اللعالمین ﷺ بنی نجار کے باغ میں اپنی خچر پر سوار تھے اور ہم آپ کے پاس تھے اتنے میں خچر بدکا معلوم ہوتا تھا کہ آپ کو گرا دے گا کہ اتنے میں چار پانچ یا چھ قبریں نظر آئیں۔ آپ نے فرمایا کوئی ان قبر والوں کو جانتا ہے؟ ایک آدمی نے کہا: میں جانتا ہوں۔ پوچھا کب فوت ہوئے؟ کہنے لگا شرک میں فوت ہوئے فرمایا: میری امت قبروں میں آزمائی جاتی ہے اگر یہ ڈر نہ ہوتا کہ تم مردوں کو دفن کرنا چھوڑ دو تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ میری طرح تمہیں بھی عذاب قبر سنا دے۔ پھر آپ نے ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ آگ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو۔ صحابہ کرامؓ نے کہا: ہم عذاب قبر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔ فرمایا: ظاہری اور باطنی فتنوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو۔ صحابہ کرامؓ نے فرمایا ہم ظاہری اور باطنی فتنوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔ پھر فرمایا: دجال کے فتنے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو۔ صحابہ کرامؓ نے فرمایا ہم دجال کے فتنے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔ (مسلم)

آخری تشہد سے فارغ ہو کر چار چیزوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنی چاہیے۔ جہنم کے عذاب سے قبر کے عذاب سے زندگی اور موت کے فتنوں سے اور مسیح دجال کے فتنوں سے۔ (مسلم)

حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ رحمۃ العالمین ﷺ انہیں قرآن کی طرح یہ دعا سکھاتے تھے

اللھم انی اعوذبک من عذاب جھنم و اعوذبک من عذاب القبر و اعوذبک من فتنۃ المحیا و الممات و اعوذبک من فتنۃ المسیح الدجال۔ (مسلم)

ابو ایوبؓ سے روایت ہے کہ سورج غروب ہونے کے بعد رحمۃ اللعالمین ﷺ باہر نکلے آپؐ نے آواز سن کر فرمایا۔ یہودیوں کو قبروں میں عذاب ہو رہا ہے۔ (بخاری)

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ ایک یہودیہ بڑی بی نے مجھ سے کہا کہ قبر میں عذاب ہوتا ہے۔ میں نے اسے جھٹلا دیا۔ اور مجھے یقین نہیں آیا خیر وہ چلی گئی۔ اتنے میں رحمۃ اللعالمین ﷺ تشریف لے آئے۔ میں نے عذاب قبر کے بارے میں پوچھا۔ فرمایا: سچ ہے جسے تمام جانور سنتے ہیں اس کے بعد میں نے آپؐ کو ہر نماز کے بعد عذاب قبر سے اللہ کی پناہ مانگتے ہوئے دیکھا۔ (بخاری)

ام بشرؓ سے روایت ہے کہ رحمۃ اللعالمین ﷺ میرے پاس یہ فرماتے ہوئے تشریف لائے کہ قبر کے عذاب سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو۔ میں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! کیا قبر میں بھی عذاب ہوتا ہے؟ فرمایا: ہاں اور اسے جانور سنتے ہیں۔ (ابن حبان)

جانوروں کے پیٹ درد کا علاج

کچھ علماء کا قول ہے کہ اسی وجہ سے جب جانوروں کے پیٹ میں درد ہوتا ہے تو لوگ انہیں یہودیوں عیسائیوں اور منافقوں (جیسے اسماعیلی نصیریہ قرامطہ وغیرہ جو مصر و شام میں رہتے ہیں) کی قبر پر لے جاتے ہیں۔ جب جانور خصوصاً گھوڑے قبر کا عذاب سنتے ہیں تو اس سے گھبرا کر بدکتے ہیں اور ان کے پیٹ کا درد ختم ہو جاتا ہے۔

قبر کا عذاب سن کر ایک جانور کے بدکنے کا واقعہ

ابو الحکم بن برخان سے روایت ہے کہ لوگوں نے اشبیلیہ کے بلند قبرستان میں ایک مردہ دفن کیا اور دفن کر کے اس کی قبر کے قریب بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ ایک جانور قریب ہی چر رہا تھا۔ اتنے میں وہ دور چلا گیا پھر آیا اور کان کھڑے کر لیے۔ جبکہ کئی بار اس نے ایسا ہی کیا۔ ابو الحکم فرماتے ہیں اس وقت

مجھے رحمۃ اللعالمین ﷺ کا یہ قول یاد آیا کہ قبر میں عذاب ہوتا ہے جسے جانور سنتے ہیں۔ مسلم پڑھاتے وقت آپ نے یہ واقعہ بیان فرمایا تھا۔ جانور عذاب قبر والے کی چیخ و پکار کو سنتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث سے ثابت ہے کہ جانور ان کی آوازیں سنتے ہیں۔

قبر میں سوال

قبر میں سوال کی حدیثیں بھی بہت ہیں۔ چنانچہ رحمۃ اللعالمین ﷺ نے فرمایا جب مسلمان سے قبر میں سوال ہوتا ہے تو وہ توحید و رسالت کا اقرار کر لیتا ہے۔ اسی کو آیت یثبت اللہ الذین آمنوا الخ (اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو دنیا و آخرت میں کلمہ توحید پر قائم رکھتا ہے) ثابت کرتی ہے۔ (صحاح)

اس حدیث میں ہے کہ روح جسم کی طرف لوٹائی جاتی ہے اور قبر کے دبانے پر پسلیاں اِدھر کی اُدھر اور اُدھر کی اِدھر آ جاتی ہیں جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عذاب جسم و روح دونوں پر ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جب مردے کو دفن کر کے لوگ واپس ہوتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے۔ مومن کو سرہانے سے نماز' دائیں سے روزہ' بائیں سے زکوٰۃ اور پائنتی سے دوسرے اعمال گھیرے ہوئے ہوتے ہیں۔ اگر منکر نکیر سرہانے سے آتے ہیں تو نماز نہیں آنے دیتی۔ پائنتی سے آتے ہیں تو نیک اعمال نہیں آنے دیتے' دائیں سے آتے ہیں تو روزہ نہیں آنے دیتا اور بائیں سے آتے ہیں تو زکوٰۃ نہیں آنے دیتی' پھر اسے اٹھ کر بیٹھنے کے لیے کہتے ہیں۔ مردہ اٹھ کر بیٹھ جاتا ہے اسے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ جیسے سورج غروب ہو رہا ہے اس سے پوچھا جاتا ہے کہ تم میں جو شخص تھا اس کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ اور اسے کیا کہتے ہو؟ مردہ کہتا ہے مجھے نماز پڑھنے دو۔ جواب ملتا ہے نماز تو پڑھ ہی لو گے پہلے ہمارے سوال کا جواب دو۔ مردہ کہتا ہے آپؐ کا نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ کے پاس سے سچا دین لے کر آئے تھے۔ پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ اسی عقیدے پر تم زندہ رہے' اسی پر فوت ہوئے اور ان شاء اللہ اسی پر اٹھائے جاؤ گے۔ پھر جنت کا دروازہ کھول کر اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ جنت بھی اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے جو نعمتیں تیار کر رکھی ہیں وہ بھی سب تمہارے لیے ہیں۔ یہ دیکھ کر اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔ پھر اس کی قبر ستر ہاتھ کھلی اور روشن کر دی جاتی ہے۔ جسم مٹی میں ملا دیا جاتا ہے جس سے ابتدا ہوئی تھی اور روح پاک ارواح میں ٹھہرا دی جاتی ہے جن کے ساتھ یہ بھی جنت کے پھل کھاتی پیتی ہے۔

یہی بات یثبت اللہ الذین آمنوا الخ سے ثابت ہوتی ہے اور کافر کی قبر اتنی تنگ ہو جاتی ہے

کہ اس کی پسلی سے پسلی نکل جاتی ہے۔ یہ ہے تنگ زندگی جسے اس آیت فان لہ معیشۃ ضنکا الخ اس کے لیے تنگ زندگی ہے اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا کر کے اٹھائیں گے' میں بیان کیا گیا ہے۔ (احمد' ابوحاتم) قریب قریب بخاری و مسلم کی حضرت انس رضی اللہ عنہ والی حدیث بھی کچھ مختلف الفاظ کے ساتھ اسی طرح ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ منکر نکیر لوہے کے ہتھوڑے کافر کی پیشانی پر مارتے ہیں اور وہ چیختا ہے تو اس کی چیخ جن وانسان کے سوا سب سنتے ہیں۔ فرمایا دفن کیے جانے کے بعد انسان کے پاس دو سیاہ فام نیلی آنکھوں والے فرشتے آتے ہیں جن کو منکر نکیر کہا جاتا ہے۔ آگے ہم معنی حدیث ہے اس میں یہ بھی ہے کہ سوال کے بعد مومن سے کہا جاتا ہے کہ اب چین سے سو جاؤ۔ مردہ کہتا ہے کہ میں گھر جا کر خبر کرآؤں لیکن منکر نکیر کہتے ہیں دلھن کی طرح سو جاؤ۔ جسے اس کا محبوب شوہر ہی آ کر جگاتا ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری خواب گاہ سے نہ اٹھائے۔ (صحیح ابوحاتم)

اس میں بھی وضاحت ہے کہ جسم پر عذاب و ثواب ہوتا ہے۔ (ابوحاتم' نسائی' بزار اور مسلم کی ابوہریرہؓ والی حدیث بھی اسی کے ہم معنی ہے)۔

مردے کو قبر کا پکڑ لینا

رحمۃ اللعالمین ﷺ نے فرمایا یہ وہ ہیں جن کے لیے عرش حرکت میں آ گیا۔ آسمان کے دروازے کھول دیئے گئے اور ستر ہزار ملائکہ نے ان کے لیے گواہی دی۔ قبر نے انہیں پکڑا۔ پھر چھوڑ دیا' یعنی حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ۔ (نسائی)

ابن ابی ملیکہ سے روایت ہے کہ قبر کے پکڑنے سے کوئی نہیں بچا۔ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ تک نہیں بچے۔ جن کا رومال دنیا و کچھ دنیا میں ہے اس سے بہتر ہے۔

امام نافع سے روایت ہے کہ مجھے پتہ چلا ہے کہ حضرت سعدؓ کے جنازے میں ستر ہزار فرشتے شریک تھے جو کبھی زمین پر نہیں اترے تھے۔ اور مجھے یہ بھی خبر ملی ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو قبر نے دبوچا۔

امام نافع سے روایت ہے کہ ام صفیہؓ بنت ابی عبید اہلیہ ابن عمرؓ کے پاس آئے۔ آپ گھبرائی ہوئیں تھیں۔ ہم نے پوچھا کیا بات ہے؟ بولیں: میں ام المومنینؓ کے پاس سے آئی ہوں انہوں نے بیان کیا کہ رحمۃ اللعالمین ﷺ نے فرمایا کہ اگر کسی کو عذاب قبر معاف ہوتا تو سعدؓ کو صاف ہوتا مگر انہیں بھی قبر نے دبوچا اپنی صاحبزادی کو دفن کر کے رحمۃ اللعالمین ﷺ ان کی قبر کے پاس بیٹھ گئے۔

آپ کے چہرے سے غم کے آثار ظاہر تھے۔ پھر ختم ہو گئے صحابہ کرامؓ نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا مجھے اپنی بچی اُن کی کمزوری اور عذاب قبر یاد آ گیا تھا۔ پھر میں نے اللہ سے دعا کی اللہ نے عذاب ہٹا دیا۔ اللہ کی قسم! انہیں قبر نے ایسا پکڑا جس کی آواز تمام آسمان و زمین کے درمیان والوں نے سنی۔

کسی کا کہنا ہے کہ میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس تھا۔ ایک بچی کا جنازہ گزرا۔ آپ رونے لگیں۔ میں نے پوچھا آپ کیوں روتی ہیں؟ فرمایا: قبر کے دبوچنے کے خیال سے اس بچی پر ترس کھا کر مجھے رونا آ گیا۔ جبکہ قبر کا دبوچنا روح کے واسطے سے جسم کے لیے ثابت ہے۔

علمائے امت کا عذاب قبر پر اتفاق

ابوعبداللہ سے روایت ہے کہ قبر کا عذاب حق ہے اس کو وہی نہیں مانتا جو گمراہ ہو۔ امام حنبل سے روایت ہے کہ میں نے ابوعبداللہ سے قبر کے عذاب کے بارے میں پوچھا۔ فرمایا: اس کے بارے میں صحیح حدیثیں ہیں جن پر ہمارا ایمان ہے۔ یہ حدیثیں اونچے درجہ کی سندوں سے ثابت ہیں۔ ان کا ماننا نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ اگر ہم ایسی حدیثوں کو بھی ٹھکرا دیں گے تو اللہ تعالیٰ کے حکم کو ٹھکرا دیں گے کیونکہ اس کا حکم ہے کہ رسول تمہیں جو کچھ دے اسے لے لو۔ میں نے پوچھا کیا عذاب قبر برحق ہے؟

فرمایا: "ہاں" برحق ہے۔ ہمارا عذاب قبر پر منکر نکیر پر اور سوال قبر پر ایمان ہے اور یثبت اللہ الذین آمنوا منکم الخ سوال قبر ہی کے بارے میں اتری ہے۔

احمد بن قاسمؒ سے روایت ہے کہ میں نے ابوعبداللہؒ سے سوال کیا۔ کیا آپ منکر نکیر اور عذاب قبر کو مانتے ہیں؟ فرمایا: سبحان اللہ "ہاں" ہم اس کا اقرار کرتے اور اس پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ میں نے کہا کیا آپ سوال کرنے والے کو منکر نکیر کہتے ہیں یا فرشتے؟ فرمایا: منکر نکیر۔ میں نے کہا حدیث میں تو منکر نکیر کے الفاظ نہیں ہیں۔ فرمایا: حدیث میں منکر نکیر کے الفاظ ہیں۔

بدعتیوں کی بکواس

ابوالہذیل ومریسی سے ---- کہ مومنوں پر عذاب نہیں۔ ہاں غیر مومن پر نفخہ موت و نفخہ بعث کے درمیانی وقفہ میں عذاب ہوگا۔ اور اسی وقت سوال ہوگا۔ جبائی ابن جبائی اور بلخی کے نزدیک عذاب قبر تو ہے مگر مومنوں پر نہیں بلکہ ہمیشہ جہنم میں رہنے والے کافروں اور فاسقوں پر ہے جیسا کہ ان کا اصول ہے۔

معتزلہ کا ایک باطل قول

بہت سے معتزلہ کا قول ہے کہ ملائکہ کو منکر نکیر کہنا جائز نہیں۔

صالحی وغیرہ سے روایت ہے کہ عذاب قبر مومنوں پر ان کے جسموں میں روحیں لوٹائے بغیر ہوتا ہے۔ جائز ہے کہ مردہ بغیر روح کے درد محسوس کرے۔ اور اسے احساس و شعور ہو۔ کرامیہ کی ایک جماعت کا بھی یہی قول ہے۔

کچھ معتزلہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ مردوں پر عذاب فرماتا ہے اور ان کو درد پہنچاتا ہے۔ جبکہ اس کا انہیں احساس نہیں ہوتا۔ قیامت کے دن انہیں دکھوں اور عذابوں کا پتہ چلے گا۔

کہتے ہیں کہ عذاب میں گرفتار مردوں کی مثال نشے والے اور بے ہوش کی طرح ہے۔ اگر انہیں مارا جائے تو دکھ محسوس نہ ہوگا۔ لیکن جب نشہ اتر جائے گا اور وہ ہوش میں آ جائیں گے تو چوٹ کا احساس ہوگا۔ کچھ معتزلہ نے تو عذاب قبر سے صاف انکار کیا ہے جیسے ضرار بن عمرو۔ یحییٰ بن کامل اور مریسی وغیرہ نے۔

عذاب قبر سے کیا مراد ہے؟

یہاں یہ سمجھنا بہت ضروری ہے کہ عذاب قبر سے برزخ کا عذاب مراد ہے جو عذاب کا حق دار ہوتا ہے اسے برزخ میں حق کے مطابق عذاب ضرور بھگتنا پڑتا ہے۔ بے شک دفن ہو یا نہ ہو مثال کے طور پر درندے کھا جائیں یا آگ میں جل کر راکھ ہو جائے اور اس کی راکھ ہوا میں اڑ جائے یا پھانسی کے تختے پر لٹکا رہے یا سمندر میں ڈوب جائے (اصل قبر برزخ ہے) برزخ میں روح و جسم دونوں پر عذاب و ثواب ہوتا ہے۔

رحمۃ اللعالمین ﷺ کا عجیب خواب

رحمۃ اللعالمین ﷺ فجر کی نماز سے فارغ ہو کر صحابہ کرامؓ سے پوچھا کرتے تھے کہ کسی نے کوئی خواب تو نہیں دیکھا؟ اگر کوئی صحابہ خواب دیکھتا تو بیان کر دیتا تھا۔ ایک دن آپ حسب دستور صحابہ کرامؓ سے پوچھتے ہیں کہ کسی نے کوئی خواب تو نہیں دیکھا؟ صحابہ کرامؓ عرض کرتے نہیں۔ آپؐ فرماتے ہیں آج میں نے خواب دیکھا ہے کہ دو آدمی میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے ارض مقدس کی طرف لے جاتے ہیں۔ اچانک مجھے دو آدمی نظر آتے ہیں۔ ایک تو بیٹھا ہے اور دوسرا لوہے کا آنکڑا لیے ہوئے کھڑا ہے اور اسے

اس کی باچھ میں ڈال کر گدی تک باچھ چیر ڈالتا ہے۔ پھر دوسری باچھ چیرنے لگتا ہے۔ اتنے میں پہلی باچھ درست ہو جاتی ہے (اس پر یہی عذاب ہو رہا ہے) میں پوچھتا ہوں یہ کیا ہے؟ مگر میرے دونوں ساتھی کہتے ہیں آگے بڑھیے۔ چنانچہ ہم چل پڑتے ہیں۔ چلتے چلتے ایک شخص کے پاس سے گزرتے ہیں جو چاروں شانے چت لیٹا ہے اور ایک شخص اس کے سر کو ایک بڑے پتھر سے کچل رہا ہے۔ جب پتھر اس پر مارتا ہے تو پتھر لڑھک کر آگے چلا جاتا ہے۔ یہ اسے اٹھا کر لاتا ہے اتنے میں اس کے سر کا زخم بھر کر ٹھیک ہو جاتا ہے پھر کچل دیتا ہے (یعنی اس پر یہی عذاب ہو رہا ہے) میں پوچھتا ہوں یہ کیا ہے؟ میرے ساتھی کہتے ہیں کہ آگے بڑھیے۔ پھر ہم چل پڑتے ہیں۔ چلتے چلتے تنور جیسا ایک غار دیکھتے ہیں۔ جس کا منہ اوپر سے تو تنگ ہوتا ہے مگر وہ اندر سے کافی کھلا ہوتا ہے اس میں آگ بھڑک رہی ہے اور بالکل ننگی عورتیں اور مرد جل رہے ہیں۔ آگ کے شعلے انہیں غار کے منہ تک اٹھا کر لاتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اب غار سے باہر نکل آئیں گے۔ اتنے میں وہ شعلے بجھ جاتے ہیں اور یہ پھر اس کے منہ میں چلے جاتے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں یہ کیا ہے؟ مگر ساتھی یہی کہتے ہیں کہ آگے بڑھیے۔ پھر ہم چلتے چلتے ایک خون کے دریا پر پہنچتے ہیں۔ جس کے کنارے پر ایک آدمی کھڑا ہے اور اس کے سامنے پتھر پڑے ہوئے ہیں اور ایک شخص اس دریا کے بیچ میں ہے جب وہ کنارے پر آ کر اس سے نکلنا چاہتا ہے تو کنارے والا شخص اس کے منہ میں پتھر ڈال کر اسے اس قدر زور سے دھکا دیتا ہے کہ یہ پھر اسی جگہ جا پڑتا ہے جہاں سے آیا تھا۔ میں پوچھتا ہوں یہ کیا ہے؟ ساتھی کہتے ہیں آگے بڑھیے۔ پھر ہم چلتے چلتے ایک سرسبز و ہرے بھرے باغ میں پہنچ جاتے ہیں۔ اس میں ایک بہت بڑا درخت ہے۔ اور اس کی جڑ میں ایک بزرگ اور بہت سے بچے بیٹھے ہیں۔ اور درخت کے پاس ہی ایک شخص آگ سلگا رہا ہے۔ میرے ساتھ مجھے اس درخت پر چڑھا دیتے ہیں اور مجھے ایک بہت خوب صورت محل میں لے جاتے ہیں۔ میں عرض کرتا ہوں کہ آج تم نے مجھے سیر تو کرا دی مگر جو کچھ میں نے دیکھا ہے اس کی خبر بھی تو دو۔

ساتھی کہتے ہیں اچھا لو سنو۔ جس کی باچھیں چیری جا رہی تھیں وہ جھوٹا شخص ہے۔ جو جھوٹ بولا کرتا تھا اور اس کا جھوٹ دور دور تک پھیل جایا کرتا تھا۔ اس کے ساتھ قیامت تک یہی برتاؤ ہوتا رہے گا اور تنور میں جو برہنہ عورتیں اور مرد دیکھے وہ زنا کار ہیں۔ اور جو شخص خون کے دریا میں دیکھا وہ سود خور ہے اور جو بزرگ درخت کی جڑ میں بیٹھے ہیں وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ اور ان کے پاس جو بچے ہیں وہ لوگوں کے بچے ہیں۔ اور آگ سلگانے والے مالک (داروغہ جہنم) ہیں۔ اور پہلا گھر عام مسلمانوں کا

ہے اور یہ گھر شہیدوں کا ہے میں جبرئیل ہوں اور یہ میکائیل ہیں۔ تھوڑا سر اٹھا کر اوپر دیکھئے۔ میں سر اٹھا کر دیکھتا ہوں تو بادل جیسا ایک محل نظر آتا ہے۔ فرماتے ہیں یہ آپ کا دائمی خانہ ہے۔ میں کہتا ہوں اچھا تو مجھے اپنے گھر میں جانے دو۔ فرماتے ہیں ابھی آپ کی عمر باقی ہے پوری نہیں ہوئی اگر عمر پوری ہو جاتی تو آپ اس گھر میں چلے جاتے۔ (بخاری)

اس حدیث سے صاف طور سے عالم برزخ کا عذاب و ثواب ثابت ہو رہا ہے۔ کیونکہ انبیائے کرام کے خواب وحی کا درجہ رکھتے ہیں اور اصل کے مطابق ہوتے ہیں۔

رحمۃ اللعالمین ﷺ فرماتے ہیں: کہ اللہ تعالیٰ کے کسی بندے کو قبر میں سو کوڑے مارنے کا حکم ہوا مگر وہ لگاتار اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ایک کوڑے کا حکم رہ گیا۔ پھر ان کی قبر آگ کا تنور بن گئی پھر جب یہ عذاب ختم گیا اور انہیں ہوش آیا تو پوچھا مجھے یہ سزا کس وجہ سے ملی؟ ملائکہ نے جواب دیا کہ تم نے ایک نماز بغیر وضو کے پڑھی تھی۔ اور ایک دفعہ تم ایک مظلوم کے پاس سے گزرے تھے اور اس کی مدد نہیں کی تھی۔ (طحاوی)

شب معراج کے واقعات

معراج والی حدیث میں رحمۃ اللعالمین ﷺ فرماتے ہیں:

میرے پاس ایک گھوڑا لایا جاتا ہے میں اس پر سوار ہو جاتا ہوں اس کا ہر قدم حد نگاہ تک پڑتا ہے ہم جا رہے ہیں اور جبرئیل امین ہمارے ساتھ ہیں پھر ہم ایسے لوگوں سے گزرتے ہیں جو بوتے ہی کاٹ لیتے ہیں۔ اور کٹتے ہی پھر فصل پک کر تیار ہو جاتی ہے۔ میں سوال کرتا ہوں جبرئیل یہ کون ہیں؟ فرماتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی راہ کے مجاہد ہیں ان کی نیکیاں سات سو تک بڑھا دی جاتی ہیں و ما انفقتم الخ تم جو کچھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو گے اللہ اس کا معاوضہ دے گا۔ وہ بہترین روزی پہنچانے والا ہے۔ پھر ہم ایسے لوگوں سے گزرتے ہیں جن کے سر پتھروں سے کچلے جا رہے ہیں۔ اور کچلتے ہی پھر ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ یہ عذاب ایک سیکنڈ کے لیے بھی ان سے روکا نہیں جاتا۔ میں پوچھتا ہوں جبرئیل یہ کون ہیں؟ فرماتے ہیں یہ زکوۃ نہیں دیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا۔ اور نہ اللہ تعالیٰ کی یہ شان ہے کہ وہ کسی پر ظلم کرے پھر ہم ایسے لوگوں سے گزرتے ہیں جن کے آگے پاک تازہ اور پکا ہوا گوشت رکھا ہے اور سڑا ہوا بھی۔ مگر یہ عمدہ و تازہ گوشت چھوڑ کر سڑا ہوا گوشت کھا رہے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں جبرئیل یہ کون ہے؟ فرماتے ہیں یہ وہ ہیں جو اپنی بیویاں چھوڑ کر رنڈیوں کے پاس راتیں گزارا کرتے ہیں۔ پھر

میں دیکھتا ہوں کہ راہ میں ایک لکڑی پڑی ہے جو کسی کپڑے کو پھاڑے اور کسی چیز کو توڑے بغیر نہیں چھوڑتی' میں پوچھتا ہوں جبریئل یہ کیا ہے؟ فرماتے ہیں یہاں کی امت کے ڈاکوؤں کی مثال ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لوگوں کو ڈرانے کے لیے ہر راستے پر نہ بیٹھو۔ پھر میں ایک ایسے شخص کے پاس سے گزرتا ہوں جس نے لکڑیوں کا اتنا بوجھ جمع کر رکھا ہے کہ اسے اٹھا نہیں سکتا اور مزید جمع کرنے کی سوچ میں ہے۔ پوچھتا ہوں یہ کیا ہے؟ فرماتے ہیں یہ آپ کا وہ امتی ہے جس کے پاس لوگوں کی امانتیں ہیں۔ یہ انہیں ادا نہیں کیا کرتا تھا اور مزید امانتوں کے جمع کرنے کی سوچ میں رہتا تھا۔ پھر میں ایسے لوگوں کے پاس سے گزرتا ہوں جن کے ہونٹ لوہے کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے ہیں اور کٹتے ہی درست ہو جاتے ہیں۔ یہ عذاب ان سے ایک منٹ کے لیے بھی موقوف نہیں ہوتا۔ پوچھتا ہوں یہ کون ہیں؟ فرماتے ہیں یہ فتنے کے زمانے کے مقرر ہیں۔ پھر میں ایک تنگ سوراخ کے پاس سے گزرتا ہوں جس سے زبردست نور نکل رہا ہے پھر یہ نور واپس جانا چاہتا ہے مگر واپس نہیں ہو سکتا۔ پوچھتا ہوں یہ کیا ہے؟ فرماتے یہ وہ شخص ہے کہ کوئی بات کہہ کر اس پر شرمندہ ہو کر اسے واپس لینا چاہتا ہے مگر واپس لینے پر قادر نہیں۔

رحمۃ اللعالمین ﷺ نے فرمایا: پھر میں اور جبریئل امین چڑھے۔ جبریئل نے دروازہ کھلوایا تو آدم کو اسی صورت پر دیکھا جس صورت پر اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا کیا تھا۔ انہیں ان کی مومن اولاد کی روحیں دکھائی جا رہی تھیں اور دیکھ دیکھ کر فرما رہے تھے یہ پاک روح اور پاک جسم ہے۔ اسے علیین میں رکھو اور کافر اولاد کی بھی۔ اور فرما رہے تھے کہ یہ گندی روح اور گندہ نفس ہے اسے سجین میں رکھو۔ پھر میں ذرا اور آگے بڑھا تو میں نے دستر خوان دیکھے جن پر پاکیزہ گوشت رکھا ہوا ہے لیکن ان کے قریب بھی کوئی نہیں۔ اور دوسرے دستر خوان دیکھے جن پر سڑا ہوا اور بدبودار گوشت رکھا ہے اور لوگ اسے کھا رہے ہیں۔ میں نے پوچھا جبریئل یہ کون ہیں؟ فرمایا یہ حلال چھوڑ کر حرام کھایا کرتے تھے۔ پھر میں تھوڑا اور آگے بڑھا تو میں نے ایسے لوگ دیکھے جن کے پیٹ گھڑوں کی طرح بڑے بڑے تھے جب ان میں سے کوئی اٹھنا چاہتا تھا تو گر پڑتا تھا اور دعا مانگ رہے تھے کہ اے اللہ تعالیٰ قیامت قائم فرما۔ یہ لوگ فرعونیوں کے قافلوں کی گزرگاہوں پر تھے۔ پھر قافلہ آتا ہے اور انہیں کچلتا ہوا چلا جاتا ہے اور یہ چیختے ہوئے رہ جاتے ہیں۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ فرمایا یہ سود خور ہیں اور آسیب زدہ لوگوں کی طرح کھڑے ہوتے ہیں۔ پھر میں ذرا اور آگے بڑھا تو ایسے لوگ دیکھے جن کے ہونٹ اونٹوں کے ہونٹوں جیسے تھے زبردستی ان کے منہ کھول کھول کر ان میں پتھر ٹھونسے جا رہے تھے۔ جو ان کی دبر سے نکل جاتے

تھے وہ بری طرح سے چیخ رہے تھے میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ فرمایا: یہ ظلم سے یتیموں کا مال کھایا کرتے تھے۔ پھر میں ذرا اور آگے بڑھا تو عورتیں دیکھیں جن کی چھاتیاں بندھی ہوئی تھیں اور لٹک رہی ہیں اور بُری طرح چیخ رہی ہیں۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ فرمایا یہ زنا کار عورتیں ہیں پھر میں تھوڑا اور آگے بڑھا تو کچھ آدمی دیکھے جن کی کروٹوں سے گوشت کاٹا جا رہا ہے اور ان کے منہ میں ٹھونسا جا رہا ہے۔ اور کہا جا رہا ہے کہ اسے کھاؤ۔ جیسے تم اپنے بھائی کا گوشت کھایا کرتے تھے۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ فرمایا یہ آپ کی امت کے چغل خور ہیں (آگے پوری حدیث ہے) (بیہقی)

رحمۃ اللعالمین ﷺ نے فرمایا: معراج میں ایسے لوگوں سے گزرا جن کے تانبے کے ناخن تھے جن سے وہ اپنا منہ اور سینہ کھرچ رہے تھے۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ فرمایا یہ وہ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھایا کرتے تھے اور ان کی آبرو ریزی کیا کرتے تھے۔ (ابوداؤد) ابوداؤد طیالسی میں ٹہنی والی حدیث ہے جسے آپ ؐ نے پھاڑ کر دو قبروں میں گاڑ دیا تھا یہ حدیث اوپر گزر چکی ہے۔ ان قبر والوں میں اختلاف ہے کہ یہ دونوں کافر تھے یا مومن؟ تحقیق یہی ہے کہ یہ کافر تھے۔ اور یہ جو فرمایا ہے کہ ان پر کسی بڑے گناہ کی وجہ سے عذاب نہیں ہو رہا۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ شرک و کفر کے مقابلہ میں یہ معمولی گناہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس حدیث سے پتہ چلا کہ ان سے عذاب ہٹا نہیں ہاں تھوڑی سی دیر کے لیے (لکڑیوں کے خشک ہونے تک) ضرور کمی ہو گئی تھی۔ اگر مومن ہوتے تو آپ ؐ ان کے حق میں دعا فرماتے اور عذاب ہٹ جاتا۔ حدیث کی ایک سند میں ان کے کفر کی وضاحت بھی آ گئی ہے۔ یہ عذاب کفر و شرک کے عذاب کے سوا تھا۔ پتہ چلا کہ کافروں پر کفر و شرک کا بھی عذاب ہے اور دوسرے گناہوں کا بھی۔ یہی قول ابوالحکم بن برخان کا پسندیدہ ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ دونوں مسلمان تھے۔ کیونکہ آپ ؐ نے وضاحت فرما دی کہ ان پر کفر و شرک کی وجہ سے عذاب نہیں ہو رہا۔ کیونکہ کفر و شرک بڑے گناہوں سے بھی بڑے گناہ ہیں۔ اس کے علاوہ یہ لازم نہیں کہ رحمۃ اللعالمین ﷺ ہر گناہ گار مسلمان کے لیے سفارش فرمائیں۔ جس پر عذاب ہو رہا ہو۔ آپ نے چادر والے مسلمان کے بارے میں بتایا جو جہاد میں مارا گیا تھا کہ اس پر قبر میں آگ کی چادر بھڑک رہی ہے۔ جبکہ یہ آدمی مسلمان و مجاہد تھا۔ حدیث کی کچھ سند میں جو کفر کی وضاحت آ گئی ہے وہ ثابت نہیں۔ اور اگر صحیح بھی ہو تو کسی راوی کا قول معلوم ہوتا ہے۔ قرطبی نے اسی کو پسند کیا ہے۔

☆☆☆

ساتواں حصہ

عذاب قبر' قبر کی تنگی و کشادگی' قبر دوزخ کا گڑھا یا جنت کا باغ اور قبر میں مردوں کا حساب کے لیے بیٹھنا

جو لوگ عذاب قبر' اس کی تنگی و کشادگی اور اس بات کے کہ قبر یا تو جہنم کا گڑھا ہے یا جنت کا باغ اور قبر میں مردے کے بیٹھنے کے قائل نہیں' انہیں ہم کیا جواب دیں گے؟ کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ جب ہم قبریں کھول کر دیکھتے ہیں تو وہاں نہ اندھے اور گونگے فرشتے دیکھتے ہیں جو لوہے کے ہتھوڑوں سے مردے کو مار رہے ہوں' نہ وہاں سانپ واژدھے نظر آتے ہیں اور نہ وہاں آگ ہی بھڑکتی دکھائی دیتی ہے بلکہ لاش میں کوئی تبدیلی نہیں پاتے۔ اور اگر مردے کی آنکھوں پر پارا اور سینے پر رائی رکھ دیں تو پھر بھی اسے اپنی حالت سکون پر ہی پاتے ہیں۔ اسی طرح قبر کی تنگی اور کشادگی مشاہدہ کے خلاف ہے۔ قبر جتنی کھودی جاتی ہے' جب اسے کھول کر دیکھتے ہیں تو اتنی ہی پاتے ہیں پھر تنگ قبر میں مردہ اور فرشتے اور مانوس یا غیر مانوس شکل والے عمل کیسے سما سکتے ہیں؟ اسی طرح بدعتی اور گمراہ لوگ کہتے ہیں کہ جو بات عقل و مشاہدہ کے تقاضوں کے خلاف ہو وہ یقیناً غلط ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ پھانسی کے تختے پر کبھی مدت تک لاش لٹکی رہتی ہے نہ اس سے سوال و جواب ہوتا ہے نہ اس میں حرکت پائی جاتی ہے اور نہ اس کا جسم آگ سے جلتا ہے۔ پھر جس کو درندے کھا گئے یا پرندے ہضم کر گئے اور ان کے اجزا درندوں کے پیٹوں اور پرندوں کے پوٹوں اور مچھلیوں کے معدوں میں ہضم ہو کر بکھر گئے یا جنہیں جلا کر ان کی راکھ ہوا یا سمندر یا نہروں میں بہا دی گئی تو ان اجزا سے جب کہ وہ جدا جدا ہو کر گم ہو گئے' کس طرح سوال ہوتا ہے؟ اس کے سامنے کس طرح فرشتے آتے ہیں۔ اس کی قبر کس طرح جہنم کا گڑھا یا جنت کا باغ بنتی ہے اور کس طرح اسے پکڑتی ہے؟ ہم اس سلسلے میں کچھ باتیں بیان کرتے ہیں جن سے ان تمام اعتراضات کا جواب ملتا ہے۔

چند ضروری باتیں

پہلی بات یہ ہے کہ انبیائے کرامؑ نے ایسی خبریں نہیں دیں جنہیں عقل مشکل سمجھتی ہو اور یقینی طور پر انہیں ناممکن جانتی ہو بلکہ انہوں نے دو قسم کی خبریں دی ہیں۔ کچھ تو ایسی خبریں ہیں جنہیں عقل سلیم اور فطرت مستقیم بھی مانتی ہے اور ان کی سچائی کی گواہی دیتی ہے اور کچھ ایسی ہیں جن کا ادراک مجرد عقل نہیں کر سکتی مثلاً عالم غیب کی خبریں برزخ و قیامت کی تفصیلات اور عذاب و ثواب کی جزئیات وغیرہ۔

انبیاء کرامؑ کی دی ہوئی خبریں ہرگز عقلوں کے نزدیک ناممکن نہیں جس خبر کے متعلق یہ خیال ہو کہ یہ عقل کے نزدیک ناممکن ہے وہ دو باتوں سے خالی نہیں۔ یا تو وہ جھوٹی خبر ہے انبیاء کی دی ہوئی نہیں بلکہ ان کی طرف منسوب کر دی گئی ہے یا عقل بد ہے جو ایک شیطانی شک کو معقول صریح سمجھ رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ویری الذین اوتوا العلم الخ آپؐ پر جو آپؐ کے رب کے پاس سے اترا ہے اسی کو علم والے سچ سمجھتے ہیں اور وہی غالب و خوبیوں والے اللہ کی راہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

فرمایا: افمن یعلم انما الخ کیا پھر وہ جو آپؐ پر اتری ہوئی باتوں کو سچ سمجھتا ہے ایک اندھے کی طرح ہے۔

فرمایا: الذین اتیناھم الکتاب الخ جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ ان باتوں سے خوش ہوتے ہیں جو آپؐ پر اترتی ہیں اور کچھ باتوں کا انکار کرتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ ذہن مشکل باتوں سے خوش نہیں ہوتے۔ فرمایا: یاایھا الناس قد جاء تکم موعظۃ الخ اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کے پاس سے نصیحت اور دلوں کی شفا آگئی اور وہ مومنوں کے لیے ہدایت و رحمت ہے آپ فرما دیں کہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے انعام و رحمت پر خوش ہو جانا چاہیے۔ ظاہر ہے کہ مشکل میں نہ تو شفا ہے نہ ہدایت و رحمت ہے اور نہ اس سے خوش ہوا جاتا ہے۔ پتہ چلا کہ اس قسم کے شکوک ایسے ہوتے ہیں جس کے دل میں ایمان نے جڑیں نہیں پکڑیں۔ اور جس کے اسلام پر قدم نہیں جمے۔ اسی وجہ سے اس کا دل ڈانواں ڈول ہوتا ہے اور حیرت و شک میں پڑا رہتا ہے۔

دوسری بات

بغیر کمی بیشی کے رحمۃ اللعالمین ﷺ کی مراد سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے اور آپ کی حدیث کا ایسا مطلب نہیں لینا چاہیے جسے وہ برداشت نہ کر سکے یا اس سے وہ مطلب نکلتا نہ ہو۔ اس اصول کو چھوڑنے

سے اور اس سے بٹنے ہی کی وجہ سے لاتعداد غلطیاں اور گمراہیاں پیدا ہوتی ہیں بلکہ الٹی سمجھ ہی تمام بدعتوں اور گمراہیوں کی جڑ ہے۔ اور اصول وفروع میں ہر غلطی کی ضامن ہے۔ خصوصی طور پر جب کہ اس کے ساتھ بدنیتی بھی ہو۔ کبھی اتفاق سے کچھ مسائل میں بڑے لوگوں کی طرف سے الٹی سمجھ کا ظہور ہوتا ہے جبکہ ان کی نیت اچھی ہوتی ہے اور عقیدت مندوں کی نیت اچھی نہیں ہوتی اور مسئلہ کچھ سے کچھ سمجھ لیا جاتا ہے اور دین اور دین داروں کی مٹی پلید ہوتی ہے۔

قدریہ مرجیہ خارجی رافضی معتزلہ جہمیہ اور دیگر تمام فرقوں کو اسی چیز ہی نے گمراہ کیا۔ اور ان کے ہاتھوں میں آ کر دین کی مٹی پلید ہوئی۔ ان لوگوں نے صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کی سمجھ سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ اور نہ اس کی طرف دھیان دیا۔ مثالوں کی کثرت کی وجہ سے ہم نے مثالیں نہیں دیں ورنہ دس ہزار سے بھی زیادہ مثالیں ہمارے پاس محفوظ ہیں۔ آپ شروع سے لے کر آخر تک قرآن حکیم پڑھ جائیں۔ آپ کو حیرت ہوگی کہ ان گمراہ فرقوں نے کہیں بھی قرآن پاک کو شارع علیہ السلام کی مراد کے مطابق نہیں سمجھا قرآن حکیم کو صحیح طور سے وہی سمجھے گا جو پہلے لوگوں کے خیالات معلوم کرے پھر انہیں قرآن پاک پر پیش کرے۔ لیکن جو الٹا معاملہ کر دے کہ شرعی مسائل لوگوں کی رایوں پر پیش کرنے لگے۔ اور ان سے حسن ظن کی بنا پر دینی مسائل کو ان کے خیالات کے موافق بنانے کی کوشش کرے وہ ہدایت سے دور جا پڑے گا ایسے مقلد کو اس کے خیالات پر چھوڑ دیجئے۔ الحمدللہ! اللہ تعالیٰ نے اس بیماری سے آپ کو بچا لیا ہے۔

تیسری بات

اللہ تعالیٰ نے تین ہی گھر بنائے ہیں۔ دنیا' برزخ اور آخرت اور ہر گھر کے مخصوص احکام بنائے ہیں۔ اور انسان کو جسم و روح سے مرکب فرمایا ہے۔ دنیا کے احکام اجسام پر جاری ہیں اور روحیں ان کے تابع ہیں۔ اسی لیے احکام شرعیہ اقوال و افعال پر جاری ہوتے ہیں۔ دلی خیالات پر نہیں۔ اور برزخ کے احکام روحوں پر جاری ہوتے ہیں۔ اور جسم ان کے تابع ہوتے ہیں۔ غور کرو جیسے دنیوی احکام میں روحیں اجسام کے تابع ہیں۔ اور اجسام کی خوشی و تکلیف کا انہیں احساس ہوتا ہے۔ کیونکہ ان کے اسباب کا براہ راست اجسام ہی سے تعلق ہے۔ اور جسموں کے واسطہ کے ساتھ ارواح بھی متاثر ہوتی ہیں ٹھیک اسی طرح برزخ میں راحت و تکلیف کا تعلق براہ راست ارواح سے ہوتا ہے اور ارواح کے واسطہ جسموں کو ہوتا ہے۔ دنیا میں اجسام ظاہر ہیں اور ارواح پوشیدہ۔ گویا جسم روحوں کی قبریں ہیں اور برزخ میں ارواح

ظاہر ہیں اور اجسام اپنی اپنی قبروں میں پوشیدہ اور گم ہیں۔ پس برزخ کے احکام براہ راست روحوں پر جاری ہوتے ہیں۔ اور ان کے واسطے سے اجسام بھی متاثر ہوتے ہیں۔ بس اسی ایک نکتہ کو ذہن میں رکھو تمام اعتراض ختم جائیں گے۔

برزخ کا نمونہ

اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی ہدایت و مہربانی سے دنیا میں بھی برزخ کا ایک نمونہ دکھایا ہے یعنی سونے والے کی حالت برزخ کا ایک نمونہ ہے یعنی خواب میں جو خوشی یا تکلیف ہوتی ہے وہ براہ راست روح کو ہوتی ہے۔ اور روح کے واسطے سے جسم بھی متاثر ہوتا ہے اور کبھی یہ تاثیر اتنی مضبوط ہوتی ہے کہ دیکھنے میں بھی آ جاتی ہے مثلاً کسی نے خواب میں دیکھا کہ کوئی اسے مار رہا ہے اور وہ چیخ رہا ہے۔ جب جاگ گیا تو چوٹ کا نشان جسم پر موجود دیکھا یا خواب میں دیکھا کہ میں نے کوئی چیز کھائی پھر بیدار ہو گیا تو اس کا ذائقہ اب تک محسوس کر رہا ہے بلکہ بھوک پیاس بھی جاتی رہتی ہے۔ کچھ دفعہ تو یہاں تک نوبت پہنچ جاتی ہے کہ خواب دیکھنے والا خواب ہی میں کھڑا ہو جاتا ہے اور بیدار شخص کی طرح مارتا پکڑتا اور دھکے دیتا ہے۔ جبکہ وہ نیند میں ہوتا ہے۔

اور ہر بات سے بے خبر ہوتا ہے کیونکہ جب روح متاثر ہوئی تو اس نے جسم سے باہر رہ کر جسم سے مدد مانگی۔ کیونکہ اگر جسم میں داخل ہو جاتی تو وہ جاگ ہو جاتا۔ اور ہر بات محسوس کرنے لگتا۔ پھر جب حالت خواب میں ایک ادنیٰ قسم کے تجرد سے روح براہ راست متاثر ہونے لگتی ہے تو برزخ میں جب کہ اونچے درجے کا اور پورا پورا تجرد پایا جاتا ہے۔ اول درجہ براہ راست روح متاثر ہوتی ہے اور اس کے تاثر سے جسم بھی متاثر ہوتے ہیں کیونکہ موت سے روح کا تعلق اجسام سے بالکل ختم نہیں ہوتا۔ بلکہ ایک گونہ تعلق قائم رہتا ہے بے شک جسم جوں کے توں باقی ہوں یا ان کے اجزاء پراگندہ ہو کر مٹی وغیرہ میں مل کر دوسری شکلیں اختیار کر چکے ہوں اور قیامت کے دن بغیر واسطہ کے اجسام و ارواح دونوں متاثر ہوں گے۔ جب تم اس نکتے کو اچھی سمجھ جاؤ گے تو تمہیں خود بخود مندرجہ ذیل تمام اعتراضوں کا جواب سمجھ میں آ جائے گا۔ اور یہ بھی سمجھ جاؤ گے کہ رحمۃ اللعالمین ﷺ کی بتلائی ہوئی تمام باتیں عقل سلیم کے مطابق اور سچی ہیں۔ اور بعض غلط سمجھ اور کم علمی کی وجہ سے ہے ۔

سخن شناس نہ دلبرا خطا ایں جاست

کیا یہ حیران کن بات نہیں کہ دو شخص ایک ہی بستر پر سو رہے ہیں مگر ایک کی روح نعمتوں سے لطف

اٹھا رہی ہے اور دوسرے کی روح دکھ دینے والے عذاب میں پڑی ہے۔ پھر دونوں جاگتے ہیں تو اپنے اپنے جسموں پر نعمت وعذاب کے نشانات دیکھتے ہیں۔ برزخ کا معاملہ تو اس سے بھی زیادہ عجیب ہے۔

چوتھی بات

برزخ و آخرت کے معاملات محسوس کرنے اور جاننے سے باہر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے برزخ و آخرت کے معاملات دنیا کی نظروں سے پوشیدہ رکھتے ہیں۔ ان تک حس و سمجھ کی رسائی نہیں اس کی کمال حکمت کا بھی تقاضا ہے کہ مسلمانوں اور کافروں میں اور نہ ماننے والوں اور نہ ماننے والوں میں فرق ہو جائے' دنیا ہی میں عمر کی آخری گھڑی میں سکرات کے وقت فرشتوں سے سابقہ پڑتا ہے اور دنیا سے جانے والا ہی انہیں دیکھتا ہے۔ فرشتے اس کے پاس آ کر بیٹھ جاتے ہیں اس سے بات چیت کرتے ہیں ان کے پاس جنت کا یا جہنم کا کفن اور خوشبو یا بدبو ہوتی ہے۔ یہ بیمار پرسوں کی دعا یا بددعا پر آمین بھی کہتے ہیں مرنے والے کو سلام بھی کرتے ہیں۔ اور وہ انہیں جواب بھی دیتا ہے اور اگر بول نہیں سکتا اور اشارہ بھی نہیں کر سکتا تو دل سے جواب دیتا ہے اسی وجہ سے بعض مرنے والوں کو سکرات کے وقت اہلاً و سہلاً و مرحباً' آیئے آیئے' تشریف لایئے' کہتے ہوئے سنا گیا ہے۔ ہمارے محترم استاد نے بتایا پتہ نہیں آپ نے دیکھا تھا یا کسی سے سنا تھا کہ ایک مرنے والا کہہ رہا تھا آیئے تشریف رکھئے۔

واقعہ خیر النساج

خیر النساج کا واقعہ مشہور ہے کہ آپ نے موت کے وقت فرمایا میں صبر کروں گا' اللہ تعالیٰ تمہیں عافیت عطا فرمائے تمہیں جو حکم ہے اس کے بغیر چارا نہیں اور میری عمر کا وقت ختم ہو چکا ہے پھر پانی منگا کر وضو کیا اور نماز پڑھ کر فرمایا۔ اب تم رب کے حکم کی تعمیل کرو۔ یہ فرما کر فوت ہو گئے۔

عمر بن عبد العزیز علیہ الرحمۃ کا آخری واقعہ

روایت ہے کہ عمر بن عبد العزیزؒ جس دن رخصت ہونے والے تھے اس دن فرمانے لگے مجھے اٹھا کر بٹھا دو۔ تیمارداروں نے آپ کو اٹھا کر بٹھا دیا۔ رو کر فرمایا میں وہ ہوں جس نے تعمیل احکام میں لاپرواہی کی اور گناہوں میں سرگرمی دکھائی۔ یہ جملہ تین بار مکرر فرما کر کلمہ پڑھا اور سر اٹھا کر غور سے دیکھنے لگے۔ لوگوں نے پوچھا امیر المومنین آپ اس قدر غور سے کیا دیکھ رہے ہیں؟ فرمایا: میں ایسی شکلیں دیکھ رہا ہوں جو انسان ہیں نہ جن۔ پھر جان جان آفریں کو سونپ دی۔ (ابن ابی الدنیا)

مسلمہ فرماتے ہیں کہ آپ کی موت کے وقت موجود تھا۔ آپ نے اشارے سے ہمیں باہر جانے کا حکم دیا۔ ہم سب باہر آ کر بیٹھ گئے۔ بس ایک خادم آپ کے پاس رہ گیا۔ اس وقت آپ اس آیت کی تلاوت فرما رہے تھے: تلک الدار الآخرۃ الخ ہم نے یہ آخرت کا گھر ان کے لیے بنایا ہے جو دنیا میں بلندی نہیں چاہتے اور فساد نہیں مچاتے اور اچھا انجام اللہ سے ڈرنے والوں ہی کا ہوتا ہے۔ بے شک تم نہ انسان ہو اور نہ جن۔ پھر غلام نے باہر آ کر ہمیں اندر جانے کو کہا۔ اب جو ہم اندر گئے تو آپ فوت ہو چکے تھے۔

محمد بن واسع کی موت کا واقعہ

فضالہ بن دینار کا بیان ہے کہ میں محمد بن واسع کی سکرات کے وقت موجود تھا۔ آپ اچانک فرمانے لگے: اے میرے رب کے ملائکہ! آؤ ہر طرح کی طاقت وقوت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔ اس وقت مجھے بڑی پیاری اور مسحور کن خوشبو کی لپٹیں آئیں۔ پھر آپ کی نگاہ پھٹ گئی اور فوت ہو گئے۔ جب کہ اس بارے میں بے شمار آثار ہیں لیکن سب سے زیادہ بلیغ ومؤثر اور جامع یہ آیت ہے **فلو لا اذا بلغت الحلقوم** الخ جب روح جسم سے کھینچ کر سینے میں آ کر اٹک جاتی ہے اور اس وقت تم حسرت بھری نگاہوں سے دیکھ کرتے ہو اور ہم مرنے والے سے تم سے زیادہ قریب ہوتے ہیں۔ لیکن تم دیکھتے نہیں۔ یعنی ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے تم سے زیادہ اس کے قریب ہوتے ہیں لیکن تمہیں دکھائی نہیں دیتے۔ یہ دنیا کی آخری گھڑی ہے اور عالم برزخ کی پہلی گھڑی آنے والی ہے۔ (اس وجہ سے مرنے والے سے پردے اٹھا دیے جاتے ہیں) اس وقت دنیا سے جانے والا جو چیزیں دیکھ رہا ہے وہ دنیا والوں کو نظر نہیں آتیں۔ پھر فرشتہ ہاتھ بڑھا کر روح سے خطاب کرتا ہے اور اسے قبض کر لیتا ہے۔ تیمار دار فرشتہ دیکھتے ہیں اور نہ فرشتے کی بات سنتے ہیں۔ پھر جسم سے روح نکل آتی ہے۔ اور سورج کی کرنوں کی طرح اس سے نور کی کرنیں اور مشک سے زیادہ مست کرنے والی خوشبو کی لپٹیں نکلنے لگتی ہیں۔ موجود رہنے والے نور کی کرنیں دیکھتے ہیں اور نہ انہیں خوشبو کی لپٹیں آتی ہیں۔ پھر ملائکہ کے جھرمٹ میں روح آسمان پر چڑھتی ہے مگر کوئی ملائکہ کو نہیں دیکھتا۔ پھر روح واپس کر جسم کو غسل دیے جانے اور کفن پہنائے جانے اور قبرستان کی طرف لے جائے جانے کا مشاہدہ کرتی ہے اور کہتی ہے جلدی سے لے چلو۔ یا مجھے کہاں لے جا رہے ہو۔ لیکن اس کی آواز کسی کو بھی نہیں سنائی دیتی۔ پھر جب لاش قبر میں رکھ کر اس پر مٹی ڈال کر قبر بنا دی جاتی ہے تو یہ مٹی کا ڈھیر فرشتوں کو میت کے پاس آنے سے روک نہیں سکتا۔

بلکہ اگر چٹان تراش کر اس میں لاش رکھ کر اسے سیسہ پلا کر سربمہر کردی جائے تو فرشتے پھر بھی لاش تک پہنچ جائیں گے۔ کیونکہ اجسام کثیفہ سے ارواح لطیفہ آسانی سے پار ہو جاتی ہے۔ فرشتے تو فرشتے ان سے تو جن بھی پار ہو جاتے ہیں۔ بلکہ جیسے پرندے ہوا میں اڑتے پھرتے ہیں اسی طرح فرشتے اجسام کثیفہ میں تیرتے پھرتے ہیں۔

قبر کی کشادگی

قبر کی کشادگی روح کے لیے بالذات ہے اور بدن کے لیے بواسطہ روح کے ہے۔ (عالم برزخ کے واقعات روح پر سیدھے جاری ہوتے ہیں اور بدن پر بواسطہ روح کے) بظاہر لاش قبر میں ہاتھ دو ہاتھ جگہ میں ہوتی ہے جبکہ قبر تنگ فراخ ہوتی ہے اسی طرح اگر قبر کو کھول کر دیکھا جائے تو لاش اپنی حالت (شکل) پر بدستور نظر آتی ہے مگر قبر میت کو اس طرح دباتی ہے کہ ادھر کی پسلیاں ادھر اور ادھر کی ادھر آ جاتی ہیں۔ یہ بات حس اور عقل و فطرت سلیم کے خلاف نہیں۔ اگر لاش اسی طریقہ پر رکھی ہوئی ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ کہ قبر نے اسے نہ بھینچا ہو۔ ہو سکتا ہے کہ بھینچے جانے کے بعد لاش پھر اپنی پہلی حالت پر آ گئی ہو۔ ملحدوں اور بے دینوں کے پاس رسولوں کو جھٹلانے کے سوا اور رکھا ہی کیا ہے۔

ایک معتبر شخص کا واقعہ

ایک بہت ہی معتبر شخص نے بتایا کہ ایک دفعہ میں نے تین قبریں کھودیں اور فارغ ہو کر آرام کرنے کے لیے لیٹ گیا۔ اتفاق سے آنکھ لگ گئی۔ خواب میں دیکھتا ہوں کہ آسمان سے دو فرشتے اترتے ہیں اور ان تینوں میں سے ایک قبر کے پاس کھڑے ہو کر آپس میں ایک دوسرے سے کہتا ہے کہ اس کا رقبہ تین میل لمبا اور تین میل چوڑا لکھو۔ پھر دوسری قبر کے پاس جا کر کہتا ہے کہ اس کا ایک میل لمبا اور ایک میل چوڑا لکھو۔ پھر تیسری قبر کے پاس جا کر کہتا ہے اس کا آدھا انچ لمبا اور آدھا انچ چوڑا لکھو۔ فرماتے ہیں پھر میری آنکھ کھل گئی۔ اتنے میں کسی معروف شخص کا جنازہ آیا جسے پہلی قبر میں دفن کیا گیا۔ پھر دوسرا جنازہ آیا اسے دوسری قبر میں دفن کیا گیا۔ پھر شہر سے ایک مشہور مالدار عورت کا جنازہ آیا جس کے ساتھ شہر کے ہر کونہ کا آدمی تھا اور جنازے پر لوگوں کی بھیڑ تھی اسے تیسری قبر میں دفن کیا گیا۔

پانچویں بات

قبر کی آگ اور قبر کی باغ و بہار دنیا کی آگ و بہار کی طرح نہیں ہے کہ اس کا دنیا والے مشاہدہ کر

لیں۔ بلکہ آخرت کی آگ و بہار کی طرح ہے جو دنیا کی آگ و بہار سے کہیں زیادہ سخت ہے۔ آخرت کی چیزوں کو دنیا والے دیکھ نہیں سکتے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ ان پر یہی مٹی اور پتھر بھڑکا دیتا ہے جن میں یہ مدفن ہیں اور یہ دنیا کی مٹی اور پتھروں سے کہیں زیادہ گرم و تکلیف پہنچانے والے بن جاتے ہیں لیکن اگر ان کو دنیا والے ہاتھ لگا کر دیکھیں تو انہیں ذرا سی گرمی کا بھی احساس نہ ہو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ انہیں باغ و بہار بنا دیتا ہے بلکہ ایک ہی قبر میں دو شخص مدفون ہوتے ہیں۔ ایک کے لیے یہ قبر جہنم کا گڑھا ہے مگر اس کی گرمی کا احساس اس کے پڑوسی کو نہیں ہوتا۔ اور ایک کے لیے جنت کا باغ ہے لیکن اس کی آرام پہنچانے والے نعمتوں کا احساس اس کے پڑوسی کو نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت تو اس سے بھی زیادہ بڑی کھلی اور حیران کرنے والی اور حیرت انگیز ہے۔ اسی دنیا میں اس نے ہمیں اپنی قدرت کی اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز نشانیاں دکھادی ہیں۔ مگر لوگوں کو جن باتوں کا علم نہیں ہوتا انہیں جھٹلا دیا کرتے ہیں مگر جنہیں اللہ ماننے کی توفیق عطا فرمائے اور جھٹلانے سے محفوظ رکھے جب اللہ تعالیٰ کافروں کے نیچے آگ کے دو تختے بچھا دیتا ہے جس سے اس کی قبر تنور کی طرح بھڑک اٹھتی ہے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے تو اس پر اپنے کسی بندے کو خبر بھی فرما دیتا ہے اور دوسروں سے چھپائے رکھتا ہے۔ کیونکہ اگر سب کو خبر ہو جائے تو ایمان بالغیب نہ رہے؟ اور لوگ مردوں کو دفن کرنا چھوڑ دیں۔ جیسا کہ رحمۃ اللعالمین ﷺ نے فرمایا اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ تم دفن کرنا چھوڑ دو گے تو میں اللہ سے دعا کرتا کہ میری طرح تمہیں بھی عذاب قبر سنا دے۔ (بخاری، مسلم)

چونکہ جانوروں میں یہ حکمت نہیں ہے اس لیے وہ عذاب قبر سنتے ہیں جس طرح آپ کا خچر عذاب قبر سن کر ایسا بدکا تھا کہ معلوم ہوتا تھا کہ آپ کو گرا دے گا۔

ابوعبداللہ محمد بن ازیز کا آنکھوں دیکھا واقعہ

ابوعبداللہ محمد بن ازیز حدائی سے روایت ہے کہ میں آمد میں عصر کے بعد اپنے گھر سے نکل کر ایک باغ میں گیا۔ غروب سے کچھ وقت پہلے چند قبروں کے پاس پہنچا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ایک قبر شیشہ گر کی بھٹی کی طرح انگارا تھی۔ مردہ قبر میں مدفون تھا میں اپنی آنکھیں ملنے لگا اور سوچنے لگا کہ کیا میں جاگ رہا ہوں یا سو رہا ہوں۔ پھر میں نے شہر کی دیوار دیکھ کر کہا۔ میں تو جاگ رہا ہوں۔ پھر خود بھولانے کی حالت میں گھر گیا مگر کھانا آیا تو کھا نہ سکا۔ اور شہر میں چل پھر کر معلوم کیا تو پتہ چلا کہ اس قبر میں آج ہی ایک ظالم چنگی وصول کرنے والا دفن کیا گیا ہے۔ قبروں میں اس آگ کا دیکھا جانا اسی طرح

ہے جیسے کبھی اللہ کسی کو جن یا فرشتے دکھا دیتا ہے۔

ایک آدمی کا آنکھوں دیکھا واقعہ

امام شعبی علیہ الرحمۃ نے ایک آدمی کا واقعہ بیان کیا کہ اس نے رحمۃ اللعالمین ﷺ سے کہا کہ میں بدر سے گزر رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک آدمی زمین سے نکلتا ہے اور ایک شخص اسے ہتھوڑے سے مارتا ہے۔ پیٹتے پیٹتے وہ پھر زمین میں غائب ہو جاتا ہے پھر نکلتا ہے پھر غائب ہو جاتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا یہ ابوجہل ہے۔ اس پر قیامت تک یہی عذاب نازل رہے گا۔ (کتاب القبور لابن ابی الدنیا)

ابن عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ میں مکہ اور مدینہ کے درمیان اپنی سواری پر جا رہا تھا' پیچھے سامان بندھا ہوا تھا' راستے میں ایک قبرستان سے گزرا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک آدمی اپنی قبر سے نکلا۔ جس کے تمام جسم میں آگ لگ رہی ہے اور اس کی گردن میں زنجیر ہے جسے گھسیٹا جا رہا ہے۔ مجھے دیکھ کر کہتا ہے کہ "اے عبداللہ مجھ پر پانی چھڑک دو۔" پتہ نہیں وہ مجھے پہچانتا تھا یا عبداللہ عرف کے لحاظ سے کہہ رہا تھا۔ اتنے میں دوسرا شخص آتا ہے اور کہتا ہے کہ عبداللہ اس پر پانی نہ چھڑکنا۔ پھر اس کی زنجیر پکڑ کر اور اسے گھسیٹ کر قبر میں لے جاتا ہے۔ (ابن ابی الدنیا)

عروہ نے بھی مندرجہ ذیل واقعہ کچھ مختلف الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے فرماتے ہیں کہ اس کی دہشت سے میرے بال سفید ہو گئے۔ میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ واقعہ سنایا تو آپ نے اکیلے سفر کرنے سے مسلمانوں کو منع کر دیا۔ (ابن ابی الدنیا)

ابو قزعۃ کا واقعہ

ابو قزعۃ سے روایت ہے کہ ہم کچھ چشموں سے جو ہمارے بصرہ کے راستے میں پڑتے تھے' گزرے تو گدھے جیسی آواز آئی۔ ہم نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ گدھے کی سی آواز کہاں سے آ رہی ہے؟ اور کس کی ہے؟ لوگوں نے کہا۔ ایک آدمی ہمارے قریب رہا کرتا تھا۔ جب اس کی ماں اس سے بات کرتی تھی تو اسے کہہ دیا کرتا تھا کہ گدھے کی طرح کیوں چیختی ہے؟ اس کے مرنے کے بعد اس کی قبر سے روزانہ گدھے کی سی آواز آتی ہے۔ (ابن ابی الدنیا)

ایک مدنی کا واقعہ

عمرو بن دینار سے روایت ہے کہ مدینہ کا ایک شخص تھا اس کی بہن جو مدینہ کے ایک کونے پر رہتی تھی' بیمار ہوگئی وہ اس کی بیمار پرسی کے لیے آیا کرتا تھا پھر وہ مرگئی۔ خیر اسے دفن کر دیا گیا۔ پھر اسے یاد آیا کہ قبر میں میری کوئی چیز گر گئی ہے۔ چنانچہ ایک شخص کو ساتھ لے کر قبر جو کھودی تو وہ گری ہوئی چیز مل گئی۔ پھر اس نے اپنے ساتھی سے کہا دور ہٹ جاؤ۔ ایک نظر اپنی بہن پر ڈالوں کہ بے چاری کس حال میں ہے؟ قبر کی ایک اینٹ الگ کی تو قبر میں آگ بھڑک رہی تھی فوراً اینٹ اس جگہ پر رکھ کر قبر بنا دی اور گھر آ گیا۔ ماں نے پوچھا۔ قبر میں تمہاری بہن کا کیا حال ہے؟ بولا ان کا حال نہ پوچھیں وہ تو ہلاک ہوگئیں۔ آپ مجھے بتائیں کہ کیا کیا کرتی تھیں؟ ماں نے کہا نماز دیر سے پڑھتی تھیں اور بغیر وضو پڑھتی تھیں اور پڑوسیوں کے دروازے پر چھپ کر ان کی باتیں سنا کرتی تھیں۔ (ابن ابی الدنیا)

ایک اور شخص کا واقعہ

مرثد بن حوشب سے روایت ہے کہ میں یوسف بن عمر کے ہاں تھا۔ ان کے قریب ہی ایک شخص بیٹھا ہوا تھا جس کا ایک رخسار لوہے کی طرح سخت تھا۔ یوسف نے اس سے کہا کہ مرثد کو بھی اپنا آنکھوں دیکھا واقعہ سنا دو۔ کہنے لگا میں نوجوان تھا اور گناہوں کی پرواہ نہیں کیا کرتا تھا۔ طاعون کے زمانے میں میں نے سوچا کہ سرحد پر چلا جاؤں۔ پھر میں نے فیصلہ کیا کہ قبریں کھودا کروں۔ ایک دن میں نے مغرب و عشاء کے درمیان ایک قبر کھودی اور دوسری قبر کی مٹی سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اتنے میں ایک جنازہ لایا گیا اور اسے اس قبر میں دفن کر دیا گیا۔ اور لوگ واپس چلے گئے میں نے دیکھا اونٹ جیسے دو سفید پرندے مغرب کی طرف سے آئے ایک قبر کے سرہانے اور دوسرا پائنتی اتر پڑا۔ اور دونوں نے قبر کی مٹی ہٹائی۔ پھر ایک تو قبر میں اتر گیا اور دوسرا کنارے پر کھڑا رہا۔ میں کسی چیز سے ڈرا نہیں کرتا تھا۔ میں نے اس سے سنا کہ وہ کہہ رہا ہے کیا تو اپنی سسرال میں گیروے رنگا ہوا جوڑا پہن کر غرور و فخر سے اسے گھسیٹتا ہوا نہیں جایا کرتا تھا' بولا میں تو بہت کمزور ہوں۔ پھر اس پر ایسی چوٹ ماری جس سے اس کی قبر پانی اور روغن سے بھر گئی۔ اسی طرح اسے تین بار مارا اور ہر بار اسی لفظ کو دہراتا تھا اور ہر دفعہ قبر پانی اور روغن سے بھر جاتی تھی۔ پھر اپنا سر اٹھا کر میری طرف دیکھ کر بولا دیکھو یہ کہاں بیٹھا ہوا ہے اللہ تعالیٰ اسے اپنی رحمت سے دور کرے اور میرے اس رخسار پر اپنا ایک پر مارا میں گر پڑا۔ رات بھر میں وہیں رہا صبح قبر

دیکھی تو جیسے تھی ویسی ہی تھی۔ یہ دیکھنے والے کی آنکھوں میں تو پانی اور روغن معلوم ہوتا تھا۔لیکن آگ تھی جو مردے پر بھڑک رہی تھی۔ جیسے رحمۃ اللعالمین ﷺ نے دجال کی جانب سے خبر دی کہ اس کے پاس پانی اور آگ ہوگی آگ تو ٹھنڈا پانی ہوگا اور پانی شعلے بھڑکاتی ہوئی آگ ہوگی۔ایک آدمی نے ابو اسحٰق فزاری سے سوال کیا کیا کفن چور کی توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ فرمایا: ہاں اگر اس کی نیت صحیح ہو اور اللہ تعالیٰ کے علم میں اس کی سچائی بھی ہو۔

ایک کفن چور کا واقعہ

ایک شخص کہنے لگا میں کفن چور تھا۔ قبریں کھود کر کفن نکال لیا کرتا تھا۔ اور کچھ مردوں کے منہ قبلے سے ہٹے ہوئے دیکھتا تھا۔ یہ سن کر فزاری چپ ہو گئے۔ اور اوزاعیؒ کو لکھا۔ اوزاعیؒ نے جواب میں لکھا کہ کفن چور کی توبہ قبول ہو جائے گی۔ شرط یہ ہے کہ نیت صحیح ہو اور اللہ تعالیٰ کے علم میں اس کی سچائی ہو۔ اور جن مردوں کے قبلے سے منہ ہٹے ہوئے دیکھے وہ غیر سنت پر فوت ہوئے۔

دوسرے کفن چور کا واقعہ

ایک کفن چور سے جس نے توبہ کر لی تھی سوال کیا گیا کہ سب سے عجیب بات جو تم نے دیکھی ہو بتاؤ۔ اس نے کہا کہ میں نے ایک شخص کی قبر کھولی تو اس کے تمام جسم میں میخیں ٹھکی ہوئی تھیں ایک بڑی میخ سر میں اور ایک پیروں میں ٹھکی ہوئی تھی۔

ایک آدمی کا آنکھوں دیکھا واقعہ

کسی دوسرے کفن چور سے یہی بات پوچھی گئی تو اس نے بتایا میں نے ایک آدمی کی کھوپڑی دیکھی جس میں سیسہ پگھلا کر بھر دیا گیا تھا۔ کسی کفن چور سے پوچھا گیا کہ تمہاری توبہ کا سبب کیا ہے؟ کہنے لگا میں عام طور پر مردوں کو قبلہ سے ہٹا ہوا پاتا تھا۔ (مندرجہ ذیل تمام واقعات کتاب القبور میں ہیں)

ایک بغدادی کا واقعہ

ابو عبداللہ محمد بن نساب سلامی جو بڑے نیک اور سچے تھے فرماتے ہیں کہ ایک آدمی بغداد میں لوہاروں کے بازار میں چھوٹی چھوٹی دو سروں والی میخیں فروخت کر گیا۔ ایک لوہار نے انھیں نرم کرنا چاہا لیکن وہ آگ اور ہتھوڑے کی چوٹ سے بھی نرم نہ ہو سکیں اور وہ تھک کر چور ہو گیا۔ اس نے بیچنے والے کو

بلا کر پوچھا کہ یہ کیلیں تم کہاں سے لائے تھے؟ کہنے لگا میرے پاس تھیں۔ آخر اس نے دوبارہ پوچھنے پر بتایا کہ مجھے ایک کھلی قبر میں سے ملی تھیں اور ان سے مردے کی ہڈیاں جڑی ہوئی تھیں۔ میں نے انہیں ان ہڈیوں میں سے نکالنے کی کوشش کی لیکن نکال نہ سکا۔ آخر میں نے پتھر سے ہڈیوں کو توڑ کر انہیں نکالا اور اکٹھا کر لیا۔

ابوالحریش کہتے ہیں کہ میری والدہ نے بیان کیا کہ جب ابو جعفر نے کوفہ میں خندق کھدوائی تو لوگوں نے اپنے اپنے مردے منتقل کر دیئے۔ ہم نے ان میں سے ایک نوجوان کو دیکھا جو اپنے ہاتھ کاٹ رہا تھا۔

سماک بن حرب سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ابوالدرداء قبروں کے درمیان سے گزرے اور فرمایا کہ تمہارے اوپر والے حصے کتنے پرسکون ہیں اور اندرونی حصوں میں کتنی مصیبتیں ہیں۔

ثابت البنانی سے روایت ہے کہ میں قبرستان میں چکر کاٹ رہا تھا اتنے میں پیچھے سے آواز آئی کہ اے ثابت! قبروں کے سکون سے دھوکا نہ کھانا۔ ان میں بہت سے غمزدہ بھی ہیں۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو کسی کو بھی نہیں دیکھا۔

حسن ایک قبرستان سے گزرے اور بولے اس لشکر کی حالت رحم کے قابل ہے۔ یہ کتنے پرسکون ہیں جبکہ ان میں بہت سے بے چین بھی ہیں۔

عمر بن عبدالعزیز علیہ الرحمۃ کی وصیت

عمر بن عبدالعزیز علیہ الرحمۃ نے مسلمۃ بن عبدالملک سے سوال کیا کہ تمہارے والد کو کس نے دفن کیا تھا؟ کہنے لگا میرے فلاں غلام نے پوچھا کہ ولید کو کس نے دفن کیا تھا؟ کہنے لگا میرے فلاں غلام نے۔ عمرؓ نے فرمایا کہ مجھ سے کہا گیا ہے کہ جب تمہارے باپ کو اور ولید کو دفن کیا گیا اور ان کے کفن کی گرہ کھولی گئی تو ان کے منہ پیچھے کو ہٹے ہوئے تھے۔ مسلمۃ میرے مرنے کے بعد میرے منہ کو دیکھنا۔ کہیں ان کی طرح میرا منہ تو نہیں بنا یا اس سے مجھے عافیت دی گئی۔ مسلمہ کہتے ہیں قبر میں رکھ کر میں نے عمر کا منہ دیکھا تو پہلے کی طرح اپنی جگہ پر تھا۔

ایک بچی کا واقعہ

کچھ بزرگ فرماتے ہیں کہ میری بچی فوت ہو گئی۔ میں نے اسے قبر میں اتارا۔ پھر میں قبر کی اینٹ

ٹھیک کرنے لگا تو اسے قبلہ سے ہٹا ہوا پایا اس سے مجھے سخت دکھ ہوا۔ ایک دن میں نے اسے خواب میں دیکھا وہ کہہ رہی ہے کہا! جان آپ نے مجھے قبلہ سے ہٹا ہوا دیکھ کر بہت دکھ کیا۔ اکثر میرے آس پاس والے قبلہ سے ہٹے ہوئے ہیں اس کا مطلب یہ تھا کہ جو برے گناہوں پر جمے ہوئے فوت ہوئے ان کے ساتھ یہی معاملہ رہتا ہے۔

عمر بن عبدالعزیز علیہ الرحمۃ کا آنکھوں دیکھا واقعہ

عمر بن عبدالعزیز علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ولید بن عبدالملک کو قبر میں داخل کرنے والا میں بھی تھا۔ میں نے دیکھا ان کے گھٹنے گردن سے لگ گئے تھے۔ ان کا بیٹا کہنے لگا: رب کعبہ کی قسم میرے والد اچھی حالت میں ہیں۔ میں نے کہا رب کعبہ کی قسم تمہارے والد پر دنیا ہی میں اچھی حالت گزر گئی۔ پھر عمرؒ نے اس واقعہ سے نصیحت حاصل کی جب عمر بن عبدالعزیزؒ نے یزید کو عراق کا حاکم بنایا تو یہ نصیحت کی کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا میں نے جب ولید کو قبر میں رکھا تو میں نے انہیں کفن میں پاؤں ہلاتے دیکھا تھا۔

ذوالصفاح کی قبر کا واقعہ

عبدالحمید بن محمود سے روایت ہے کہ میں ابن عباسؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں ان کے پاس کچھ لوگوں نے آ کر کہا کہ ہم حج کو جا رہے تھے راستہ میں ہمارا ایک ساتھی ذوالصفاح فوت ہو گیا۔ خیر ہم نے اس کی تجہیز و تکفین کی اور قبر کھودی جب قبر تیار ہو گئی تو ایک سیاہ سانپ نے آ کر تمام قبر گھیر لی۔ پھر وہاں سے ہٹ کر دوسری جگہ قبر کھودی گئی پھر بھی اسے سانپ نے گھیر لیا۔ پھر تیسری جگہ کھودی گئی تو پھر بھی اس میں سانپ آ کر بیٹھ گیا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: یہ اس کی چوری ہے جس کا وہ مرتکب ہوا کرتا تھا۔ جاؤ اسے کسی قبر میں بھی رکھ دو۔ اللہ کی قسم! اگر تمام زمین بھی کھود ڈالو تو سب جگہ یہی سانپ پاؤ گے۔ آخرکار ہم نے اسے ایک قبر میں دفن کر دیا۔ حج سے واپس آ کر ہم نے اس کا سامان اس کے گھر واپس کر دیا۔ اور اس کی بیوی سے پوچھا کہ تمہارا شوہر کیا کرتا تھا؟ کہنے لگی: اناج فروخت کرتے تھے۔ اور اس میں سے روزانہ اپنے گھر کا خرچہ نکال کر پھر اتنا ہی چوری سے اس میں ملاوٹ کرتے تھے۔

ابو اسحٰق کا واقعہ

ابو اسحٰق سے روایت ہے کہ مجھے ایک میت کو غسل دینے کے لیے بلایا گیا جب میں نے اس کے منہ سے چادر ہٹائی تو ایک موٹا سانپ اس کی گردن پر لپٹا ہوا دیکھا۔ آخر میں اسے غسل کے بغیر چھوڑ کر چلا

گیا۔لوگ کہتے ہیں کہ یہ صحابہ کرامؓ کو گالیاں دیا کرتا تھا۔

ایک بصری گورکن کا واقعہ

بصری گورکن سے روایت ہے کہ میں نے ایک دن ایک قبر کھودی اور اس کے نزدیک ہی سو گیا۔ خواب میں میرے پاس دو عورتیں آئیں۔ایک عورت کہنے لگی: اے اللہ کے بندے! اللہ کے لیے اس عورت کو ہم سے ہٹا لے اور ہمارے پڑوس میں دفن نہ کر۔گھبرا کر میری آنکھ کھل گئی۔اتنے میں اسی قبر کے پاس ایک عورت کا جنازہ لایا گیا۔میں نے اسے اس میں دفن نہیں ہونے دیا اور دوسری قبر بتا دی۔ رات ہوئی تو پھر وہی دو عورتیں خواب میں دکھائی دیں۔ان میں سے ایک کہنے لگی اللہ تمہارا بھلا کرے۔ تم نے ہمیں ایک طویل شر سے بچا دیا میں نے کہا تمہاری طرح یہ عورت بات کیوں نہیں کرتی۔کہنے لگی یہ عورت وصیت کے بغیر فوت ہو گئی تھی۔ایسوں پر لازم ہے کہ قیامت تک بات نہ کریں۔اس قسم کے بے شمار واقعات ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے عذاب وثواب قبر کے سلسلے میں اپنے بندوں کو دکھا دیے ہیں کتاب میں ان کے لیے جگہ نہیں۔اس بارے میں خواب بھی بے شمار ہیں جو کئی بڑی بڑی کتابوں میں نہ آ سکیں گے۔اگر کسی کو مطالعہ کا شوق ہو تو کتاب المنام لابن ابی الدنیا اور کتاب البستان للفقیر دانی وغیرہ کا مطالعہ کر لے۔ان واقعات کو زندیق وملحد اپنی لاعلمی وکم علمی کی وجہ سے جھٹلاتے ہیں۔

عالم برزخ کے واقعات سے زیادہ حیران کن واقعات دنیا میں بھی پائے جاتے ہیں

مثال کے طور پر رحمۃ اللعالمین ﷺ کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام انسانی روپ میں آ کر آپ سے بات چیت کر لیا کرتے تھے اور آپ ان کی باتیں سن لیا کرتے تھے۔جبکہ آپ کے پاس بیٹھے ہوئے صحابہ کرام نہ انہیں دیکھتے تھے اور نہ ان کی باتیں سنتے تھے۔یہی حال تمام انبیائے کرام علیہم السلام کا تھا۔کبھی آپ کے پاس گھنٹی کی آواز کی طرح وحی آتی تھی جسے آپ کے سوا کوئی نہیں سنتا تھا۔اسی طرح جنات ہمارے درمیان بلند آواز سے بات چیت کرتے ہیں اور ہم ان کی باتیں نہیں سنتے۔کبھی فرشتے کافروں پر کوڑے برساتے تھے۔اور ان پر چیختے تھے۔جبکہ مسلمان ان کے ساتھ ہوتے تھے جو انہیں نہیں دیکھتے تھے اور نہ ان کی باتیں سنتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے انسان سے بہت سے دنیوی حوادث چھپا رکھے ہیں۔حضرت جبرئیل امین رحمۃ اللعالمین ﷺ کو قرآن پڑھاتے تھے۔جبکہ اسے حاضرین نہیں سنتے

تھے۔ بہر حال جسے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہے اور اس کی ہمہ گیر قدرت پر یقین ہے وہ ایسے حوادث کا کس طرح انکار کرسکتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت و رحمت کی بنا پر اپنی کچھ مخلوق کی آنکھوں سے چھپا رکھا ہے کیونکہ ان میں ان کے دیکھنے اور سننے کی طاقت نہیں۔ انسان کی بینائی اور شنوائی عذاب و ثواب قبر کے دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتی۔ بہت سے لوگ جن کو اللہ یہ واقعات مشاہدہ کرا دیتا ہے چیخ مار کر بے ہوش ہو جاتے اور مر جاتے ہیں۔ اور اگر زندہ بھی رہتے ہیں تو زیادہ دن تک زندہ نہیں رہتے اور کچھ تو دل کے پردے اٹھتے ہی مر جاتے ہیں۔ اسلئے عقل کا یہ تقاضا نہیں کہ اگر ان واقعات میں حکمت خداوندی نے پردے لٹکا دیئے ہیں تو ان کا انکار کیا جائے۔ پھر یہ پردے جب اٹھا دیئے جائیں گے تو تمام باتیں آنکھوں سے دیکھ لی جائیں گی۔ اس کے علاوہ جب انسان اس پر قادر ہے کہ مردے کی آنکھ اور سینے سے پارہ اور رائی اٹھا کر فوراً ہی تیزی سے اسے اپنے اپنے مقام پر رکھ دے۔ تو فرشتہ تو اولیٰ درجے قادر ہوگا اور اللہ کی قدرت تو سب کو گھیرے میں لیے ہوئے ہے وہ اس بات پر قادر ہے کہ وہ پارہ اور رائی مردے کی آنکھوں اور سینہ پر باقی رکھے اور گرنے نہ دے۔

برزخ کے واقعات کا قیاس مشاہدات پر کرنا غلطی ہے

برزخ کے واقعات کا قیاس مشاہدات پر کرنا صرف جہالت و گمراہی رحمۃ اللعالمین ﷺ کی تکذیب اور اللہ کی ہمہ گیر قدرت کا انکار انتہائی ظلم ہے۔ جب انسان اس بات پر قادر ہے کہ قبر کھلی یا تنگ بنا کر اسے لوگوں سے چھپائے اور جس پر چاہے ظاہر کرے تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کا تو ٹھکانا ہی نہیں ہو سکتا۔ کہ ایک قبر بظاہر دو ڈھائی ہاتھ دکھائی دیتی ہو حالانکہ انتہائی وسیع خوشبودار اور روشن ہو یا بہت زیادہ تنگ بدبودار اور اندھیری ہو۔ یہ وسعت تنگی روشنی و تاریکی آباد و اجاڑ اور باغ و بہار دنیا کے لحاظ سے نہیں ہے۔

انسان دنیا میں دنیوی چیزوں ہی کا مشاہدہ کرسکتا ہے

اللہ تعالیٰ نے دنیا میں انسان کو وہی دکھایا ہے جو دنیا میں ہے اور اسی سے ہے لیکن آخرت کے واقعات پر پردہ ڈال رکھا ہے تاکہ ایمان و اقرار انسان کے لیے خوش بختی کا سبب بن جائے۔ پھر جب یہ پردہ اٹھا دیا جائے گا تو انسان خود بخود تمام باتوں کا مشاہدہ کرے گا۔

فرشتے پڑی ہوئی لاش سے بھی سوال کر سکتے ہیں

اگر جنازہ پڑا ہوا بھی ہو تو یہ بات مشکل نہیں کہ فرشتے آ کر اس سے سوال کریں اور انہیں کوئی نہ دیکھے اور وہ انہیں جواب دے اور کوئی اس کی بات نہ سنے۔ اور فرشتے اس مردے کو ماریں مگر کسی کو شعور نہ ہو۔ دیکھیں دو آدمی ایک بستر پر لیٹے ہوئے ہیں ایک سو جاتا ہے اور ایک بیدار رہتا ہے۔ سونے والا خواب میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اسے مارا بھی جاتا ہے اور اسے درد بھی محسوس ہوتا ہے لیکن جاگنے والا اس کی تمام باتوں سے بے خبر ہے جبکہ چوٹ و تکلیف کا اثر روح سے جسم میں بھی سرایت کر گیا ہے کتنی بڑی لاعلمی کی بات ہے کہ قبروں اور پتھروں کو چیر کر فرشتوں کا جانا عقل سے دور سمجھا جائے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں ملائکہ کے لیے بالکل ایسی ہی بنائی ہیں جیسے کہ ہوا پرندوں کے لیے ان چیزوں کے ارواح کثیفہ کے لیے پردہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ارواح لطیفہ کے لیے بھی پردے ہوں یہ قیاس غلط ہے۔ انہیں جیسے قیاسوں سے اصولوں کو جھٹلایا جاتا ہے۔

لٹکی، ڈوبی، جلی ہوئی یا اور کسی قسم کی لاش میں روح کا لوٹایا جانا محال نہیں

جمادات تک میں ادراک و شعور

یہ بھی مشکل نہیں کہ لٹکی ہوئی یا ڈوبی ہوئی یا جلی ہوئی یا کسی اور قسم کی لاش میں روح لوٹائی جائے جس کا ہمیں پتہ نہ ہو کیونکہ لوٹائے جانے کی یہ ایک دوسری قسم ہے وہ نہیں جس سے ہم واقف ہیں۔ دیکھیں بے ہوش آدمی سکتے کا مریض اور مبہوت وغیرہ زندہ ہوتے ہیں اور ان کی روحیں ان کے جسموں میں ہوتی ہیں لیکن ہمیں ان کی زندگی کا پتہ نہیں ہوتا۔ جس لاش کے اجزاء جدا جدا ہو کر اور بکھر کر گم ہو گئے ہوں اس کی ذات سے جس کی قدرت ہمہ گیر ہے۔ یہ بعید نہیں کہ وہ ان ذرات سے روح کا ملاپ پیدا کر دے۔ اگرچہ ایک مشرق میں ہو اور ایک مغرب میں اور ان اجزاء میں ایک قسم کے غم و سرور کا شعور پیدا کر دے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے جمادات تک میں ادراک و شعور پیدا کر دیا ہے۔ جس سے وہ اپنے رب کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔ پتھر اس کے خوف سے گر پڑتے ہیں۔ پہاڑ اور درخت اسے سجدہ کرتے ہیں۔ اور سنگریزے نباتات اور پانی کے قطرے اس کی پاکیزگی میں رطب اللسان ہیں جیسا کہ فرمایا:

وان من شئ الا یسبح بحمده الخ کائنات کی ہر شے اللہ کی پاکیزگی حمد کے ساتھ بیان کر رہی ہے لیکن تم ان کی پاکی کو سمجھ نہیں سکتے۔ اگر یہ تسبیح صرف ان کی اپنے خالق پر دلالت ہی ہوتی تو یہ

الفاظ نہیں لائے جاتے کہ تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے۔ کیونکہ ہر عقلمند یہ سمجھتا ہے کہ مخلوق خالق پر دلالت کرتی ہے۔ فرمایا: ہم نے پہاڑ ان کے تابع کردیئے جو صبح وشام پاکی بیان کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ صانع پر دلالت ان دو ہی وقتوں میں خاص نہیں ہے۔ اسی طرح فرمایا: اے پہاڑو! حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ بار بار تسبیح پڑھو اور پرندوں کو بھی یہی حکم دیا۔ ظاہر ہے کہ صانع پر دلالت حضرت داؤد علیہ السلام کی معیت ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

تادیب صدائے بازگشت نہیں

وہ جھوٹا ہے جو یہ کہتا ہے کہ تادیب واپس آنے والی آواز کو کہتے ہیں۔ کیونکہ صدائے بازگشت تو ہر آواز والے کی ہوتی ہے۔ پھر حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ کیا خصوصیت ہے۔ اسی طرح فرمایا: الم تر ان الله يسجد الخ تم دیکھتے نہیں تمام آسمان وزمین والے سورج چاند تارے پہاڑ درخت اور جانور اور بہت سے لوگ اللہ تعالیٰ کو سجدہ کررہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ صانع پر دلالت بہت سے لوگوں کے ساتھ خاص نہیں۔ فرمایا تم دیکھتے نہیں کہ تمام آسمان وزمین والے اور پرندے قطار باندھ کر اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کررہے ہیں۔ ہر ایک کو اپنی نماز اور تسبیح کا پتہ ہے۔ پتہ چلا کہ یہ حقیقت نماز و تسبیح ہے جس کی اصلیت اللہ ہی جانتا ہے اگرچہ اسے بھی نبیوں کی باتیں نہ ماننے والے اور انہیں جھٹلانے والے نہیں مانتے۔ اللہ تعالیٰ نے پتھروں کی طرف سے خبر دی کہ کچھ پتھر اللہ تعالیٰ کے خوف سے اپنی جگہ چھوڑ دیتے ہیں۔ اور گر پڑتے ہیں۔ زمین وآسمان کی طرف سے بتایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام سنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے بات کی انہوں نے اللہ کی بات سنی اور اچھا جواب دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ خوشی سے آؤ یا ناخوشی سے تو انہوں نے جواب دیا ہم خوشی خوشی آنے کو تیار ہیں۔

کھانا بھی تسبیح پڑھتا ہے

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کھانا کھاتے وقت کھانے کی تسبیح سنا کرتے تھے۔ صحابہ کرامؓ نے مسجد میں خشک تنے کا رونا سنا۔ پھر جب ان جسموں میں احساس وشعور ہے تو جن اجسام میں روح ایک عرصے تک رہ چکی ہے ان میں شعور اول درجہ ہونا چاہیے۔

کچھ لوگوں کو مرنے کے بعد زندہ کرکے دکھایا گیا

اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھی ارواح جسم میں مکمل طور پر لوٹا کر اپنے بندوں کو دکھا دیا ہے اور وہ زندہ

ہوکر باتیں کرنے لگے چلنے پھرنے کھانے پینے بھی لگے شادی بیاہ بھی کیے اور اولادیں بھی پیدا ہوئیں۔
فرمایا: ان لوگوں کی طرح جو اپنے گھروں سے نکلے اور ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے کہا مر جاؤ' پھر انہیں زندہ کردیا۔ فرمایا اس کی طرح جو ایک شہر سے گزرا جو اجڑ گیا تھا اس نے حیرانگی سے کہا اس کے اجڑنے کے بعد اللہ تعالیٰ اسے کیسے آباد کرے گا؟ پھر اسے اللہ تعالیٰ نے سو سال تک مردہ رکھا پھر زندہ کردیا اور پوچھا کتنی دیر ٹھہرے؟ کہنے لگے ایک دن یا اس سے بھی کم۔ یا اسرائیلی مقتول کی طرح جسے اللہ تعالیٰ نے زندہ کردیا تھا اور وہ اپنے قاتل کو بتا کر مر گیا تھا یا جیسے وہ جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ ہم آپ پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں آخر اللہ نے انہیں مار دیا اور پھر موت کے بعد زندہ کردیا۔ اسی طرح اصحاب کہف کا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام والے چار پرندوں کا واقعہ ہے پھر جب اللہ نے موت کی ٹھنڈک کے بعد ان میں مکمل زندگی واپس کردی تو ان کی حیران کرنے والی قدرت سے یہ بات کب بعید ہے کہ مرنے کے بعد ان میں ایک قسم کی زندگی پیدا کردے۔ اور ان سے ان کی ذمہ داریوں کے بارے میں پوچھ گچھ کرے۔ جواب طلب فرمائے اور مطابق اعمال انہیں عذاب وثواب پہنچائے۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز. یہ اللہ تعالیٰ پر مشکل نہیں۔

عذاب و ثواب قبر سے مراد عذاب وثواب برزخ ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ومن وراء ھم برزخ الخ اور ان کے بعد قیامت تک برزخ ہے۔ برزخ دنیا اور آخرت کے درمیان ہے۔ اسی کو غالب کے اعتبار سے عذاب وثواب قبر اور باغیچہ جنت یا آگ کا گڑھا کہا جاتا ہے اس لحاظ سے پھانسی پر لٹکے ہوئے جلے ہوئے' ڈوبے ہوئے اور درندوں یا پرندوں کے کھائے ہوئے شخص کو بھی ان کے اعمال کے مطابق عذاب وثواب برزخ ہے۔ اگر عذاب وثواب کے اسباب وکیفیات مختلف اقسام کی ہوں۔ پہلے زمانے میں کسی شخص نے یہ خیال کرلیا تھا کہ اگر اس کی لاش جلا کر اس کی راکھ کچھ سمندر میں بہادی جائے اور کچھ آندھی میں اڑادی جائے تو وہ عذاب سے بچ جائے گا۔ چنانچہ اس نے اپنے بیٹوں کو یہی وصیت کردی اور مرنے کے بعد بیٹوں نے اس کی تعمیل کی۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے سمندر اور خشکی نے اس کے اجزاء جمع کردیے اور اللہ تعالیٰ نے اسے کھڑا ہو جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ اللہ کے سامنے کھڑا ہوگیا۔ پوچھا کہ تو نے یہ حرکت کیوں کی تھی؟ کہنے لگا: اے رب! تو خوب جانتا ہے۔ میں نے تیرے ڈر سے ایسا کیا تھا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے اس پر رحم فرمادیا۔ دیکھیے

ان بکھرے ہوئے اور بظاہر بے نام ونشان ذرات جسم سے بھی برزخ کا عذاب وثواب نہیں ہٹتا۔ اگر کوئی لاش ہوا میں درخت سے لٹکا دی جائے تو اسے بھی اس کے حصے کے مطابق برزخ کا عذاب پہنچ جائے گا۔ اور اگر کوئی نیک شخص آگ کی بھٹی میں دفن کر دیا جائے تو اسے بھی اعمال کے مطابق برزخ کی راحت نصیب ہوگی اللہ تعالیٰ اس پر آگ ٹھنڈی اور سلامتی والی بنا دے گا۔ اور اس پر ہوا آگ اور سخت قسم کی لو بنا دے گا۔ دنیا کے عناصر اپنے خالق کے فرمان بردار ہیں۔ وہ اس کے حکم کے بالکل خلاف نہیں کرتے وہ ان میں اپنی مرضی سے تصرف کرتا ہے۔ اور کوئی یہ بات نہ مانے تو وہ اللہ تعالیٰ کا اور اس کی ربوبیت کا منکر ہے۔

موت پہلی زندگی بعد الموت ہے

اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے دو زندگیاں موت کے بعد مقرر فرمائی ہیں۔ جن میں اچھوں اور بروں کو ان کے اعمال کی جزا وسزا دی جاتی ہے۔ پہلی زندگی موت کے بعد روح کا جسم سے الگ ہونا اور ابتدائی جزا کے گھر کی طرف لوٹنا جانا ہے۔ اور دوسری زندگی موت کے بعد قیامت کے دن پیش آئے گی۔ جبکہ لوگ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنی اپنی قبروں سے اٹھیں گے۔ اور حساب وکتاب کے بعد جنت یا جہنم میں جائیں گے۔ اسی وجہ سے ایک صحیح حدیث میں ہے کہ ایمان میں یہ بھی داخل ہے کہ موت کے بعد کی زندگی پر ایمان لایا جائے۔ کیونکہ پہلی زندگی (موت) کا تو کوئی انکار کر ہی نہیں سکتا۔ اگر چہ بہت سے لوگ اس میں جزا وسزا اور عذاب وثواب کو نہیں مانتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں قیامتوں (موت زندگی بعد الموت) کا بیان سورۂ مومنون' واقعہ' قیامت' مطففین اور فجر وغیرہ میں فرمایا ہے۔ اس کی حکمت وعدالت کا تقاضا ہے کہ وہ اچھوں اور بروں کی جزا کے لیے دو گھر بنائے۔ لیکن پورا پورا بدلہ موت کے بعد والی زندگی کے بعد دار القرار میں ملے گا۔ فرمایا: کل نفس ذائقۃ الموت الخ ہر شخص نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے اور تمہیں پورے پورے بدلے قیامت ہی کے روز ملیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے عدل' اسمائے حسنیٰ اور کمالات مقدسہ کا یہ بھی تقاضا ہے کہ اپنے دوستوں کے جسم اور روحیں آرام سے رکھے اور دشمنوں کے جسموں اور روحوں کو عذاب میں مبتلا فرمائے۔ اس لیے فرمانبرداروں کے اجسام وارواح کو ان کے مطابق نعمتوں اور لذتوں کا ذائقہ چکھایا جاتا ہے اور نافرمانوں کے اجسام وارواح کو ان کے اعمال کے مناسب عذاب وسزا دی جاتی ہے۔ چونکہ دنیا تکلیف وآزمائش کا مکان ہے بدلے کا گھر نہیں ہے۔ اس لیے جزا اس میں ظاہر نہیں ہوتی۔ البتہ برزخ بدلے کا پہلا گھر ہے اس لیے اس میں اس گھر

کے مناسب بدلے کا ظہور ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی حکمت بھی اس گھر میں جزا کے ظاہر کرنے کا تقاضا کرتی ہے۔ لیکن قیامت کے دن جزا کا پورا پورا ظہور ہوگا۔

برزخ کا عذاب وثواب آخرت کا ابتدائی عذاب وثواب ہے

پتہ چلا کہ عذاب وثواب برزخ آخرت کے عذاب کا ابتدائی عذاب وثواب ہے جیسا کہ بہت کی آیتوں اور حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً ایک حدیث میں ہے کہ نیک قبر والے قبر کے لیے جنت کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور اس کے پاس جنت کی آسائشیں اور نعمتیں آنے لگتی ہیں اور گنہگار کے لیے دوزخ کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور اس کی گرمی اور لپٹیں آنے لگتی ہیں۔ یہ یقینی طور پر معلوم ہے کہ روح کی طرح جسم بھی اس میں حصے دار ہے پھر قیامت کے دن دونوں انہیں دروازوں سے اپنے اپنے ٹھکانوں میں چلے جائیں گے۔ یہ دونوں دروازے جن سے برزخ میں میت کی طرف چھپے اثرات جاتے رہتے ہیں۔ زندوں کے احساس اور سمجھ سے پوشیدہ ہیں۔ تاہم بہت سے لوگ محسوس بھی کر لیتے ہیں۔ اگرچہ اسباب سے بے خبر ہوں اور صحیح تعبیر نہ کر سکیں۔

کسی چیز کا وجود اس کے ادراک وتعبیر پر موقوف نہیں ہوتا

خبردار! کسی چیز کا وجود اس کے فہم وتعبیر پر منحصر نہیں ہوتا۔ وجود اور چیز ہے اور ادراک وتعبیر دوسری چیز ہے دنیا میں بھی یہ اثرات پہنچتے ہیں۔ مگر بے پرواہی کے تحت اندھیرے کی وجہ سے لوگ ان کی تعبیر سے عاجز رہتے ہیں۔ مرنے کے بعد یہ اثرات اور تیزی وکمال کے ساتھ پہنچتے ہیں اور موت کی زندگی کے بعد یہ اثرات اپنے پورے شباب پر آجاتے ہیں۔ رب کی حکمت نے تینوں گھروں میں بہترین نظم مقرر فرما دیا ہے۔

آٹھواں حصہ

کیا قرآن میں عذاب قبر کا بیان ہے؟

قرآن حکیم میں عذاب قبر کا بیان

قرآن حکیم میں عذاب قبر کا کیوں بیان نہیں؟ جبکہ اسے جاننے اور اس پر ایمان لانے کی سخت ضرورت ہے تاکہ انسان ڈر کر تقویٰ اختیار کرلے۔ اس کا جواب مختصر اور تفصیل کے ساتھ دونوں طرح دیا جاتا ہے۔

مختصر جواب

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر دو قسم کی وحی نازل کی اور لوگوں پر واجب کر دیا کہ دونوں وحیوں پر ایمان لاکر عمل کرتے رہیں۔ فرمایا: و انزل اللہ علیک الکتاب و الحکمۃ اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب و حکمت اتاری۔ ھو الذی بعث فی الامیین الخ اس نے ان پڑھوں میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا۔ جو انہیں اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے کتاب سے مراد قرآن اور حکمت سے مراد بالاتفاق سنت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے رسولؐ نے جن باتوں کی خبر دی ان پر ایمان و تصدیق ان باتوں کی طرح ہے جن کی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کی زبانی خبر دی یہ مسلمانوں کا ایک مختصر اصول ہے۔ کوئی فرقہ اس کے مخالف نہیں ہے۔ رحمۃ اللعالمین ﷺ نے فرمایا کہ مجھے کتاب کے ساتھ اس کی طرح سنت بھی دی گئی لہذا اگر کوئی مسئلہ قرآن میں نہیں اور حدیث میں ہے تو سمجھو گویا قرآن ہی میں ہے کیونکہ حدیث بھی مثل قرآن ہی کے ہے۔

تفصیلی جواب اور قرآن سے عذاب قبر کا ثبوت

قرآن میں بھی کئی مقام پر عذاب وثواب برزخ کا بیان ہے مثلاً اس آیت میں ولو تری اذا الظالمون الخ کاش آپ دیکھتے جب ظالم موت کی بے ہوشیوں میں ہوں اور فرشتے انہیں ہاتھ پھیلا کر مار رہے ہوں اور ان سے کہہ رہے ہوں کہ اپنی جانیں نکالو۔ آج تمہیں اس وجہ سے رسوائی والا عذاب دیا جا رہا ہے کہ تم اللہ پر بہتان باندھتے تھے اور اس کی نشانیوں کو جھٹلا کرتے تھے یہ باتیں ملائکہ موت کے وقت مرنے والوں سے کہہ رہے ہیں فرشتے سچے ہوتے ہیں۔ اگر یہ عذاب ان سے دنیا میں فوت ہوتے ہی ختم ہو جاتا تو یہ جملہ ((الیوم تجزون۔)) آج تمہیں عذاب دیا جا رہا ہے درست نہ ہوتا۔ فرمایا: فوقاہ اللہ سیات الخ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے فریب کی برائیوں سے بچا لیا۔ اور فرعون والوں کو برے عذاب نے گھیر لیا۔ یہ صبح وشام آگ پر پیش کیے جاتے ہیں اور قیامت کے دن کہا جائے گا کہ اے فرعون والو! سخت ترین عذاب میں داخل ہو جاؤ۔ اس آیت میں وضاحت سے برزخ و آخرت کے عذاب کا بیان ہے فرمایا: فذرھم حتی الخ آپ انہیں چھوڑ دیں۔ جب تک یہ اپنے اس دن کو نہ پالیں جس دن ان پر موت کی بے ہوشی چھا جائے گی' جس دن ان کی تدبیر کام نہ آ سکے گی اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔ بے شک ظالموں کے لیے اس سے ورے بھی سزا ہے لیکن اکثر لوگ علم سے بے خبر ہیں۔ اس میں دو باتیں ہیں کہ یا تو دنیوی عذاب (قتل وغیرہ) مراد ہو یا برزخ والا عذاب لیکن دوسرا احتمال زیادہ واضح ہے۔ کیونکہ بہت سے ظالم مر گئے اور انہیں دنیا میں سزا نہیں دی گئی کچھ نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ زیادہ ظاہر ہے کہ جو مر گیا اسے عالم برزخ میں عذاب ہے اور جو باقی رہ گیا اسے دنیا میں قتل وغیرہ کا عذاب ہے پس یہ دنیوی اور برزخ والے عذاب کی وعید ہے فرمایا: ولنذیقنھم من العذاب الادنی الخ اور ہم انہیں بڑے عذاب کے ورے چھوٹا عذاب بھی چکھائے بغیر نہ رہیں گے تاکہ وہ رجوع کریں۔ اس آیت سے ایک جماعت نے جن میں ابن عباسؓ بھی ہیں۔

عذاب قبر پر استدلال کیا ہے لیکن میرے خیال میں یہ دنیوی عذاب ہے جو انہیں کفر سے واپسی کی دعوت دیتا ہے۔ بظاہر یہ بات قرآن کے ترجمان حضرت ابن عباسؓ سے پوشیدہ نہ ہوگی۔ مگر چونکہ آپ کو فہم قرآن میں خاص ملکہ حاصل تھا اس لیے آپ نے اس سے عذاب قبر سمجھا کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ ان پر دو طرح کے عذاب ہیں۔ بڑا اور چھوٹا اور یہ بھی بتایا کہ کچھ کو چھوٹا عذاب چکھایا جائے گا تاکہ رجوع کریں۔ معلوم ہوا کہ چھوٹے عذاب میں کچھ باقی ہے جو دنیوی عذاب کے بعد ملے گا۔ اسی

وجہ سے من العذاب الادنیٰ کے الفاظ استعمال کیے من تبعیضیہ ہے۔ عذاب ادنیٰ کو براہ راست بغیر من کے مفعول نہیں بنایا جیسے اس حدیث میں ہے لیفتح لہ طاقۃ الی النار فیاتیہ من حرھا و سمومھا پھر اس کے لیے جہنم کا ایک سوراخ کھول دیا جائے گا جس سے اس کی کچھ گرمی اور لپٹیں آئیں گی کیونکہ اس سے جہنم کی کچھ گرمی ولو آئے گی۔ زیادہ تر عذاب تو آخرت کے لیے باقی رہے گا۔ اسی طرح دنیا میں کافروں نے کچھ عذاب کو دیکھنا ہے اور عذاب کا زیادہ تر حصہ آگے کے لیے باقی رہ گیا ہے۔ فرمایا: فلولا اذا بلغت الحلقوم الخ پھر جب جان حلق میں آ کر اٹک جاتی ہے۔ اور تم اس وقت دیکھتے رہ جاتے ہو اور ہم تم سے زیادہ اس سے قریب ہوتے ہیں مگر تم دیکھتے نہیں۔ اگر تمہیں صلہ دیے جانے والا نہیں اور تم اس میں سچے ہو تو جان کو لوٹا کیوں نہیں دیتے۔ پھر یا تو وہ پسندیدہ ہوگا تو اس کے لیے آرام والی روزی اور نعمت والی جنت ہے یا دائیں جانب والوں میں سے ہوگا۔ تو کہا جائے گا کہ اے دائیں جانب والے تیرے لیے سلامتی ہے۔ یا جھٹلانے والوں اور گمراہوں میں سے ہوگا تو اس کی گرم پانی سے جہنم میں داخل کر کے خاطر ہوگی۔ بے شک یہ بالکل سچی اور یقینی بات ہے اس لیے آپ اپنے عظیم رب کی پاکی بیان کرتے ہیں۔ اس آیت میں موت کے وقت روحوں کے احکام کا بیان ہے اور اسی سورت کے شروع میں موت کے بعد زندگی کے احکام کا بیان ہے مگر انہیں انجام ومقصد اور اہمیت کے اعتبار سے ان پر مقدم کیا اور موت کے وقت بھی موت کے بعد زندگی کے وقت کی طرح تین قسمیں بیان کیں۔

فرمایا یا ایتھا النفس المطمئنۃ الخ اے اطمینان والی روح اپنے رب کی طرف راضی خوشی لوٹ جا۔ تیرا رب بھی تجھ سے راضی ہے اور پھر میرے بندوں میں اور میری جنت میں داخل ہو جا۔ اس میں اختلاف ہے کہ کب روح سے یہ خطاب کیا جاتا ہے۔ بظاہر الفاظ آیت سے بھی یہی مطلب سمجھ میں آتا ہے کیونکہ یہ خطاب اس روح سے ہے جو بدن سے علیحدہ ہو گئی اور اس سے نکل آئی ہے۔

نبی کریم ﷺ سے بھی براء والی حدیث میں اس کی تفصیل آئی ہے کہ اس سے کہا جاتا ہے کہ راضی خوشی نکل آ۔ تیرا رب بھی تجھ سے خوش ہے۔ اس مسئلہ پر تفصیل کے ساتھ روشنی "روحیں برزخ میں رکتی ہیں" میں ڈالی جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ فرمایا: میرے بندوں میں داخل ہو جا۔ جیسا کہ رحمۃ اللعالمین ﷺ نے آخری وقت میں فرمایا تھا: اے اللہ! مجھے سب سے اونچے رفیق میں شامل فرما۔ اس کے علاوہ جب تم عذاب وثواب قبر کی حدیثوں میں غور کرو گے تو قرآن حکیم کی تفصیل وتفسیر ہی پاؤ گے مگر مطالعہ اور غور وفکر کی طاعت اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے۔

نواں حصہ

قبر کے عذاب کے کیا اسباب ہیں؟

مختصر جواب

اس سلسلے میں مختصر جواب تو یہ ہے کہ اس کے اسباب لاعلمی' حق ضائع کرنا اور گناہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ محبت و معرفت والوں' فرمانبرداروں کے جسموں اور ارواح پر عذاب نہیں دیتا۔ کیونکہ عذاب قبر و عذاب آخرت اللہ تعالیٰ کے غصے اور ناراضگی کی نشانی ہے۔ اسلئے جس نے دنیا میں اللہ کو غصہ دلایا اور اسے ناراض کیا پھر بغیر توبہ کے مر گیا اس پر اس پر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے مطابق برزخ میں عذاب ہوگا۔ خواہ کم ہو یا زیادہ بے شک وہ برزخ کے عذاب کو مانتا ہو یا نہ مانتا ہو۔

مفصل جواب

اوپر حدیث گزر چکی ہے کہ رحمۃ اللعالمین ﷺ نے دو انسانوں پر قبر میں عذاب ہوتا دیکھا آپ نے عذاب قبر کی یہ دو وجہ بتائیں کہ ایک تو چغل خور تھا اور دوسرا پیشاب سے نہیں بچا کرتا تھا۔ ایک نے تو پاکی کو چھوڑ دیا تھا جو ضروری تھی اور ایک ایسی حرکت کرتا تھا کہ اس کی زبان سے لوگوں میں دشمنی ہو جاتی تھی۔ اگرچہ واقعات سچے ہی بیان کرتا ہو۔

جھوٹ' لوگوں میں عداوت ڈالنا اور ترک نماز عذاب قبر ہے

پتہ چلا کہ جھوٹ و بہتان اور کذب و افتراء سے لوگوں میں دشمنی پیدا کرنے والا سخت ترین عذاب قبر میں مبتلا ہوگا۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جس نے نماز ترک کر دی جس کی شرطوں میں سے ایک شرط پیشاب

سے بچاؤ بھی ہے وہ بھی بہت سخت عذاب قبر میں مبتلا ہوگا۔ شعبہ والی حدیث میں ہے کہ ایک لوگوں کا گوشت کھایا کرتا تھا (یعنی چغل خور تھا) اوپر ابن مسعودؓ والی حدیث گزری کہ ایسا کوڑا مارا جس سے اس کی قبر آگ سے بھر گئی کیونکہ اس نے بغیر وضو کے ایک نماز پڑھ لی تھی۔ اور مظلوم کے پاس سے گزرا تھا تو اس کی مدد نہیں کی تھی۔ بخاری کی سمرۃ والی حدیث میں گزرا ہے کہ اس پر قبر میں عذاب ہو رہا تھا۔ جو جھوٹ بولا کرتا تھا۔ اور دنیا میں اس کا جھوٹ پھیل جایا کرتا تھا۔ اور اس پر بھی جو قرآن کی تلاوت کے باوجود رات کو سو جاتا تھا اور دن میں اس پر عمل نہ کرتا تھا۔ اسی طرح رحمۃ اللعالمین ﷺ نے زانی مردوں اور عورتوں پر اور سود خوروں پر برزخ میں عذاب کا مشاہدہ فرمایا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث میں گزر چکا ہے کہ کچھ لوگوں کے سر پتھر سے کچلے جا رہے تھے کیونکہ ان کے سر نماز سے بھاری ہو جاتے تھے۔ آپ نے دیکھا کہ کچھ لوگ ضریع و زقوم کھاتے تھے کیونکہ وہ زکوٰۃ نہیں دیا کرتے تھے۔ کچھ لوگ بدبودار سڑا ہوا گوشت کھا رہے تھے۔ کیونکہ زانی تھے۔ کچھ لوگوں کے لوہے کی قینچیوں سے ہونٹ کاٹے جا رہے تھے کیونکہ وہ اپنی باتوں اور تقریریوں سے فتنے پیدا کرتے تھے۔ ابو سعید والی حدیث میں مختلف مجرموں کی سزائیں گزر چکیں کہ کچھ کے پیٹ گھڑوں جیسے تھے۔ اور فرعون کے لشکر کی گزرگاہوں پر تھے جو انہیں روندتے ہوئے چلے جا رہے تھے' یہ سود کھاتے تھے' کچھ کے منہ میں انگارے ڈالے جا رہے تھے۔ جو ان کی پیٹھ سے نکل جاتے تھے۔ یہ ظلم سے یتیموں کا مال کھانے والے تھے۔ کچھ عورتوں کی چھاتیاں بندھی ہوئی تھیں اور لٹک رہی تھیں۔ یہ زنا کار عورتیں تھیں۔ کچھ کی کروٹوں سے گوشت کاٹ کاٹ کر انہیں کو کھلایا جا رہا تھا۔ یہ چغل خور تھے۔ کچھ کے تانبے کے ناخن تھے اور ان سے اپنا چہرہ اور سینہ کھرچ رہے تھے۔ یہ لوگوں کی آبرو ریزی کیا کرتے تھے۔ ایک شخص نے غنیمت کے مال میں سے چادر چرائی تھی۔

ناجائز کسی کا مال مار لینا قبر کے عذاب کا سبب ہے

آپ نے بتایا کہ اس پر اس کی قبر میں آگ جل رہی ہے جبکہ اس کا بھی مال غنیمت میں حق تھا۔ پھر جس کا کسی مال میں حق نہ ہو اور ظلم سے کسی کا مال مارے اس پر تو سب سے پہلے عذاب ہوگا۔

قبر کے عذاب کے تفصیلی اسباب

اسلئے عذاب قبر دل' آنکھ' کان' منہ' زبان' پیٹ' شرمگاہ' ہاتھ' پاؤں اور تمام جسم کے گناہوں کی وجہ

سے ہوتا ہے اسلیئے ادھر کی ادھر کرنے والا۔ جھوٹا' چغل خور' جھوٹا گواہ پاک دامنوں پر الزام لگانے والا۔ فتنہ پیدا کرنے والا۔ بدعت کی اشاعت کرنے والا اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر جھوٹ بولنے والا۔ اللہ تعالیٰ کے کلام میں انکل اور رائے سے کام لینے والا۔ سود کھانے والا' ناحق یتیموں کا مال ہڑپ کرنے والا۔ رشوت وغیرہ سے حرام کھانے والا۔ ناجائز مسلمان کا مال کھانے والا' شراب پینے والا' شجر ملعونہ سے نوال توڑنے والا۔ لواطت وزنا کرنے والا۔ چور خیانت کرنے والا' غدار' دھوکہ باز' مکار' سود کے گواہ و کاتب' حلالہ کرنے اور کرانے والا' اللہ تعالیٰ کے فرائض کے ختم کرنے کے لیے حیلے بہانے کرنے والا' حرام کا ارتکاب کرنے والا' مسلمانوں کو تکلیف دینے والا' ان کے عیبوں کے پیچھے لگنے والا غیر شرعی قانون سے فیصلہ کرنے والا' غیر شرعی باتوں کا فتویٰ دینے والا' گناہوں اور زیادتیوں پر مدد کرنے والا' ناجائز قتل کرنے والا حرم میں بے دینی پھیلانے والا' اسماء وصفات کے حقائق معطل کرنے والا اور ان میں کفر سے کام لینے والا اپنی رائے ذوق اور تدبیر کو سنت پر مقدم کرنے والا' نوحہ کرنے والی' نوحہ سننے والے' حرام گانا گانے والے اور انہیں سننے والے' قبروں پر مسجدیں بنانے والے' ان پر قندیلیں اور چراغ جلانے والے' لیتے وقت پورا لینے والے لیکن دیتے وقت کم دینے والے' جبار اور متکبر' ریاکار' آنکھ یا زبان وغیرہ سے نکتہ چینی کرنے والے اسلاف کو برا کہنے والے' کاہن' نجومی' رمال' جفار اور فال وغیرہ کھولنے والوں کے پاس جانے والے اور ان سے پوچھ کر ان کی باتوں کی تصدیق کرنے والے' ظالموں کے مددگار جنہوں نے غیروں کی دنیا کے بدلے اپنی آخرت بیچ ڈالی۔ اللہ سے ڈرانے اور پند وموعظت کے باوجود نہ ڈرنے والے اور گناہوں سے باز نہ رہنے والے لیکن مخلوق سے ڈرائے جائیں تو ڈر جانے والے اور باز آجانے والے وہ لوگ جن کی اگر قرآن وسنت سے رہنمائی کی جائے تو پرواہ نہ کریں۔ اور راستہ پر نہ آئیں لیکن جن سے اچھی عقیدت ہے اگر ان کی کوئی بات بتا دی جائے تو دل وجان سے قبول کر لیں۔ جبکہ انبیاء کے سوا تمام لوگ گناہوں سے پاک نہیں اور سب سے غلطیاں ہوتی ہیں۔ وہ جنہیں قرآن سنایا جائے تو اس سے اثر نہ لیں' بلکہ گھبرانے لگیں۔ لیکن اگر شیطانی قرآن' زنا کا منتر اور نفاق کا مادہ سن لیں تو خوش ہو جائیں حال پر آنے لگیں۔ دل میں بے حد خوشی محسوس کرنے لگیں اور دلی خواہش رکھیں کہ گانے والے یا گانے والیاں خاموش نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی جھوٹی قسم کھانے والے اور غیر اللہ کی جھوٹی قسموں کو کسی حال میں بھی نہ چھوڑنے والے بے شک کتنی ہی سخت سزا کیوں نہ دی جائے۔ گناہوں پر غرور کرنے والے' اور اپنے بھائیوں اور دوستوں میں دل کھول کر بے پروائی سے خوب گناہ کرنے والے' وہ جن سے

لوگوں کی عزتیں اور مال محفوظ نہ ہوں۔ بری زبان اور برے خلق' جن کے غنڈے پن سے ڈر کر لوگ انہیں چھوڑ دیں۔ آخری وقت نماز پڑھنے والے' مرغ کی طرح ٹھونگیں مارنے والے' اور اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کرنے والے' خوشی سے زکوٰۃ نہ دینے والے' طاقت کے باوجود حج نہ کرنے والے' طاقت کے باوجود حقوق نہ ادا کرنے والے' حرام نگاہ سے حرام بات سے اور حرام لقمہ و حرام قدم سے نہ بچنے والے' کمائی میں حرام وحلال کی پہچان نہ کرنے والے' صلہ رحمی نہ کرنے والے' مسکینوں' بیواؤں' یتیموں اور بے زبان جانوروں پر ترس نہ کھانے والے بلکہ یتیموں کو ڈانٹنے والے اور محتاجوں کے کھانے کی ترغیب نہ دلانے والے ریاکاری کے لیے عمل کرنے والے۔ برتنے کی چیزوں کو نہ دینے والے اور اپنے عیب و گناہ چھوڑ کر لوگوں کے عیب و گناہ تلاش کرنے والے جبکہ ہر قسم کے گناہ گار اپنے اپنے گناہوں پر قبر کے عذاب کا شکار ہوں گے اور گناہوں کے ہلکے پن اور سختی سے عذاب قبر بھی سخت یا ہلکا ہوگا۔

اکثر لوگ عذاب قبر کا شکار ہوتے ہیں

چونکہ اکثر لوگ گناہگار ہوتے ہیں۔ اس لیے اکثر مردوں پر عذاب ہوتا ہے۔ عذاب قبر سے بچ جانے والے تھوڑے ہیں۔ آباد دیکھنے میں قبروں پر مٹی ہے لیکن ان کے اندر عذاب وحسرتوں کے ڈھیر ہیں۔ ان پر مٹی یا منقش پتھروں کی عمارتیں ہیں لیکن اندر مصیبتیں وآفتیں ہیں جن میں حسرتیں کھول رہی ہیں۔ جیسے ہانڈیوں میں کھانا کھولتا ہے اور انہیں کھولنا بھی چاہیے۔ انسان کے اور اس کی خواہش وتمناؤں کے درمیان قبروں کے مصائب رکاوٹ ہیں۔ اللہ کی قسم! قبریں ایسا جامع وعظ ہے جس نے کسی واعظ کے لیے کوئی بات نہیں چھوڑی۔

قبروں کی آوازیں

قبروں سے آوازیں آرہی ہیں کہ اے دنیا میں رہنے والو! تم نے ایسا گھر آباد کر رکھا ہے جو بہت جلدی تم سے چھن جائے گا اور اس گھر کو برباد کر رکھا ہے جس میں تم تیزی سے داخل ہونے والے ہو' تم نے ایسے گھر آباد کر رکھے ہیں جن میں دوسرے رہیں گے اور فائدہ اٹھائیں گے اور وہ گھر برباد کر رکھے ہیں جن میں تمہیں ہمیشہ کی زندگی گزارنی ہے' دنیا دوڑ دھوپ کا عمل فراہم کر کے رکھنے کا اور کھیتی کی پیداوار حاصل کرنے کا گھر ہے اور قبر نصیحتوں کا مقام ہے' یہی تو باغ جنت ہے یا جہنم کا خطرناک گڑھا ہے۔

☆☆☆

دسواں حصہ

قبر کے عذاب سے بچنے کے لیے کیا کرنا چاہیے؟

مختصر جواب

ان تمام اسباب سے بچنا جو عذاب قبر کا باعث ہیں۔

ایک بہت فائدہ مند عمل

اس سلسلے میں ایک بہت مفید عمل یہ ہے کہ انسان رات کو سوتے وقت تھوڑی سی دیر اپنے نفس کا حساب لینے بیٹھ جائے اور دن بھر کی کمائی کا حساب لگائے کہ کیا کھویا اور کیا پایا؟ فائدہ ہوا یا نقصان اور سچے دل سے گناہوں پر شرمندہ ہو کر اللہ تعالیٰ سے توبہ کرے اور پختہ ارادہ کرلے کہ اگر صبح تک زندہ رہا تو پھر گناہ نہیں کرے گا اور اسی توبہ پر سو جائے۔ روزانہ رات کو سوتے وقت نئی توبہ کرتا رہے۔ اگر رات میں فوت ہو گیا تو توبہ پر فوت ہوگا۔ اور اگر زندہ رہا تو نیک اعمال کے لیے خوشی خوشی کمربستہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے زندگی کا ایک دن اور دے دیا کہ رب کی ملاقات کے لیے تیاری کرلوں۔ اور جو کچھ زیادتیاں ہوئی ہیں ان کی رو دھو کر تلافی کرلوں۔ اور معافی مانگ لوں۔ انسان کے لیے اس نیند سے بہت فائدہ مند کوئی عمل نہیں۔ خاص کر جب کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو۔ اور ان دعاؤں کو استعمال میں رکھا جائے جو سوتے وقت رحمۃ اللعالمین ﷺ سے ثابت ہیں اور انہی کو پڑھتے پڑھتے نیند آ جائے۔

میں سو جاؤں ذکر خدا کرتے کرتے ترحم کی رب سے دعا کرتے کرتے

وہ بڑا ہی خوش نصیب ہے جسے اللہ تعالیٰ اس عمل کی طاقت عطا فرمائے۔ طاقت و قدرت اسی کی طرف سے ہے۔

تم اگر چاہو تو جوئے شیر بھی مشکل نہیں ورنہ ہے پانی کے اک قطرہ کو لانا بھی محال

مفصل جواب

اس سلسلے میں پہلے رحمۃ للعالمین ﷺ کی احادیث سن لیں:

(۱) فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک دن پہرہ دینا۔ ایک مہینہ کے دن کے روزوں سے اور رات کے قیام سے بہتر ہے۔ اور اگر مر جائے تو جو عمل کرتا تھا ہمیشہ رہے گا۔ روزی کا سلسلہ بھی ختم نہ ہوگا۔ اور فتنوں سے بچ جائے گا۔ (مسلم)

(۲) ہر مرنے والے کے اعمال ختم ہو جاتے ہیں سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں پہرہ دیتے ہوئے مر جائے۔ اس کا عمل قیامت تک جاری رہتا ہے اور وہ قبر کے عذاب سے محفوظ رہتا ہے۔ (ترمذی)

ایک شخص نے سوال کیا' یارسول اللہ ﷺ یہ کیا بات ہے کہ شہداء کے علاوہ تمام مومن قبر میں آزمائے جائیں گے۔ فرمایا: ان کے سروں پر تلوار کی چمک آزمائش سے کافی ہو گئی۔ (نسائی)

اللہ کے نزدیک شہداء کی چھ خصوصیات ہیں:

(۱) خون گرتے ہی اللہ اسے بخش دیتا ہے۔ اور وہ اپنا گھر جنت میں دیکھ لیتا ہے۔

(۲) عذاب قبر سے محفوظ رہتا ہے۔

(۳) بڑی گھبراہٹ سے امن میں رہے گا۔

(۴) اس کے سر پر عزت کا تاج رکھا جائے گا۔ جس کا ایک ایک یاقوت دنیا اور دنیا کے اندر جو کچھ ہے اس سے بہتر ہوگا۔

(۵) ۷۲ موٹی موٹی آنکھوں والی حوروں سے شادی کرے گا اور اپنے ستر رشتہ داروں کی سفارش کرے گا۔ (ترمذی' ابن ماجہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا کانوں سنا واقعہ

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک صحابی نے لاعلمی میں ایک قبر پر خیمہ لگالیا۔ اندر سے سورۂ ملک پڑھنے کی آواز آئی۔ قبر والے نے اول سے آخر تک اس سورت کی تلاوت کی۔ آپ نے رحمۃ للعالمین ﷺ کے پاس آ کر یہ واقعہ بیان کیا۔ فرمایا یہ سورت عذاب قبر روکنے والی اور اس

سے نجات دینے والی ہے۔ (ترمذی)

(۷) حضرت ابن عباسؓ نے ایک شخص سے فرمایا کیا میں تمہیں بطور تحفے کے ایک حدیث نہ سناؤں تم اسے سن کر خوش ہو گے۔ وہ شخص بولا: ضرور سنایئے۔ فرمایا: سورۂ ملک پڑھا کرو۔ اسے تم بھی یاد کرلو اور اپنے بیوی بچوں کو بھی یاد کرا دو۔ اور اپنے گھر والوں اور پڑوس کے بچوں کو بھی یاد کرا دو۔ کیونکہ یہ نجات دینے والی اور جھگڑنے والی ہے۔ یہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والے کے لیے رب سے جھگڑے گی اگر وہ جہنم میں ہوگا تو رب سے درخواست کرے گی کہ آپ اسے جہنم کے عذاب سے بچا دیں۔ اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے عذاب قبر سے بچا کر رکھتا ہے۔ رحمۃ اللعالمین ﷺ نے فرمایا میری کواہش ہے کہ سورۂ ملک میری امت کے ہر فرد کو یاد ہو (عبد بن حمید)

(۸) یہ صحیح حدیث ہے کہ رحمۃ اللعالمین ﷺ نے فرمایا تیں آیات والی سورت (ملک) نے اپنے پڑھنے والے کی اس حد تک سفارش کی کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا۔ (ابن عبدالبر)

(۹) جو پیٹ کے مرض کی وجہ مر جائے گا۔ شہید ہوگا۔ قبر کے عذاب سے بچا لیا جائے گا۔ اور اس کے لیے صبح و شام جنت سے رزق آتا رہے گا۔ (ابن ماجہ)

(۱۰) عبداللہ بن یشکر سے روایت ہے کہ میں سلیمان بن صرد اور خالد بن عرفطہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ لوگوں نے بیان کیا کہ ایک شخص پیٹ کی بیماری کی وجہ سے وفات پا گیا۔ ان دونوں کی خواہش ہوئی کہ اس کے جنازے میں شریک ہوں۔ ایک نے کہا: کیا اللہ کے رسولؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ جو پیٹ کی بیماری کی وجہ سے فوت ہوگا اسے عذاب قبر نہ ہوگا۔ (نسائی)

(۱۱) ابوداؤد طیالسی میں یہ زیادتی ہے کہ ''دوسرے نے کہا: ''کیوں نہیں''۔ (۱۲) جو مسلمان جمعہ کے روز یا جمعہ کی رات کو فوت ہوگا اللہ تعالیٰ اسے قبر کے فتنہ سے بچا لے گا۔ (ترمذی)

لیکن اس کی سند متصل نہیں ہے۔ کیونکہ ربیعہ کا سماع ابن عمرو سے ثابت نہیں۔ ایک روایت میں ربیعہ اور ابن عمرو کے درمیان عیاض بن عقبہ فہری ہیں (ترمذی) حافظ ابونعیم اسے محمد بن منکدر سے اور وہ جابرؓ سے مرفوع روایت کرتے ہیں کہ جو جمعہ کی رات یا دن کو مر جائے گا وہ عذاب قبر سے بچا لیا جائے گا۔ اور وہ شہید ہوگا اور اس پر شہادت کی مہر لگ جائے گی لیکن ان الفاظ میں عمر بن موسیٰ وجیہی مدنی اکیلے ہیں۔ اور وہ کمزور ہیں یہ جو آپ نے فرمایا کہ اس کے سر پر تلوار کی چمک فتنہ قبر سے کافی ہو گئی۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ اس کے سر پر تلوار کی چمک سے اس کے نفاق و ایمان کی آزمائش ہو چکی۔ اسلئے کہ وہ

میدان جنگ سے بھاگا نہیں۔ منافق ہوتا تو سر پر تلوار کی چمک دیکھتے ہی الٹے پاؤں بھاگ جاتا۔ پتہ چلا کہ اس میں ایمان ہے اور ایمان ہی نے اسے اللہ کے لیے اس جانی قربانی پر راضی کیا ہے اور اس کے دل میں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے غصہ اور ہیجان پیدا ہوا۔ تاکہ اس کا دین غالب رہے۔ اور اس کے نام کی عزت ہو۔ پس اس کا ایمان اسے قتل گاہ میں لے آیا اور قبر میں آزمائش کی ضرورت نہیں رہی۔

قرطبی کی رائے اور اس کی تردید

علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ جب شہید سے قبر میں سوال نہیں ہوتا تو صدیق سے بدرجہ اولیٰ نہ ہوگا۔ اس لئے صدیق کا شہید سے بلند مقام ہے اور قرآن میں اس کا ذکر بھی شہیدوں سے پہلے آیا ہے۔ اوپر گزر چکا ہے کہ پہرہ دینے والے سے بھی سوال نہ ہوگا۔ جبکہ اس کا مرتبہ شہید سے کم ہے اور صدیق کا تو شہید سے بھی بلند مرتبہ ہے۔ مگر صحیح حدیثوں سے اس قول کی نفی ہو جاتی ہے اور وہ بتاتی ہیں کہ صدیق سے بھی دوسروں کی طرح سوال ہوگا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جو صدیقین کے سرتاج ہیں رحمۃ اللعالمین ﷺ نے ان کی قبر میں فرشتے کے سوال کے بارے میں خبر دی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: "کیا میں اپنی اس جیسی حالت پر ہوں گا؟" فرمایا: "ہاں"۔

کیا قبر میں انبیاءؑ سے بھی سوال ہوگا؟

اس کے متعلق امام احمدؒ وغیرہ کے نزدیک دو اقوال ہیں:

(۱) انبیاءؑ سے بھی سوال ہوتا ہے۔

(۲) ان سے سوال نہیں ہوتا۔

شہیدوں کی اس خصوصیت سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس حکم میں صدیق بھی ان کے ساتھ شامل ہوں۔ اگرچہ وہ شہیدوں سے بلند رتبے والے ہوں۔ ابن ماجہ کی یہ حدیث کہ جو بیمار ہو کر مر جائے وہ شہید ہوگا اور قبر کے فتنے سے محفوظ رہے گا۔ ابن ماجہ کے افراد میں سے ہے اور ان کے راویوں میں غریب اور منکر راوی بھی پائے جاتے ہیں۔ اس جیسی حدیث میں سکوت ہی بہتر ہے اگر صحیح ہو تو حدیث نمبر ۸ سے مقید ہوگی۔ اگر یہ حدیث صحیح ہو کہ پیٹ کی بیماری سے مرنے والا شہید ہے تو پھر وہ مطلق حدیث سے مقید پر محمول ہوگی۔

ایک مستند حدیث

عذاب قبر سے بچانے کے بارے میں ایک تشنگی بجھانے والی حدیث آئی ہے جسے ابوموسیٰ مدینی اپنی کتاب ترغیب وترہیب میں عذاب قبر کی وضاحت کے لیے لائے ہیں۔ فرج بن فضالہ ہلال ابوجبلۃ وہ سعید بن مسیبؒ سے اور وہ عبدالرحمٰن بن سمرۃ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم مدینے کے ایک چبوترے پر جمع تھے کہ رحمۃ اللعالمین ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور کھڑے ہوکر فرمایا کہ کل رات میں نے ایک عجیب خواب دیکھا۔ میں نے اپنے ایک امتی کو دیکھا کہ ملک الموت اس کی روح قبض کرنے کے لیے اس کے پاس پہنچتے ہیں۔ مگر ماں باپ کی اطاعت آ کر ملک الموت کو اس سے جدا کر دیتی ہے۔ ایک امتی کو دیکھا کہ شیطانوں نے اسے بوکھلاہٹ رکھا ہے لیکن ذکر اللہ آ کر تمام شیطان اس سے بھگا دیتا ہے۔ ایک امتی کو دیکھا کہ اسے عذاب کے فرشتوں نے وحشی بنا رکھا ہے۔ لیکن اس کی نماز آ کر اسے ان کے ہاتھوں سے چھڑا لیتی ہے۔ ایک امتی کو دیکھا پیاس سے بے چین تھا جس حوض کے پاس جاتا ہے دھکے دے دیا جاتا ہے اور بھگا دیا جاتا ہے مگر رمضان کے روزے آ کر اسے خوب سیراب ہوکر پانی پلاتے ہیں میں نے دیکھا اپنے اپنے حلقے باندھ کر انبیاء بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور ایک امتی کو دیکھا کہ وہ جس حلقے میں جاتا ہے لیکن اس کا غسل جنابت اس کا ہاتھ پکڑ کر میرے پاس لا کر بٹھا دیتا ہے۔ ایک امتی کو دیکھا کہ اس کے چاروں طرف اوپر نیچے اندھیرا ہی اندھیرا ہے وہ اس میں حیران و پریشان ہے لیکن اس کا حج اور عمرہ آ کر اسے اندھیرے سے نکال کر روشنی میں پہنچا دیتا ہے ایک امتی کو دیکھا وہ آگ کے شعلوں اور انگاروں سے بچتا جا رہا ہے۔ اتنے میں اس کا صدقہ آ کر اس کے اور آگ کے درمیان کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور اس کے سر پر سایہ بھی کر لیتا ہے۔ ایک امتی کو دیکھا کہ وہ مومنوں سے بات کرنا چاہتا ہے لیکن کوئی اس سے بات نہیں کرتا مگر اس کی صلہ رحمی آ کر کہتی ہے۔ مسلمانو! یہ صلہ رحمی میں پیش پیش رہتا تھا۔ اس سے بولو ایک امتی کو دیکھا کہ اسے جہنم کے فرشتوں نے پریشان کر رکھا ہے لیکن امر بالمعروف اور نہی عن المنکر آ کر اسے ان کے ہاتھوں سے چھڑا لیتا ہے۔ اور رحمت کے فرشتوں میں داخل کر دیتا ہے۔ ایک امتی کو دیکھا کہ دو زانو بیٹھا ہے اور اسکے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان پردہ لٹکا ہے۔ لیکن اس کا حسن خلق آتا ہے اور ہاتھ پکڑ کر اللہ تعالیٰ کے پاس لے جاتا ہے ایک امتی کو دیکھا کہ اس کا اعمال نامہ اس کی بائیں طرف سے جاتا ہے لیکن اس کے پاس خوف الٰہی آ کر اعمال نامہ لے کر دائیں طرف رکھ دیتا ہے۔ ایک امتی کو دیکھا کہ اس کی تول ہلکی ہوگئی ہے لیکن اس کے پاس بچپن میں مر جانے والے

بچے آتے ہیں اور اس کا وزن بھاری کر دیتے ہیں۔ایک امتی کو دیکھا کہ جہنم کے کنارے کھڑا ہے لیکن اس کے پاس اللہ تعالیٰ سے امید آتی ہے اور اسے وہاں سے ہٹا لیتی ہے۔اور وہ چلا جاتا ہے۔ایک امتی کو دیکھا کہ وہ آگ میں گر گیا ہے۔لیکن آنسو کا وہ قطرہ آتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے گرا تھا اور اسے جہنم سے نکال لیتا ہے ایک امتی کو دیکھا کہ پل صراط پر کھڑا ہوا اس طرح کانپ رہا ہے جیسے آندھی میں کھجور کا تنا ہلتا ہے لیکن اس کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن خیال آ کر اس کی کپکپاہٹ کو دور کر دیتا ہے ایک امتی کو دیکھا کہ پل صراط پر گھسٹ رہا ہے۔کبھی گھسٹتا ہے اور کبھی لٹک جاتا ہے لیکن اس کی نماز آ کر اسے اس کے پیروں پر کھڑا کر دیتی ہے اور بچا لیتی ہے اور ایک امتی کو دیکھا کہ جنت کے دروازوں پر پہنچ جاتا ہے۔مگر دروازے بند ہو جاتے ہیں لیکن کلمہ توحید آ کر دروازے کھلوا کر اسے جنت میں داخل کرا دیتا ہے۔حافظ ابو موسیٰ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اعلیٰ درجہ کی حسن ہے۔اسے سعید بن مسیب'' عمر بن ذر اور علی بن زید روایت کرتے ہیں۔

انہی جیسی حدیثوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ انبیاءؑ کے خواب بھی وحی ہیں لہٰذا یہ حدیث اپنے ظاہری مطلب پر ہے۔یہ خواب ان خوابوں کی طرح نہیں جو تعبیر کی رہین منت ہوتی ہیں مثال کے طور پر آپ نے خواب دیکھا جیسے آپ کی تلوار ٹوٹ گئی یہ بھی دیکھا کہ گائے ذبح کی گئی۔اور آپ نے یہ تعبیر لی کہ احد میں مسلمانوں کو شکست ہوگی۔یہ بھی دیکھا کہ آپ عقبہ بن رافع کے گھر ہیں اسی طرح سمرۃ علی اور ابو امامہ والی صحیح مزید روایتوں میں آپ ﷺ کے ایک لمبے خواب کا بیان ہے جس میں برزخ میں عذاب دیئے جانے والوں کی سزاؤں کا ذکر ہے۔جبکہ اس قسم کے خواب تعبیر کے محتاج ہوتے ہیں۔مگر اس خواب میں عذابوں کے ساتھ ان اعمال کا بھی بیان ہے جو صاحب عمل کو عذاب سے چھڑا دیتے ہیں۔ہلال ابو جبلۃ مدنی ہیں اور اسی حدیث سے پہچانے جاتے ہیں۔انہیں ابی حاتم نے اس کے باپ سے ذکر کیا اسی طرح حاکم ابو احمد اور حاکم ابو عبد اللہ نے ابو جبیل کو مسلم سے نقل کر کے بلا حاء کے ذکر کیا ہے۔یہ حدیث ابو جبلۃ سے فرج بن فضالۃ بیان کرتے ہیں۔یہ درمیانے درجہ کے راوی ہیں۔نہ تو مضبوط ہیں اور نہ متروک اور ان سے ابو الخطیب بشر بن الولید فقیہ بیان کرتے ہیں جن کے اچھے خیالات اور اچھی راہ تھی۔میں نے شیخ الاسلام سے اس حدیث کی بڑائی سنی۔آپ نے فرمایا: سنت کے اصول اس کی گواہی دیتے ہیں اور یہ بہترین احادیث میں سے ہے۔

☆☆☆

گیارہواں حصہ

کیا قبر میں مسلمان، منافق اور کافر سب سے سوال ہوتا ہے یا مسلمان و منافق کے ساتھ خاص ہے

علماء کے اقوال

ابن عبدالبر سے روایت ہے کہ قبر میں اہل قبلہ کو آزمایا جاتا ہے بے شک وہ مسلمان ہوں یا منافق۔ پھر اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ثابت قدم رکھتا ہے۔ اور منافق ناکام ہو جاتے ہیں اور کافر و مشرک کو نہیں آزمایا جاتا۔ (کتاب التمہید)

لیکن قرآن و حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سوال قبر کافر و مسلمان دونوں سے ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یثبت اللہ الذین آمنوا الخ اللہ پاک دنیا میں بھی ایمان والوں کو ثابت قدم رکھتا ہے اور آخرت میں بھی۔ اور ظالموں کو گمراہ کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ (آیت عام ہے اور ظالموں میں منافق، کافر سب داخل ہیں)

رحمۃ للعالمین ﷺ نے فرمایا کہ جب انسان کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور جنازے میں شریک ہونے والے واپس ہوتے ہیں تو مردہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

پھر آگے فرماتے ہیں لیکن منافق اور کافر سے پوچھا جاتا ہے کہ تو اس شخص کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ مجھے معلوم نہیں جو لوگ کہتے تھے وہی میں کہتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ تو نے پتہ کرنے کی کوشش نہیں کی اور نہ قرآن پڑھا۔ پھر اس پر لوہے کے ہتھوڑے مارے جاتے ہیں اور وہ چیخیں مارتا

ہے۔ جنھیں اس کے پاس والے سوائے انسان و جن کے سب سنتے ہیں۔ (بخاری میں واما الکافر واؤ کے ساتھ ہے۔ اور احمد اور ابن ماجہ کی ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ والی حدیث گزری کہ ہم رحمۃ اللعالمین ﷺ کے ساتھ ایک جنازے میں تھے۔ آپ نے فرمایا: لوگو! یہ امت اپنی قبروں میں آزمائی جاتی ہے۔ جب انسان کو دفن کر کے لوگ واپس ہوتے ہیں تو فرشتہ ہتھوڑا لیے ہوئے آتا ہے اور اسے بٹھا کر پوچھتا ہے کہ تو اس شخص کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ مومن کہتا ہے:

اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمدا عبده و رسوله.

فرشتہ کہتا ہے تو سچا ہے۔ پھر جہنم کا دروازہ کھول کر کہا جاتا ہے کہ اگر تو کافر ہوتا تو تیری یہ منزل ہوتی اور کافر و منافق کہتا ہے کہ مجھے معلوم نہیں پھر کہا جاتا ہے کہ نہ تو نے معلوم کیا اور نہ راہ پر آیا۔ پھر جنت کا دروازہ کھول کر اس سے کہا جاتا ہے کہ اگر تو مومن ہوتا تو تیری یہ منزل ہوتی۔ پھر دوزخ کا دروازہ کھول کر کہا جاتا ہے کہ اب تیری منزل یہ ہے۔ پھر فرشتہ اسے لوہے کے ہتھوڑے سے مارتا ہے جسے انسان و جن کے علاوہ اللہ کی سب مخلوق سنتی ہے۔ کسی نے سوال کیا یا رسول اللہ ﷺ! ایسا تو کوئی نہیں کہ جس کے سر پر ہتھوڑا لیے فرشتہ کھڑا ہو اور مرعوب نہ ہو۔ آپ ﷺ نے آیت یثبت اللہ الذین الخ پڑھ کر سنادی۔ اور براء والی لمبی حدیث میں ہے کہ جب کافر آخرت میں داخل ہونے والا اور دنیا سے نکلنے والا ہوتا ہے تو اس پر آسمان سے ٹاٹیں لے کر فرشتے اترتے ہیں (اسی حدیث میں آگے ہے) پھر قبر میں اس کی روح جسم میں لوٹا دی جاتی ہے۔

ایک لفظ میں ہے پھر جب کافر ہوتا ہے تو اس کے پاس ملک الموت آ کر اس کے سرہانے بیٹھ جاتے ہیں (آگے فرماتے ہیں) پوچھتے ہیں کہ یہ گندی روح کس کی ہے؟ فرشتے اس کا بدترین نام لے کر جواب دیتے ہیں کہ فلاں کی۔ پھر جب اس کی روح دنیوی آسمان پر لے کر پہنچتے ہیں تو دروازے بند کر دیے جاتے ہیں۔ اور روح آسمان ہی سے پھینک دی جاتی ہے۔ پھر آپؐ نے یہ آیت پڑھی ومن یشرک باللہ الخ مشرک گویا آسمان سے گر گیا۔ اب خواہ اسے پرندے اچک لیں یا کسی دور جگہ ہوا لے جا کر پھینک دے۔ فرمایا پھر جسم میں اس کی روح لوٹا دی جاتی ہے پھر اس کے پاس تخت ڈانٹ والے فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھا کر ڈانٹ کر پوچھتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ یہ کہتا ہے ہائے مجھے معلوم نہیں کہتے ہیں کہ تو نے معلوم ہی کب کیا تھا۔ پوچھتے ہیں اس نبیؐ کی کیا حیثیت ہے جو تم میں بھیجے گئے تھے؟ کہتا ہے کہ میں نے لوگوں سے سنا کہ وہ انہیں نبی کہتے ہیں۔ مجھے معلوم نہیں (کہ وہ نبی تھے یا نہ

تھے) کہتے ہیں کہ تو نے معلوم ہی کب کیا تھا۔ ویضل اللہ الظالمین۔ الخ سے یہی بات ثابت ہوتی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ظالموں کو گمراہ کر دیتا ہے۔ قرآن وحدیث کی اصطلاح میں فاجر میں قطعی طور پر کافر بھی شامل ہے۔ فرمایا: وان الفجار لفی جحیم اور فاجر جہنم میں ہوں گے (خواہ گنہگار مسلمان ہوں یا کافر ومشرک) فرمایا: کلا ان کتاب الفجار لفی سجین۔ ہرگز نہیں یقین مانو فاجروں کے اعمال نامے سجین میں ہوں گے۔ براء والی حدیث کا ایک یہ لفظ بھی ہے کہ جب کافر آخرت میں داخل ہونے والا اور دنیا سے نکلنے والا ہوتا ہے تو اس پر بہت طاقتور اور غصے والے فرشتے آگ کے کپڑے اور تارکول کے پائجامے لیے ہوئے اُترتے ہیں اور اسے خوف زدہ کر دیتے ہیں اور اس کی روح اس طرح کھینچی جاتی ہے جس طرح بہت شاخوں والی سلاخ تر اون سے کھینچی جاتی ہے۔ پھر جب نکال لی جاتی ہے تو اس پر فضا کا ہر فرشتہ لعنت کرتا ہے۔ اور آسمان کا ہر فرشتہ بھی۔ آگے فرماتے ہیں کہ جب لوگ واپس جاتے ہیں تو وہ ان کے قدموں کی آواز سنتا ہے۔ پھر پوچھا جاتا ہے کہ اے شخص تیرا رب کون ہے؟ نبی کون ہیں؟ اور دین کیا ہے؟ یہ جواب دیتا ہے کہ مجھے پتہ نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ تو نے معلوم ہی کب کیا تھا۔ براء والی حدیث کا ایک لفظ یہ ہے کہ ہم رحمۃ اللعالمین ﷺ کے ساتھ ایک انصاری کے جنازے میں شریک تھے۔ آگے فرماتے ہیں جب کافر دنیا سے پیٹھ موڑنے والا اور آخرت کی طرف بڑھنے والا ہوتا ہے اور اس کی موت کا وقت ہوتا ہے تو اس پر فرشتے آگ کا کفن اور آگ کی بدبو لے کر اترتے ہیں۔ (آگے فرماتے ہیں) پھر اس کی روح اس کی قبر کی طرف لوٹا دی جاتی ہے۔ پھر اس کے پاس دانتوں سے مٹی ہٹاتے اور بالوں سے زمین کھودتے ہوئے منکر نکیر آتے ہیں۔ ان کی آواز سخت کڑک کی طرح اور آنکھیں اچکنے والی بجلی کی طرح ہوتی ہیں۔ یہ اسے بٹھا کر پوچھتے ہیں اے شخص تیرا رب کون ہے؟ یہ جواب دیتا ہے کہ مجھے پتہ نہیں۔ قبر کے ایک کونے سے آواز آتی ہے۔ تو نے معلوم ہی کب کیا تھا۔ پھر فرشتے اسے اس قدر بھاری لوہے کے ہتھوڑے سے مارتے ہیں کہ اگر اسے ساری دنیا بھی مل کر اٹھانا چاہے تو نہ اٹھا سکے۔ اور اس کی قبر اس قدر تنگ ہو جاتی ہے کہ پسلیوں میں سے پسلیاں نکل جاتی ہیں۔

ایک حدیث شریف میں ہے کہ جب کافر مردہ دفنایا جاتا ہے تو اس کے پاس منکر نکیر آتے ہیں اور اسے بٹھا کر پوچھتے ہیں تیرا رب کون ہے؟ یہ کہتا ہے کہ مجھے معلوم نہیں۔ فرشتے کہتے ہیں کہ تو نے معلوم ہی کب کیا تھا۔ براء والی حدیث میں عام بیان کرنے والے یقین کے ساتھ کافر ہی کا لفظ لائے ہیں۔

ہاں بعض فاجر اور بعض منافق و مرتاب بھی لائے ہیں۔ یہ لفظ راوی نے بطور شک استعمال کیا کہ مجھے معلوم نہیں منافق کہا یا مرتاب کہا۔ لیکن کافر و فاجر کا لفظ لانے والوں کو شک نہیں۔ اسلئے ان کی روایت جو یقین سے بیان کرتے ہیں اور بہت بھی ہیں۔ شک کرنے والوں کی روایت سے جب کہ وہ منفرد بھی ہیں' زیادہ قابل قبول ہے اس کے علاوہ روایتوں میں تضاد بھی نہیں ہے۔ کیونکہ کافر و مومن کی طرح منافق سے بھی سوال ہوتا ہے۔ پھر اللہ اہل ایمان کو ثابت قدم رکھتا ہے اور ظالموں' کافر و منافق کو گمراہ کر دیتا ہے۔ ایک حدیث میں کافر و منافق دونوں کو جمع بھی کر دیا ہے جس میں وضاحت ہے کہ سوال کافر و منافق دونوں سے ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ ابن عبدالبر کا یہ کہنا کہ کافر سے سوال نہیں ہوتا درست نہیں ہے۔ اس سے بھی سوال ہوتا ہے بلکہ اس سے تو سب سے پہلے سوال ہونا چاہیے۔

قرآن حکیم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کافروں سے سوال کرے گا۔ فرمایا: ویوم ینادیھم الخ اور جس دن اللہ تعالیٰ ان سے پکار کر پوچھے گا کہ تم نے پیغمبروں کی دعوت پر عمل کیا؟ فرمایا: فوربک لنسالنھم الخ آپ کے رب کی قسم ہم ان سب سے ان کے عمل پوچھے بغیر نہ رہیں گے۔ فرمایا: فلنسالن الذین ارسل الخ ہم ان سے بھی ضرور سوال کریں گے جن کی طرف رسول بھیجے گئے تھے اور رسولوں سے بھی۔ پھر جب کافروں سے قیامت کے دن سوال ہوگا تو قبر میں بھی پہلے درجہ ہونا چاہیے۔

☆☆☆

بارہواں حصہ

کیا منکر نکیر کے سوالات اسی امت کے ساتھ خاص ہیں؟

مفصل جواب

کیا منکر نکیر کے سوالات اسی امت کے ساتھ خاص ہیں یا تمام امتوں سے وابستہ ہیں؟ یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ کچھ کے نزدیک سوالات اسی امت کے ساتھ خاص ہیں۔ کیونکہ پہلی قومیں اگر رسولوں کا انکار کرتی تھیں تو رسول ان سے علیحدہ ہو جاتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ عذاب بھیج کر انہیں ہلاک کر دیتا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی کو رحمۃ للعالمینؐ بنا کر بھیجا اور نہ ماننے والوں سے عذاب روک لیا اور مسلمانوں کے ہاتھوں میں تلواریں دے دیں تاکہ ان کے ڈر سے لوگ اللہ تعالیٰ کے دین میں داخل ہوں پھر رفتہ رفتہ ان کے دلوں میں ایمان جڑیں مضبوط کر لے۔

اسی طرح انہیں مہلت دی گئی جس سے نفاق پیدا ہوا۔ کہ منافق دلوں سے کافر رہتے تھے اور بظاہر ایمان لاتے تھے۔ زندگی میں تو ان کی اندرونی حالت پر پردہ پڑا رہتا تھا لیکن موت کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کی پول کھولنے کے لیے منکر نکیر مسلط کر دیئے تاکہ سوالات کر کے ان کے دلی حالات معلوم کریں۔ اور اللہ تعالیٰ اچھوں کو بروں سے علیحدہ کر دے۔ لیکن قرطبی وغیرہ کے نزدیک تمام امتوں کے افراد سے سوال ہوتا ہے۔ ابن عبدالبر نے سکوت کیا ہے اور کہا ہے کہ زید بن ثابتؓ والی حدیث میں ہے کہ یہ امت قبروں میں آزمائی جاتی ہے۔ اور کچھ روایتوں میں ہے کہ اسی سے سوال ہوتا ہے ان الفاظ سے احتمال ہوتا ہے کہ یہی امت خاص ہو۔ لیکن اس بارے میں کوئی یقینی رائے قائم نہیں کی جا سکتی اس امت کی خصوصیت کا دعویٰ کرنے والوں نے زید والی حدیث سے استدلال کیا ہے۔ اور ان الفاظ سے بھی کہ

مجھ پر وحی کی گئی ہے کہ تم اپنی قبروں میں آزمائے جاتے ہو۔

اس کے علاوہ ملائکہ کا یہ قول بھی کہ تو اس شخص کے سلسلے میں جو تم میں بھیجا گیا تھا کیا کہتا ہے؟ مومن جواب دیتا ہے کہ میں اقرار کرتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اسی خصوصیت کی طرف اشارہ کرتا ہے کیونکہ مردے نے جواب میں اپنا نبی اللہ تعالیٰ کے آخری رسولؐ کو بتایا ہے۔ اسی طرح آپ نے فرمایا: میرے بارے میں تمہارا امتحان لیا جائے گا اور تم سے سوال کیا جائے گا۔ یہ بھی خصوصیت کی دلیل ہے۔ خصوصیت نہ ماننے والوں نے یہ جواب دیا ہے کہ تمام باتیں اسی امت کی خصوصیت پر دلالت نہیں کرتیں کیونکہ اس امت سے یا تو بنی نوع انسان کی امت مراد ہے جیسے اس آیت میں ہے: وما من دابۃ فی الارض ولا طائر الخ زمین پر چلنے والے اور فضا میں ہر اڑنے والے جانوروں کی بھی تمہاری طرح امتیں ہیں۔ ہر جاندار کی جنس کو امت کہا جاتا ہے۔ حدیث میں ہے اگر کتوں کی اور امتوں کی طرح ایک امت نہ ہوتی تو میں قتل کر دینے کا حکم دے دیتا ایک حدیث میں ہے کہ ایک نبی علیہ السلام کے ایک چیونٹی نے کاٹ کھایا۔ پھر آپ کے حکم سے چیونٹیوں کا سارا چھتہ جلا دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ تم نے ایک چیونٹی کے کاٹ کھانے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی ایک امت جلوا ڈالی جو اللہ کی پاکی بیان کیا کرتی تھی۔ یا امت محمد یہ مراد ہے۔ اس صورت میں بھی دوسری امتوں سے نفی لازم نہیں آتی۔ بلکہ ان کا ذکر اس وجہ سے ہے کہ انہیں سوال قبر کی خبر دی جا رہی ہے اور یہ بھی کہ یہ پچھلی امتوں کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ اس امت میں بھی اس کا وجود ہے کیونکہ یہ امت تمام امتوں میں افضل و اشرف ہے اسی پر دوسرے دلائل کا قیاس کر لیجئے۔ رہی یہ بات کہ مردہ جواب میں رحمۃ اللعالمین ﷺ ہی کو بتاتا ہے غلط ہے۔ کیونکہ ہر امت کا مردہ اپنے اپنے نبی کو بتائے گا۔ حدیث کے الفاظ میں کسی نبی کا نام نہیں بلکہ یہ الفاظ ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ جب آخرت میں پوچھ گچھ اور دلیل قائم کرنے کے بعد ہر امت پر عذاب ہوگا تو برزخ میں بدرجہ اولیٰ ہونا چاہیے یہی صحیح جواب ہے۔

☆☆☆

تیرہواں حصہ

کیا قبر میں بچوں کا بھی امتحان ہوتا ہے؟

مفصل جواب

بعض کے نزدیک ہوتا ہے اور بعض کے نزدیک نہیں۔ اصحاب احمد کے دونوں قول ہیں جو امتحان کے قائل ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ بچوں پر نماز جنازہ مسنون اور ان کے لیے بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں بھی عذاب قبر و فتنہ قبر سے بچا کر رکھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رحمۃ اللعالمین ﷺ نے ایک بچے کے جنازہ پر نماز پڑھی اور انہوں نے آپ سے یہ دعا سنی۔ اے اللہ اسے عذاب قبر سے بچا (موطا امام مالک) ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس سے ایک چھوٹے بچے کا جنازہ گزرا رونے لگیں۔ سوال کیا گیا کہ آپ کیوں روتی ہیں؟ فرمایا: یہ بچہ ہے قبر سے دبوچنے سے مجھے اس پر ترس آ گیا۔ اور آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ معصوم بچے کی نماز پڑھتے تو کہتے اے اللہ! اسے عذاب قبر سے محفوظ کر دے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ قبر میں اللہ تعالیٰ ان کی عقلیں مکمل فرما دیتا ہے تاکہ اپنی اسلامی یا غیر اسلامی حیثیت پہچان لیں۔ اور حسب طاقت ان کے دلوں میں جواب ڈال دیا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ بہت سی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا آخرت میں بھی امتحان ہوگا تو قبروں کے امتحان میں کون سا استحالہ ہے وہ تو سب سے پہلے ہونا چاہیے اور جو امتحان کے منکر ہیں وہ کہتے ہیں کہ سوال اس سے ہوتا ہے جو رسول ؐ کو اور شریعت کو سمجھتا ہوتا کہ معلوم ہو جائے کہ اس نے رسولؐ پر ایمان لا کر ان کی اطاعت کی یا نہیں کی۔ لیکن بچے کو تو کسی صورت سے پہچان ہی نہیں بھلا اس سے کیسے پوچھا جا سکتا ہے کہ تو ان کے بارے میں کیا کہتا

ہے جو تم میں بھیجے گئے تھے۔ اگر قبر میں اس کی عقل بھی مکمل کر دی جائے تو پھر بھی اس سے ان باتوں کا سوال عقل کے خلاف ہے جن کی علم و معرفت پر وہ قادر نہ ہو سکا تھا۔ اور اس سوال سے کچھ فائدہ بھی نہیں رہا آخرت کے امتحان پر قیاس کرنا سو وہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ اس وقت تو اللہ تعالیٰ ان کے پاس رسول بھیجے گا اور انہیں آپ کی پیروی کا حکم فرمائے گا۔ اور ان کی عقلیں بھی مکمل ہوں گی پھر اطاعت کرنے والا نجات پا جائے گا اور نافرمانی کرنے والا جہنم میں پہنچ جائے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث میں عذاب قبر کی پیروی نہ کرنے یا غلطی پر سزا مراد نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کو بغیر گناہ کے سزا نہیں دیتا۔ بلکہ کبھی عذاب قبر سے وہ دکھ مراد ہوتا ہے جو کسی کو کسی دوسری وجہ سے پہنچ رہا ہو۔ رحمۃ اللعالمین ﷺ نے فرمایا گھر والوں کے رونے کی وجہ سے میت پر عذاب ہوتا ہے مطلب ہے کہ اسے دکھ پہنچتا ہے۔ وہ بات نہیں کہ بے چارہ زندہ لوگوں کے گناہ میں پکڑا جاتا ہے۔ قرآن حکیم میں ہے کہ کسی کا بوجھ کوئی نہیں اٹھائے گا۔ اسی مطلب میں رحمۃ اللعالمین ﷺ نے فرمایا کہ سفر دکھ کے عذاب کا ایک ٹکڑا ہے' معلوم ہوا کہ عذاب عام ہے اور عقوبت سزا خاص ہے۔ بے شک قبر میں وہ وہ دکھ حسرتیں اور پریشانیاں ہیں جن سے بچے بھی متاثر ہوتے ہیں۔ اور انہیں بھی دکھ پہنچتا ہے۔ اس لیے نمازی کے لیے سنت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ یہ بچہ اس عذاب سے محفوظ رہے۔

☆☆☆

چودھواں حصہ

کیا عذاب قبر مستقل ہے یا وقتی ہے؟

مستقل عذاب قبر

عذاب قبر مستقل بھی ہے اور وقتی بھی۔ مستقل عذاب قبر سے وہ عذاب مراد ہے جو مرنے کے بعد سے لے کر پہلے صور کے پھونکے جانے تک قائم رہتا ہے۔ کیونکہ بعض احادیث میں آیا ہے کہ دونوں صوروں کے درمیانی وقفہ میں عذاب کی کمی ہو جائے گی۔ پھر قبروں سے نکلیں گے تو کہیں گے ہائے ہمارے لیے خرابی ہے۔ کس نے ہمیں ہماری خواب گاہ سے اٹھا دیا۔ ہمیشگی عذاب کی یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: النار یعرضون علیھا غدوا و عشیا کہ وہ صبح وشام آگ پر پیش کیے جاتے ہیں۔ خواب والی حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا: کہ ایسا ان کے ساتھ قیامت تک ہوتا رہے گا۔ (بخاری)

قبر پر تر شاخ گاڑی جانے والی حدیث میں ہے کہ شاید خشک ہونے تک عذاب کم ہو جائے۔ اس حدیث میں کمی رطوبت سے مقید ہے کہ رطوبت جاتی رہے گی تو پھر عذاب زور پکڑ جائے گا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ہے پھر آپ ایسے لوگوں کے پاس آئے جن کے سر پتھروں سے کچلے جا رہے تھے اور کچلتے ہی ٹھیک ہو جاتے تھے۔ ان پر مسلسل یہی عذاب ہو رہا تھا۔ ایک صحیح حدیث میں اس شخص کا واقعہ ہے جو دو چادریں اوڑھ کر اکڑ کر چلنے لگتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اسے زمین میں دھنسا دیتا ہے۔ اب وہ زمین میں قیامت تک دھنستا چلا جائے گا۔ براء والی حدیث میں کافر کے بارے میں ہے۔ پھر اس کے لیے جہنم کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور وہ جہنم میں اپنا ٹھکانا دیکھ لیتا ہے۔ حتیٰ کہ قیامت آ جائے۔ اسی حدیث کی ایک سند میں یہ الفاظ ہیں۔ پھر اس کے لیے جہنم کا ایک سوراخ کھول دیا جاتا ہے اس سے اس کے پاس اس کی گرمی اور دھواں قیامت تک آتا

رہے گا۔

وقتی عذاب قبر

دوسری قسم کا عذاب قبر وقتی ہے جو ہلکے گناہ والوں پر ان کے گناہوں کے مطابق ایک مقررہ مدت تک ہوتا ہے پھر ختم ہو جاتا ہے جیسا کہ گناہگاروں کو ایک خاص وقت تک جہنم میں عذاب ہوگا۔ پھر عذاب ختم ہو جائے گا۔ اس قسم کا عذاب قبر دعا سے یا صدقہ سے یا معافی مانگنے سے یا قرآن کی تلاوت سے جو کسی رشتہ دار کی طرف سے میت کو پہنچتی ہے ختم ہو جاتا ہے جیسے دنیا میں کسی کو کچھ سزا دی جاتی ہے پھر کوئی سفارش کر کے اسے چھڑا لیتا ہے۔ دنیوی شفاعت میں اجازت حاصل کرنے کی ضرورت نہیں۔

شفیع اللہ کی اجازت ہی سے کھڑا ہوگا

لیکن اللہ تعالیٰ کے آگے کوئی سفارش کے لیے نہیں بڑھ سکتا۔ جب تک اللہ تعالیٰ خود ہی اسے اجازت نہ دے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی پر رحم کرنا چاہتا ہے تو وہ سفارش کرنے والا کھڑا کر دیتا ہے پس قیامت کے دن اسی قسم کی شفاعت ہوگی۔ اور جو لوگوں نے طرح طرح کی شفاعتیں بنا رکھی ہیں۔ سب غلط و شرک ہیں۔ فرمایا: من ذا الذی یشفع الخ کون ہے جو بغیر اجازت کے اللہ تعالیٰ سے سفارش کرے گا۔ ولا یشفعون الا لمن ارتضی الخ اسی کی سفارش کریں گے جس سے اللہ راضی ہوگا۔ ما من شفیع الا من بعد اذنہ ہر سفارش کرنے والا اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بعد ہی کھڑا ہوگا۔ ولا تنفع الشفاعۃ عندہ الخ اللہ کے نزدیک شفاعت اسی کو فائدہ پہنچائے گی جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہوگی۔ قل للہ الشفاعۃ الخ آپ فرما دیں کہ شفاعت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے آسمان وزمین میں اسی کی بادشاہت ہے۔

ایک شخص ایک مدنی کو خواب میں دیکھتا ہے

عبداللہ بن نافع سے روایت ہے کہ ایک مدنی فوت ہوا۔ پھر اسے ایک شخص نے خواب میں دیکھا جیسے وہ جہنمی ہے۔ یہ دیکھ کر دکھ ہوا۔ پھر کچھ دنوں کے بعد اسے خواب میں دیکھا تو جنتی معلوم ہوا۔ پوچھا کیا تم نے یہ نہیں کہا تھا کہ میں جہنمی ہوں؟ کہنے لگا معاملہ تو ایسا ہی تھا۔ لیکن ہمارے پاس ایک نیک شخص بھی مدفون ہے اس کی چالیس پڑوسیوں کے حق میں سفارش قبول کر لی گئی ان میں سے ایک میں بھی ہوں۔

دعاؤں کے اثرات

احمد بن یحییٰ سے روایت ہے کہ ہمارے ایک دوست کا بیان ہے کہ میرے بھائی فوت ہو گئے میں نے انہیں خواب میں دیکھا' سوال کیا قبر میں جانے کے بعد کیا حال رہا؟ فرمایا: آنے والا میری طرف آگ کا انگارہ لے کر بڑھا اگر دعا کرنے والا میرے حق میں دعا نہ کرتا تو وہ انگارہ مجھے مار دیتا۔

(ابن ابی الدنیا)

عمرو بن جریر سے روایت ہے کہ جب کوئی شخص اپنے مردہ بھائی کے لیے دعا مانگتا ہے تو اس کی دعا کو ایک فرشتہ قبر میں لے کر جاتا ہے اور کہتا ہے کہ اے قبر والے غریب الوطن لے تیرے مہربان بھائی کی طرف سے یہ ہدیہ ہے۔

رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھنا

بشار بن غالب سے روایت ہے کہ میں رابعہ بصریؒ کے لیے کثرت سے دعائیں مانگا کرتا تھا۔ ایک دن میں نے انہیں خواب میں دیکھا۔ کہنے لگی: تمہارے ہدیے نورانی طباق میں رکھ کر اور ان پر ریشمی رومال ڈھانپ کر میرے پاس لائے جاتے ہیں۔ میں نے پوچھا کس طرح؟ کہنے لگی جب زندہ مومن مردوں کے لیے دعائیں کرتے ہیں اور ان کی دعائیں قبول ہوتی ہیں تو وہ دعائیں نورانی طبق میں لگا کر ان پر ریشمی رومال ڈھانپ کر جس کے لیے دعائیں مانگی تھیں۔ اس کے پاس لائی جاتی ہیں۔ اور کہا جاتا ہے کہ یہ آپ کے پاس فلاں نے ہدیہ بھیجا ہے۔

ابو عبید بن بحیر سے روایت ہے کہ ہمارے ایک ساتھی کا بیان ہے کہ میں نے اپنے بھائی کو خواب میں دیکھا اور سوال کیا زندہ لوگوں کی دعائیں تم تک پہنچتی ہیں؟ کہنے لگا: "ہاں" اللہ کی قسم! ریشمی لباس و نورانی شکلوں میں آتی ہیں پھر مردہ سے پہن لیتا ہے۔ (ابن ابی الدنیا) اس سلسلے میں مزید وضاحت "کیا زندوں کے ہدیوں سے مردوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔" میں ان شاء اللہ آ رہی ہے۔

☆☆☆

پندرھواں حصہ

موت کے بعد قیامت تک ارواح کے ٹھہرنے کی جگہ

سوال

موت کے بعد قیامت کے درمیانی وقفہ میں روحیں کہاں ٹھہرتی ہیں؟ کیا آسمان میں رہتی ہیں یا زمین میں؟ کیا جنت میں ہیں یا نہیں' کیا انہیں کوئی نیا جسم دے دیا جاتا ہے جس میں انہیں ثواب وعذاب ہوتا ہے یا مجرد ہی رہتی ہیں؟ یہ ایک اہم مسئلہ ہے اور اس میں لوگوں کو بہت بڑا اختلاف ہے۔

جواب

حقیقت میں اس قسم کے مسائل نقل پر موقوف ہیں۔

(۱) کچھ کے نزدیک مومن کی ارواح اللہ تعالیٰ کے پاس جنت میں رہتی ہیں خواہ شہید ہوں یا نہ ہوں۔ بشرطیکہ کوئی کبیرہ گناہ یا قرض حائل نہ ہو۔ ان سے ان کا رب عفو و رحم سے پیش آتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے یہی اقوال ہیں۔

(۲) بعض کے نزدیک حدود جنت میں اور جنت کے دروازوں پر رہتی ہیں۔ اور انہیں جنت کی ٹھنڈی ہوائیں' اس کی نعمتیں اور روزیاں پہنچتی رہتی ہیں۔ (۳) اکثر کے نزدیک ارواح کی جماعت اپنی اپنی قبروں کے صحنوں میں رہتی ہیں۔ (۴) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ مجھے پتہ چلا ہے کہ روحیں آزاد ہیں جہاں چاہتی ہیں آتی جاتی ہیں۔ (۵) امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کافروں کی روحیں جہنم اور مومنوں کی جنت میں رہتی ہیں۔

(۶) ابن مندہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کی ایک جماعت کے نزدیک مومنوں کی

روحیں اللہ تعالیٰ کے پاس رہتی ہیں۔ انہوں نے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں فرمایا۔

(۷) اسی طرح صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کی دوسری جماعت کے نزدیک مومنوں کی روحیں جابیہ میں اور کافروں کی روحیں برھوت (حضر موت کے ایک کنویں) میں رہتی ہیں۔

(۸) صفوان بن عمرو سے روایت ہے کہ میں نے ابوالیمان عامر بن عبداللہؓ سے سوال کیا: کیا مومنوں کی روحیں اکٹھی ہوتی ہیں؟ فرمایا وہ زمین جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے ذکر کے بعد زبور میں لکھ دیا ہے کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے وہ زمین ہے جہاں قیامت تک مومنوں کی روحیں جمع رہتی ہیں دوسرے لوگوں نے کہا یہ وہ زمین ہے جس کا وارث اللہ دنیا میں مومنوں کو بنائے گا۔ (۹) کعب سے روایت ہے کہ مومنوں کی روحیں علیین میں ساتویں آسمان میں رہتی ہیں۔ اور کافروں کی روحیں ساتویں زمین میں سجین میں ابلیس کے لشکر کے نیچے رہتی ہیں۔ (۱۰) کچھ کے نزدیک مومنوں کی روحیں زمزم اور کافروں کی برھوت میں رہتی ہیں۔ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مومنوں کی روحیں زمین و آسمان کے درمیان رہتی ہیں۔ اور جہاں چاہتی ہیں آتی جاتی ہیں۔ اور کافروں کی سجین میں رہتی ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ مومنوں کی روحیں زمین میں جہاں چاہتی ہیں آتی جاتی ہیں۔ (۱۲) کچھ کے نزدیک مومنوں کی روحیں حضرت آدم علیہ السلام کے دائیں طرف اور کافروں کی روحیں ان کے بائیں طرف رہتی ہیں۔

ابن حزم کی رائے

(۱۳) ابن حزم کی رائے میں جہاں روحیں اجسام پیدا ہونے سے پہلے تھیں وہی ان کی قرارگاہ ہے۔ یہی قرآن وحدیث سے ثابت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: واذ اخذ ربک من بنی آدم الخ اور جب آپ کے رب نے اولاد آدم کی پیٹھ سے ان کی اولاد نکالی اور ان سے انہی کے متعلق اقرار کرایا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں: ہوں تو سب نے جواب دیا کیوں نہیں ہم سب گواہ ہیں تاکہ تم سب قیامت کے دن یہ نہ کہنے لگو کہ ہم کو تو اس کی کچھ بھی خبر نہ تھی۔ فرمایا: ولقد خلقنا کم ثم صورنا کم الخ ہم نے تمہیں پیدا کیا' پھر تمہاری صورتیں بنائیں پھر فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ہی دفعہ تمام روحیں پیدا کیں۔ اسی طرح اللہ کے رسول نے بتایا کہ روحیں جمع کیا ہوا لشکر ہیں جن میں تعارف ہو جاتا ہے۔ ان میں دنیا میں محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ ورنہ اجنبیت ہی رہتی ہے۔

اللہ نے روحوں سے اپنی ربوبیت کا وعدہ لے لیا ہے اور انہیں گواہ بنالیا ہے روحیں مخلوق ومصور اور عقل والی تھیں قبل اس کے کہ ملائکہ کو آدم کو سجدہ کرنے کا حکم ملا اور پہلے اس کے روحیں جسموں میں داخل ہوں اس وقت اجسام مٹی اور پانی تھے پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں جہاں چاہا ٹھہرادیا۔ اور وہ برزخ ہے جس کی طرف موت کے وقت لوٹ کر جاتی ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کی ایک دوسرے کے بعد جماعتیں منی سے پیدا ہونے والے اجسام میں بھیجتا رہتا ہے۔ (ابن حزم آگے فرماتے ہیں) پتہ چلا کہ ارواح اجسام ہیں جن میں ایک دوسرے کو پہچاننے کی صلاحیت ہے۔ بعض میں تعارف ہوتا ہے اور بعض میں اجنبیت رہتی ہے۔ ان میں تعارف پایا جاتا ہے اور پہچان کی قوت بھی پھر اللہ انہیں جس طرح چاہتا ہے دنیا میں آزماتا ہے پھر ماردیتا ہے اور وہ برزخ کی طرف لوٹ جاتی ہیں۔ اسی برزخ میں رحمۃ اللعالمین ﷺ نے معراج کی شب پہلے آسمان پر دیکھا کہ خوش بختوں کی روحیں حضرت آدم علیہ السلام کے دائیں طرف تھیں۔ اور بدبختوں کی بائیں طرف یہ مقام عناصر کے ختم ہونے کے بعد سے شروع ہوتا ہے۔ مگر انبیاء اور شہداء کی روحیں جنت میں ہیں۔ ابن راہویہ کا بھی یہی قول ہے اور اسی پر اہل علم کا اتفاق ہے۔ یہی تمام مسلمانوں کا قول ہے اور قرآن حکیم بھی یہی کہتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: **فاصحاب المیمنۃ الخ** پھر دائیں والے کیا ہیں دائیں والے اور بائیں والے کیا ہیں بائیں والے اور سبقت کرنے والے ہیں۔ وہی قریبی ہیں۔ اور نعمت والی جنتوں میں ہیں۔ ایک جماعت پہلوں میں سے ہے اور تھوڑے سے لوگ پچھلوں میں سے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **فاما ان کان من المقربین** پھر اگر وہ مقرب لوگوں میں سے ہے تو ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا ہے اور روزی ہے اور نعمت والی جنت ہے۔ پس روحیں مستقل طور پر وہاں رہتی ہیں۔ یہاں تک کہ صور سے پھونکی جانے والی روحوں کی تعداد پوری ہوجائے اور قیامت قائم ہوجائے پھر اللہ تعالیٰ انہیں ان کے جسموں میں پھونک دے گا یہی دوسری زندگی ہے جس میں مخلوق سے حساب لیا جائے گا۔ اور ہر ایک کو اس کا ٹھکانہ ہمیشہ کے لیے جنت یا جہنم میں مل جائے گا۔

(۱۴) ابن عبدالبر سے روایت ہے کہ شہداء کی روحیں جنت اور عام مومنوں کی روحیں اپنی اپنی قبروں کے صحن میں رہتی ہیں۔ ہم ان کے بیان کا خلاصہ اور دلائل بیان کریں گے اور تبصرہ بھی کریں گے ان شاء اللہ۔

(۱۵) مجاہد سے روایت ہے کہ روحیں جنت میں تو نہیں ہیں مگر اس کے پھل کھاتی ہیں اور اس کی خوشبو سے لطف اندوز ہوتی ہیں۔ (۱۶) ابن شہاب سے روحوں کے بارے میں سوال کیا گیا۔ فرمایا: مجھے

پتہ چلا ہے کہ شہیدوں کی روحیں سبز پرندوں کی طرح عرش سے لٹکی ہوئی ہیں۔ صبح وشام جنت کے باغوں میں آتی جاتی ہیں۔ اور روزانہ رب کے پاس جا کر سلام کرآتی ہیں۔

ابن عبدالبر نے ابن عمرؓ والی حدیث کی شرح میں فرمایا کہ مرنے کے بعد مردے پر صبح وشام اس کا ٹھکانا پیش کیا جاتا ہے۔ اگر جنتی ہے تو جنت اور اگر جہنمی ہے تو جہنم اور اس سے کہا جاتا ہے کہ قیامت آنے کے بعد یہ تمہارا ٹھکانا ہے۔ اس سے ان لوگوں نے ثبوت پیش کیا ہے جو کہتے ہیں کہ روحیں قبروں کے صحنوں میں رہتی ہیں۔ اور یہی صحیح ترین قول ہے۔ کیونکہ صحیح احادیث سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ میرے نزدیک اس کا یہ مطلب ہے کہ کبھی قبروں کے صحنوں میں بھی ہوتی ہیں یہ نہیں کہ وہیں رہتی ہیں اور وہاں سے کبھی ہٹتی ہی نہیں۔ چنانچہ امام مالکؒ نے فرمایا ہمیں پتہ چلا ہے کہ روحیں جہاں چاہتی ہیں چلتی پھرتی ہیں۔

روحیں ابتدائی سات دن قبر کے صحن میں رہتی ہیں

مجاہد سے ایک اور روایت بھی ہے کہ روحیں مرنے کے بعد ابتدائی سات دن قبروں کے صحنوں میں رہتی ہیں۔ اور وہاں سے جاتی نہیں۔ (۱۷) ایک فرقہ کا خیال ہے کہ روحیں جسم کی طرح معدوم ہو جاتی ہیں۔ یہ لوگ روح کو حیات وادراک کی طرح جسم کے عوارض میں سے مانتے ہیں۔ لیکن یہ قول قرآن و سنت اور اجماع کے مخالف ہے ایک جماعت کہتی ہے کہ روحیں اپنے مناسب اخلاق وصفات والی روحوں کے اجسام میں رہتی ہیں۔ یہ لوگ تناسخ کے قائل ہیں۔ اور موت کے بعد زندگی کو نہیں مانتے۔ یہ قول تمام اہل اسلام کے اقوال سے جدا ہے اور غلط ہے۔ روحوں کے متعلق یہ تمام خیالات ہیں جو میں نے اس رسالہ میں جمع کر دیئے ہیں اور کسی اور کتاب میں نہیں ملیں گے۔ اب ہم ان اقوال پر تبصرہ اور مفصل روشنی ڈالتے ہیں اور قرآن وحدیث کی روشنی میں صحیح بات بتاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری رہنمائی فرمائے آمین۔

جنت میں ارواح کے قیام کے دلائل

جو اس بات کے قائل ہیں کہ روحیں جنت میں رہتی ہیں۔ ان کے مندرجہ ذیل دلائل ہیں:

(۱) فاما ان کان من المقربین الخ پھر اگر وہ مقرب حضرات میں سے ہیں تو ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا ہے اور روزی ہے اور نعمت والی جنت ہے۔ روح کی یہ حالت موت کے وقت جسم سے نکلنے کے بعد بتائی گئی ہے۔

پہلی دلیل کی وضاحت

اور روحوں کی تین قسمیں بتائی گئی ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) مقرب روحیں

ان کے بارے میں بتایا گیا کہ یہ نعمت والی جنت میں ہیں۔ دائیں طرف والی روحیں ان پر سلامتی کا حکم لگایا جو عذاب سے محفوظ رہنے کو بھی شامل ہے۔

(۲) جھٹلانے والی گمراہ روحیں

ان کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ ان کی کھولتے ہوئے پانی اور دخول جہنم سے تواضع کی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ احکام روحوں پر جسموں کے جدا ہونے کے بعد لاحق ہوتے ہیں۔ اسی صورت کے شروع میں روحوں کے قیامت کے دن والے حالات بتائے گئے ہیں۔ مطلب یہ کہ اول سورت میں بڑی قیامت کے بعد والے حالات ہیں اور آخر سورت میں چھوٹی قیامت کے بعد والے حالات ہیں۔

(۲) یا ایتھا النفس المطمئنۃ الخ اے مطمئن روح اپنے رب کی طرف راضی خوشی لوٹ۔ رب بھی تجھ سے راضی ہے اور میرے بندوں میں شامل ہو کر میری جنت میں داخل ہو جا۔

دوسری دلیل کی وضاحت

اس آیت میں اکثر صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کے اقوال ہیں کہ روحوں سے یہ خطاب موت کے وقت کیا جاتا ہے جب کہ وہ دنیا سے رخصت ہوتی ہیں۔ اس وقت فرشتے انہیں جنت کی خوشخبری دیتے ہیں۔ جنہوں نے یہ خطاب آخرت کا خطاب بتایا ہے ان کا قول بھی اس کے مخالف نہیں کیونکہ بشارت موت کے وقت بھی دی جاتی ہے۔ اور قبروں سے نکلتے وقت بھی۔ اور آخرت میں بھی دی جائے گی۔ یہ وہی بشارت ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان الذین قالوا ربنا اللہ الخ جنہوں نے اللہ کے رب ہونے کا اقرار کر لیا پھر اس پر ڈٹے بھی رہے تو ان پر فرشتے اترتے ہیں اور کہتے ہیں ڈرو نہیں اور نہ صدمہ کرو۔ اور اس جنت سے خوش ہو جاؤ جس کا تم سے وعدہ تھا۔ یہ بشارت موت کے وقت، قبر میں اور موت کے بعد زندگی کے وقت دی جاتی ہے۔ اور ابتدائی بشارت موت کے وقت ہی دی جاتی ہے۔

(۳) براء بن عازب والی حدیث میں گزر چکا ہے کہ فرشتہ روح قبض کرتے وقت اس سے کہتا ہے کہ جنت کی ٹھنڈی ہوا اور روزی سے خوش ہو جا۔

(۴) رحمۃ اللعالمین ﷺ نے فرمایا مومن کی روح ایک پرندہ ہے جو جنت کے درختوں میں سے کھاتی چگتی ہے جب تک کہ اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن اس کے جسم میں نہ لوٹا دے۔ (موطا امام مالکؒ) یہاں نسمۃ سے مراد روح ہے۔ جس پر اسی حدیث کے یہ الفاظ حتی یرجعه الله الی جسده دلالت کر رہے ہیں بعض کے نزدیک نسمۃ انسان کا ہم معنی لفظ ہے۔ روح کو نسمۃ اس لیے کہا جاتا ہے کہ انسان کی جسمانی زندگی روح پر موقوف ہے۔ اس کی دلیل کہ نسمۃ انسان ہے۔ رحمت عالم ﷺ کی یہ حدیث ہے: من اعتق نسمة مومنة جس نے کسی مسلمان انسان کو آزاد کیا۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی و الذی فلق الحبة و برا النسمة اس کی قسم جس نے دانہ اگایا اور انسان پیدا کیا اور شاعر کا قول بھی ہے

اذا النسمات نفضن الغبارا

''یعنی جب انسان مٹی جھاڑتے ہوئے قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے۔''

خلیل کے نزدیک نسمۃ انسان کو بھی کہتے ہیں اور روح کو بھی اور نسیم ہوا کے چلنے کو۔ تعلق یہ لفظ لام کے زبر اور پیش دونوں طرح سے منقول ہے۔ مگر مطلب ایک ہی ہیں۔ یعنی کھانا اور چرنا یعنی روح جنت کے درختوں سے پھل کاتی ہے اور جنت میں چگتی پھرتی ہے۔ علوقہ اور علوق کھانا اور چرنا محاورہ ہے۔ ماذاق اليوم علوقا یعنی آج اس نے کھانا نہیں کھایا۔ میں کہتا ہوں اسی سے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول ہے: انما یا کلن العلقة من الطعام یعنی اس وقت عورتوں کو تھوڑا سا کھانا ملتا تھا۔ یہ لفظ تعلق سے نکلا ہے۔ یعنی وہ جو غذا سے نفس و دل کو متعلق کردے۔

مومن کی روحیں جنت میں رہتی ہیں

اس حدیث کی وجہ سے اکثر علماء فرماتے ہیں کہ مومنوں کی روحیں جنت میں رہتی ہیں۔ خواہ شہید ہوں یا نہ ہوں۔ بشرطیکہ کوئی بڑا گناہ یا قرض انہیں جنت سے نہ روکے۔ اور اللہ تعالیٰ ان سے اپنی مہربانی اور معافی سے پیش آتا ہے۔ (۵) ابن عمرو اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ مومنوں کی روحیں علیین اور کافروں کی سجین میں رہتی ہیں۔ ابو عمرو فرماتے ہیں کہ لیکن اس قول سے حدیث ٹکراتی ہے کہ مرنے کے بعد مردے پر اس کا جنتی یا جہنمی ٹھکانا صبح شام پیش کیا جاتا ہے۔ اور قیامت تک پیش کیا جاتا ہے۔

اور قیامت تک پیش کیا جاتا رہے گا۔ کچھ علماء کے نزدیک حدیث کا یہ مطلب ہے کہ عام مومنوں کی نہیں بلکہ شہیدوں کی روحیں جنت میں رہتی ہیں۔ جیسا کہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے چنانچہ قرآن حکیم میں ہے ولا تحسبن الذین قتلوا الخ یعنی جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارے گئے انہیں مردہ نہ سمجھنا بلکہ زندہ ہیں اور انہیں ان کے رب کے پاس سے روزی ملتی ہے اور اللہ کے عطا کردہ فضل سے خوش ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ شہید صبح و شام جنت میں آتے جاتے ہیں اور عرش سے لٹکی ہوئی قندیلوں میں ان کا ٹھکانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے کہ میں نے تمہیں جو عزت دے رکھی ہے کیا تمہارے خیال میں اس سے بڑھ کر کوئی عزت ہے؟ کہتے ہیں نہیں۔ ہاں ہماری یہ خواہش ہے کہ ہماری روحیں ہمارے جسموں میں لوٹا دی جائیں تاکہ ہم پھر تیری راہ میں شہید ہوں۔ (۲) جب (احد کے دن) تمہارے بھائی شہید ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی روحیں سبز پرندوں کے پیٹوں میں رکھیں وہ جنت کی نہروں پر آتی ہیں اور جنت کے پھل کھاتی ہیں اور عرش کے سائے میں لٹکی ہوئی قندیلوں میں بسیرا کرتی ہیں جب انہوں نے اپنا اچھا کھانا پینا اور رہائش گاہ دیکھی تو خواہش کی کہ ہمارے بھائیوں کو بھی خبر ہو جائے کہ ہم جنت میں زندہ ہیں اور کھاتے پیتے ہیں تاکہ وہ جہاد سے نہ رکتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تمہارا پیغام میں پہنچائے دیتا ہوں۔ چنانچہ یہ آیت ولا تحسبن الذین الخ اتاری۔ (احمد و ابوداؤد)

(۳) حضرت ابن مسعودؓ سے اسی آیت کے بارے میں سوال کیا گیا۔ فرمایا: ہم نے بھی اس کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: ان کی روحیں سبز پرندوں کے پیٹوں میں ہیں اور جنت میں جہاں چاہتی ہیں چگتی پھرتی ہیں۔ پھر قندیلوں میں بسیرا کرتی ہیں۔ ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ نے انہیں جھانک کر دیکھا اور پوچھا کچھ خواہش ہے؟ بولیں جنت میں سب کچھ ملا ہے اور کیا خواہش ہو۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے بار بار یہی سوال کیا جب انہوں نے دیکھا کہ جواب دیئے بغیر کوئی چارہ نہیں تو بولیں یا رب! ہم چاہتی ہیں کہ ہمیں پھر جسموں میں لوٹا دیا جائے۔ تاکہ پھر تیری راہ میں شہید ہوں۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے دیکھا کہ ان کی کوئی خواہش نہیں تو چھوڑ دیا۔ (مسلم)

ام حارثہ بن سراقہ نے رحمۃ اللعالمین ﷺ سے آ کر کہا: اے اللہ کے نبی آپ مجھے حارثہ (جو بدر کے دن نامعلوم تیر سے شہید ہو گئے تھے) کے بارے میں بتایئے۔ اگر وہ جنت میں ہیں تو میں صبر کروں گی ورنہ جہاں تک ممکن ہوگا روؤں گی۔ فرمایا: اے ام حارثہ کئی جنتیں ہیں اور تمہارا بیٹا جنت الفردوس میں ہے جو سب سے اعلیٰ ہے۔ (۴) ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ شہیدوں کی روحیں سبز پرندوں

کے پیٹوں میں حرکت کرتی ہیں اور جنت کے پھل کھاتی پیتی ہیں۔(۵) قتادہؓ کا بیان ہے کہ ہمیں پتہ چلا ہے کہ شہیدوں کی روحیں سفید پرندوں کی شکلوں میں ہیں اور جنت کے پھل کھاتی ہیں۔(۶) ابن عمرو کا بیان ہے کہ شہیدوں کی روحیں چڑیا سے کچھ بڑے پرندوں میں ہیں جن میں باہمی جان پہچان بھی ہے اور جنت کے پھل کھاتی ہیں۔ ابوعمرو کہتے ہیں کہ ان تمام آثار سے ثابت ہوتا ہے کہ شہید عام مومنوں کی طرح نہیں ہیں اور ان کا مقام جنت ہے۔ پھر کسی اثر میں تو پرندوں کی شکلیں آئی ہیں کسی میں پرندوں کے پیٹ آئے ہیں۔ اور کسی میں سبز پرندے آئے ہیں۔ میرے خیال میں اس کا قول زیادہ مناسب ہے جس نے پرندوں کی شکلیں بتائی ہیں کیونکہ یہ ہمارے درج بالا کعب والی روایت کے مطابق ہے جس میں ہے کہ مومن کی روح مثل پرندے کے ہے۔ اس روایت میں یہ نہیں ہے کہ مومن کی روح پرندے کے پیٹ میں ہے۔

کچھ روایتوں میں عبداللہ سے کطیرا خضر (سبز پرندے کی طرح) آیا ہے مگر صحیح مسلم میں فی اجواف طیر خضر سبز پرندوں کے پیٹوں میں آیا ہے۔ اس صورت میں گویا رحمۃ اللعالمین ﷺ نے یہ فرمایا کہ شہید مومن کی روح ایک پرندہ ہے جو جنت کے پھل کھاتا ہے میرے خیال میں اس قول میں اور اس قول میں کہ مرنے کے بعد مردے پر صبح و شام اس کا ٹھکانا پیش کیا جاتا ہے کوئی ٹکراؤ نہیں۔ یہ پیشی بھی مومن و شہید دونوں کو شامل ہے اور جنت میں رہنا سہنا بھی دونوں کو شامل ہے۔ کیونکہ شہید کی جنتی منزل جو خاص اسی کے لیے تیار کی گئی ہے اس میں تو وہ قیامت کے دن داخل ہوگا۔ کیونکہ شہیدوں کے محل وہ قندیلیں نہیں ہیں جن میں برزخ میں ان کی روحیں رہتی ہیں۔ پس عام مومنوں کی طرح شہید بھی ان قندیلوں سے اپنے جنتی ٹھکانے روزانہ صبح و شام دیکھتے رہتے ہیں۔ کیونکہ اصل گھر تو قیامت کے دن ملیں گے۔ برزخ میں نہیں۔ اس کی نظیر بد بخت ہیں کہ ان پر صبح و شام جہنم پیش کی جاتی ہے پھر قیامت کے دن یہ اس میں داخل ہو جائیں گے جو برزخ میں پیش کی جاتی رہی۔ معلوم ہوا کہ جنت میں عالم برزخ میں روحوں کا آرام و سکون اور ہے اور قیامت کے دن جسموں کے ساتھ جنت میں اپنے گھروں میں جانا اور ہے۔ برزخ میں روح کو جو جنتی غذا ملتی ہے وہ اس غذا سے کم ہے جو موت کے بعد زندگی میں اس جنت میں جسموں کے ساتھ ملے گی۔ اسی وجہ سے فرمایا تعلق فی شجر الجنۃ یعنی تھوڑی سی غذا ملتی ہے پورا پورا آرام و چین اور راحت و سرور قیامت کے دن جسموں کے ساتھ نصیب ہوگا معلوم ہوا کہ ان دونوں حدیثوں میں ٹکراؤ نہیں۔ بلکہ موافقت ہے جو یہ کہتے ہیں کہ کعب والی حدیث خاص شہداء کے

بارے میں ہے غلط ہے کیونکہ لفظوں سے تو خصوصیت نکلتی نہیں۔ یعنی عام لفظ کو اس کے کم سے کم افراد پر محمول کرنا الفاظ حدیث سے ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ شہداء مومنوں کی نسبت کے بہت ہی کم ہیں۔ رحمۃ اللعالمین ﷺ نے تو یہ جزا صفت ایمان کی شرط سے وابستہ فرمائی ہے۔ صفت شہادت سے نہیں۔ دیکھتے نہیں جو حکم شہدا کے ساتھ خاص ہے اسے صفۃ شہادت پر متعلق کیا گیا ہے۔ مثلاً مقدام بن معدیکرب والی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک شہید کی چھ عادتیں ہیں۔ خون کے پہلے قطرے پر اسے بخش دیا جاتا ہے اسے اس کا جنتی ٹھکانا دکھا دیا جاتا ہے۔ اس پر ایمان کا زیور سجا دیا جاتا ہے اسے عذاب قبر سے پناہ دے دی جاتی ہے وہ بڑی گھبراہٹ سے محفوظ ہو جاتا ہے اس کے سر پر وقار کا تاج رکھ دیا جاتا ہے جس کا ایک ایک یاقوت دنیا اور جو دنیا کے اندر ہے سے بہتر ہوتا ہے۔ اس کا بہتر (۷۲) موٹی موٹی آنکھوں والی حوروں سے نکاح پڑھا دیا جاتا ہے اور اس کے ستر رشتہ داروں کے بارے میں اس کی شفاعت مان لی جاتی ہے۔ چونکہ یہ شہید کی خصوصیات ہیں اسی لیے فرمایا: ان للشہید یہ نہیں فرمایا ان للمومن اسی طرح قیس الجذامی والی حدیث میں ہے کہ شہید کو چھ خصلتیں دی گئی ہیں۔ اسی طرح تمام وہ حدیثیں اور آیتیں ہیں جن میں جزا شہادت پر متعلق رکھی گئی ہے۔ لیکن وہ آیتیں یا حدیثیں جن میں جزا ایمان پر معلق کی گئی ہے تمام مومنوں کو شامل ہیں۔ خواہ وہ شہید ہوں یا غیر شہید۔ رہے وہ آثار ونصوص جو شہداء کے رزق میں اور جنت میں ان کی روحوں کے رہنے کے بارے میں آتے ہیں سب صحیح ہیں۔ لیکن ان سے جنت میں مومنوں کی روحوں کے رہنے کے بارے میں آتے ہیں سب صحیح ہیں۔ مگر ان سے جنت میں مومنوں کی روحوں کے رہنے کی نفی لازم نہیں آتی۔ خصوصاً صدیقوں کے رہنے کی جو بالاتفاق شہداء سے افضل ہیں۔ پوچھنے والا پوچھ سکتا ہے کہ صدیقوں کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ کیا وہ جنت میں ہیں یا نہیں؟ اگر جواب اثبات میں دیں اور یہی دیں گے تو معلوم ہوا کہ آثار ونصوص میں شہیدوں کی خصوصیت نہیں۔ اور اگر نفی میں جواب دیں تو لازم آئے گا کہ بڑے بڑے صحابہ کرامؓ کی روحیں جیسے حضرت ابوبکر و حضرت عمرؓ ابن مسعودؓ ابوالدرداءؓ اور حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہم کی روحیں جنت میں نہیں اور ہمارے زمانے کے شہداء کی روحیں جنت میں ہیں۔ اور یہ بالکل غلط ہے۔

ایک اعتراض کا جواب

اگر کہا جائے کہ جب یہ حکم شہیدوں کے لیے خاص نہیں تو پھر ان آثار ونصوص میں خاص طور سے شہیدوں کا ذکر کیوں کیا گیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ذکر سے شہادت کی فضیلت اور شہیدوں کے اعلیٰ

مقام کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور اس بات کی طرف بھی کہ شہیدوں کے لیے اس ثواب کی ضمانت ہے اور انہیں ثواب کا ایک بہت بڑا حصہ حاصل ہوگا۔ گویا اس برزخی ثواب میں شہیدوں کا بہ نسبت غیر شہیدوں کے بڑا حصہ ہے اگرچہ کسی غیر شہید کا ان سے آخرت میں اونچا مقام اور اس درجہ میں کوئی اس کا شریک نہ ہو دیکھیے اللہ تعالیٰ نے شہیدوں کی روحیں سبز پرندوں کے پیٹوں میں رکھی ہیں۔ کیونکہ اللہ کی راہ میں ان کے جسم ہلاک کر دیے گئے تھے۔ ان کے بدلے اللہ تعالیٰ نے انہیں برزخ میں اعلیٰ قسم کے جسم دے دیے جن میں وہ قیامت تک رہیں گی۔ اور ان جسموں کے ذریعہ انہیں بہ نسبت ان ارواح کے آرام کے جن کو ایسے جسم نہیں ملے' بہت زیادہ آرام ملے گا۔ اسی وجہ سے فرمایا کہ مومن کی روح پرندے کی صورت میں یا شکل پرندے کے ہے اور شہید کی روح پرندے کے پیٹ میں ہے۔ غور فرمائیں فرمایا: مومن کی روح پرندہ ہے۔ یہ لفظ شہید غیر شہید سب کو شامل ہے پھر شہید کو ان الفاظ سے خاص کیا کہ ان کی روح پرندے کے پیٹ میں ہے۔ یہ بات بدیہی ہے کہ جب روح پرندے کے پیٹ میں ہو گی تو اس پر پرندے کا لفظ صادق آئے گا۔ سبحان اللہ رحمۃ للعالمین ﷺ کے الفاظ بھی ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ اور بالکل صحیح ہیں۔ یہ تطبیق ابو عمرو کی تطبیق و ترجیح سے اچھی ہے اور دونوں روایتیں (کیطر فی اجواف طیر خضر) صحیح اور درست ہیں۔

روحیں جنت میں نہیں ہیں لیکن جنت کے پھل اور خوشبو انہیں پہنچتی ہے

تبصرہ

رحمت عالم ﷺ نے فرمایا: شہید جنت کے دروازے والی نہر کے کنارے پر سبز گنبد میں ہوں گے اور ان کا کھانا صبح و شام انہیں جنت سے ملتا رہے گا۔ اس حدیث سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ جنت میں نہ ہوں۔ کیونکہ یہ نہر جو باب جنت پر ہے جنت ہی سے آئی ہے۔ اسی نہر کے کنارے پر ان کے محل ہوں گے اور جنت ہی میں روزی پیدا ہوگی۔ گو جنت کے آخرت والے متوقع محلوں میں نہ ہوں گے۔ معلوم ہوا کہ مجاہد نے آخرت والی جنتی محلوں کی نفی کی ہے۔ ایسی عبارت کا لانا جس سے دونوں میں پہچان ہو جائے بڑا مشکل ہے۔ مقصد پر دلالت کے لحاظ سے سب سے زیادہ مکمل عبارت رحمت عالم ﷺ کی ہوتی ہے۔ اور آپ ﷺ کے بعد صحابہ کرامؓ کی۔ جب تم ان دونوں کی عبارتوں پر غور کرو گے تو ہدایت و شفا

اور نور پاؤ گے اور دوسروں کی عبارتوں میں دعووں باتوں اور حیرت کے سوا کچھ نہ پاؤ گے۔ام کبشہ بنت معرور فرماتی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ ہمارے پاس آئے۔ہم نے آپؐ سے روحوں کے بارے میں پوچھا۔آپ نے ان کا اس طرح بیان کیا کہ گھر والوں کو رلا دیا۔ پھر فرمایا کہ مومنوں کی روحیں سبز پرندوں کے پیٹوں میں رہتی ہیں۔ جو جنت میں چگتی پھرتی ہیں اور اس کے پھل کھاتی اور پانی پیتی ہیں۔ پھر عرش کے نیچے سونے کی قندیلوں میں آرام کرتی ہیں۔اور کہتے ہیں کہ اب رب ہمارے پاس ہمارے بھائیوں کو بھی لے آ۔جس کا تو نے ہم سے وعدہ فرمایا ہے اسے عطا فرما۔اور کافروں کی روحیں سیاہ پرندوں کے پیٹوں میں رہتی ہیں جو آگ کھاتی پیتی ہیں اور آگ کے بل میں رہتی ہیں۔اور کہتی ہیں اے اللہ ہمارے پاس ہمارے بھائی نہ لا۔اور جس کا تو نے ہم سے وعدہ کیا ہے اسے عطا نہ فرما۔(ابن مندہ) ضمرۃ بن حبیب کا بیان ہے کہ رحمت عالم ﷺ سے مومنوں کی روحوں کے بارے میں پوچھا گیا فرمایا یہ سبز پرندوں میں ہیں اور جنت میں جہاں چاہتی ہیں چگتی پھرتی ہیں۔صحابہ کرامؓ نے پوچھا اور کافروں کی روحیں؟ فرمایا یہ سجین میں بند ہیں۔(طبرانی)

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا مومنوں کی روحیں زرازیر پرندوں کی طرح کے سبز پرندوں میں ہیں۔جو جنت کے پھل کھاتی ہیں۔کچھ نے اسے ابن عمرو کا قول بتایا ہے۔تمیم داری رحمت عالم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جب مومن کی روح کو لے کر ملک الموت آسمان کی طرف چڑھتے ہیں تو اس کا جبرئیل ستر ہزار فرشتوں کے ساتھ استقبال کرتے ہیں جن میں سے ہر ایک فرشتہ نہ صرف خود ہی بلکہ آسمان والے فرشتوں کی طرف سے بھی خوشخبری سناتا ہے۔موت کا فرشتہ عرش کے پاس جا کر سجدے میں گر جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ ان سے فرماتا ہے کہ میرے بندے کی روح بغیر کانٹوں والی بیری میں تہہ بہ تہہ پھل والے کیلے میں پھیلے ہوئے سائے میں اور بہتے ہوئے پانی میں رکھ دو اس کے لیے پر فزا راحت افزا مقام مقرر کر دو۔ جہاں کھانے پینے کی فراوانی ہو۔

ارواح قبروں میں رہتی ہیں

تبصرہ

ارواح کے قبروں میں رہنے سے اگر یہ مطلب ہے کہ وہاں سے کبھی جدا ہی نہیں ہوتیں تو یہ غلط ہے جس کی تردید قرآن و حدیث سے ہوتی ہے اس کے کچھ دلائل تو بیان ہو چکے اور کچھ ہم بیان کریں گے۔ انشاء اللہ۔اور اگر یہ مطلب ہے کہ کبھی قبروں سے جدا ہی نہیں ہوتیں تو یہ غلط ہے جس کی تردید قرآن و

حدیث سے ہوتی ہے۔اس کے کچھ دلائل تو بیان ہو چکے اور کچھ ہم بیان کریں گے۔ان شاء اللہ
اور اگر یہ مطلب ہے کہ کبھی قبروں میں آ جاتی ہیں یا اپنی اصلی جگہ رہ کر قبروں سے واسطہ قائم رکھتی ہیں تو ٹھیک ہے لیکن اس سے معلوم ہوا کہ قبریں ان کے ٹھہرنے کی جگہ نہیں ہیں۔یہ قول ابن عبدالبر کا ہے۔فرماتے ہیں تم دیکھتے نہیں کہ اس قول پر دلالت کرنے والی حدیثیں صحیح و متواتر ہیں۔اور قبروں پر سلام کرنے کی حدیثیں بھی اس قول پر دلالت کرتی ہیں (متواتر حدیثوں سے ابن عمرؓ براء بن عازبؓ انس بن مالکؓ جابر رضی اللہ عنہم اور سلام والی تمام حدیثیں اور عذاب و ثواب قبر والی تمام حدیثیں مراد ہیں۔یہ قول صحیح احادیث و آثار سے غلط ثابت ہوتا ہے ان کی تمام دلیلوں سے ارواح کا قیام جنت اور رفیق اعلیٰ ہی معلوم ہوتا ہے ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ مردوں پر جنت و جہنم پیش کیے جانے سے روحوں کا ہمیشہ قبروں میں یا قبروں کے پاس رہنا لازم نہیں آتا۔بلکہ قبروں سے ان کا تعلق و لگاؤ ثابت ہوتا ہے۔اسی تعلق کی وجہ سے ان کے ٹھکانے پیش کیے جاتے ہیں کیونکہ روح کا معاملہ ہی جداگانہ ہے وہ رفیق اعلیٰ اور اعلیٰ علیین میں رہتے ہوئے بھی اس حیثیت سے بدن سے ملی ہوئی ہے کہ جب مردے پر کوئی مسلمان سلام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر اس کی روح لوٹا دیتا ہے اور وہ اس کے سلام کا جواب دے دیتا ہے جبکہ روح ملاء الاعلیٰ میں ہے۔

ایک مغالطہ

اس مقام پر اکثر لوگوں کو یہ مغالطہ ہوا کرتا ہے کہ جسم کی طرح بیک وقت دو مکانوں میں روح کا پایا جانا ناممکن ہے۔مگر یہ دھوکا ہے۔روح آسمانوں پر اعلیٰ علیین میں ہونے کے باوجود بھی قبر میں آ کر سلام کا جواب دیتی ہے۔اور سلام کرنے والے کو جانتی ہے۔دیکھیں رحمت عالم ﷺ کی روح مبارک ہمیشہ رفیق اعلیٰ میں رہتی ہے لیکن قبر میں سوال کرنے والوں کے سلام سن کر ان کے جواب دیتی ہے۔آپ نے دیکھا حضرت موسیٰ علیہ السلام قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں اور انہیں چھٹے یا ساتویں آسمان میں بھی جا دیکھا۔اس صورت میں یا تو روح بہت تیز حرکت کرتی ہے کہ آنکھ جھپکنے میں ہزاروں سال کا سفر طے کر لیتی ہے۔یا اس کا قبر سے اور اس کے ماحول سے تعلق قائم رہتا ہے جیسے سورج آسمان میں ہے مگر کرنوں کے ذریعہ زمین سے بھی اس کا تعلق قائم ہے۔یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ سونے والے کی روح ذرا سی دیر میں ساتویں آسمان کی مسافت طے کر کے اللہ کے آگے سجدہ کرتی ہے اور کھڑی ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں اپنا فیصلہ صادر فرماتا ہے۔فرشتے اسے اس کے لیے جنت میں جو نعمتیں تیار ہیں

انہیں دکھاتے ہیں پھر روح اتر کر اپنی تجہیز و تکفین میں بھی شامل ہو جاتی ہے۔ جیسے کہ براء والی حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔ ابن عباسؓ والی حدیث میں اس کی وضاحت آ گئی ہے کہ تجہیز و تکفین کی تھوڑی سے مدت میں فرشتے روح کو اتار کر لے آتے ہیں۔ اور اس کے جسم کے ساتھ کفن میں داخل کر دیتے ہیں۔

طلحہؓ بن عبید اللہ کا واقعہ

طلحہؓ بن عبید اللہ کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ غابہ میں اپنے کھیتوں پر گیا۔ رات ہو گئی۔ آخر عبد اللہؓ بن عمر بن حرام کی قبر کے پاس رک گیا۔ میں نے قبر سے قرآءت کی آواز سنی۔ اس سے اچھی قرآءت کبھی سنی ہی نہیں تھی۔ پھر میں نے یہ واقعہ رحمت عالم ﷺ سے بیان کیا فرمایا یہ عبد اللہؓ ہیں۔ کیا تمہیں پتہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی روحیں قبض کر کے یاقوت و زبرجد کی قندیلوں میں رکھ کر انہیں جنت کے درمیان لٹکا دیا ہے۔ رات کو روحیں آتی ہیں اور صبح کو اپنی جگہ چلی جاتی ہیں۔ (ابن مندہ)

اس حدیث میں روحوں کی بہت تیز حرکت کی وضاحت ہے کہ وہ ذرا سی دیر میں عرش سے فرش تک اور فرش سے عرش تک پہنچ جاتی ہیں۔ اسی وجہ سے امام مالکؒ وغیرہ نے کہا ہے کہ روحیں چھوڑی ہوئی ہیں جہاں چاہتی ہیں آتی جاتی ہیں۔ لوگ بھی خواب میں مردوں کی روحوں سے ملاقات کر لیتے ہیں۔ اور اس میں بھی شک نہیں کرتے کہ یہ بہت دور سے آتی ہیں (کبھی زندوں کی روحیں پرواز کر کے اوپر جا کر روحوں سے ملاقات کر آتی ہیں کبھی مردوں کی روحیں اتر کر آتی ہیں اور ان کا قبروں سے واسطہ قائم رہتا ہے) قبر والوں پر سلام و خطاب سے بھی یہ لازم نہیں آتا کہ ان کی روحیں جنت میں نہ ہوں اور قبروں کے پاس ہوں۔

ارباب قبر پر سلام و خطاب سے روحوں کا قبر میں ہونا لازم نہیں آتا

دیکھیں رحمۃ اللعالمین ﷺ کی روح مبارک اعلیٰ علیین میں رفیق اعلیٰ کے ساتھ ہے لیکن آپ سلام کرنے والوں کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ ابن عبد البرؒ کے نزدیک بھی شہداء کی روحیں جنت میں ہیں۔ جبکہ دوسروں کی طرح ان پر بھی سلام کیا جاتا ہے جیسا کہ رحمۃ اللعالمین ﷺ نے ان پر سلام کرنے کی تعلیم دی۔ صحابہ کرامؓ بھی شہدائے احد پر سلام کیا کرتے تھے۔ جبکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ان کی روحیں جنت میں جہاں چاہتی ہیں چلتی پھرتی ہیں۔ شاید تم کہو کہ یہ تو عجیب بات ہے کہ روح جنت میں بھی ہو اور قبر پر سلام کرنے والوں کے سلام بھی سنے اور ان کے سلام کا جواب بھی دے۔

یہ بات تو سمجھ میں آتی نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ روحوں کو جسموں پر قیاس نہ کرو۔ دیکھیں رحمۃ اللعالمین ﷺ نے حضرت جبرئیل امین علیہ السلام کو دیکھا کہ ان کے سات سو پر ہیں۔ اور ان میں سے دو پروں نے مغرب و مشرق کا پورا فاصلہ بھر رکھا ہے۔ یہی وہ جبرئیل امین ہیں جو رحمۃ اللعالمین ﷺ کے سامنے آ کر دو زانو بیٹھ جاتے ہیں اور تھوڑی سی جگہ میں سما جاتے ہیں۔ دیکھئے آپ ملاء اعلیٰ میں اپنی جگہ پر بھی ہیں اور رحمۃ اللعالمین ﷺ کے سامنے بھی۔ اگر یہ بات تمہاری سمجھ میں نہ آئے تو اللہ تعالیٰ نے ایسے دل پیدا کیے ہیں جو اس کی تصدیق کرتے اور اس کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

ایک شبہ کا جواب

یہ بات جس کے دل میں نہ آئے وہ اس پر بھی ایمان نہیں لائے گا کہ اللہ تعالیٰ روزانہ رات کے پچھلے حصے میں دنیوی آسمان پر اتر آتا ہے۔

جبکہ وہ آسمانوں کے اوپر عرش پر ہے۔ کبھی اس کے اوپر کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ بلکہ وہ ہر چیز سے بلند و اعلیٰ ہے۔ اور بلندی اس کی ذاتی صفت ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ عرفہ کے دن زوال کے بعد موقف والوں سے قریب ہوتا ہے۔ اسی طرح قیامت کے دن لوگوں کے حساب کے لیے آئے گا اور زمین اس کے نور سے روشن ہو جائے گی۔ اسی طرح اس وقت آیا تھا جب زمین بچھائی اور درست کی اور اسے پھیلا اور بچھا کر ٹھیک ٹھاک کی اور مقصد کے لیے اسے تیار کیا تھا اسی طرح قیامت کے دن آئے گا۔ جب تمام زمین میں کوئی زندہ شخص باقی نہ رہے گا جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر آپ کا رب زمین پر چلے پھرے گا۔ اور شہر خالی پڑے ہوں گے۔ دیکھیں یک وقت زمین پر بھی ہوگا اور عرش پر بھی۔

آمن الرسول بما انزل الیه من ربه والمومنون.

مختلف روحوں کے اوصاف بھی مختلف ہوتے ہیں

یہاں یہ بات بھی جان لینا ضروری ہے کہ مختلف صفتوں کے لحاظ سے روحوں میں بھی اختلاف ہے۔ کوئی روح بڑی طاقت والی اور بہت بڑی ہے اور کوئی اس سے کم ہے۔ اسلیے بڑی چھوٹی روح کا جو حال ہوگا وہ اس سے کم والی کا نہ ہوگا۔ تم دنیا میں بھی روحوں کے احکام میں بہت بڑا فرق دیکھتے ہو۔ ان کی حالتوں مضبوطی میں ان کی تیزی و سستی میں اور ان کی امداد و اعانت میں کتنا بڑا فرق محسوس کرتے ہو۔ پھر جو روح بدن کی قید سے اور اس کی آلائشوں سے آزاد ہو گئی اسے جو تصرف و قوت، ہمت و حوصلہ اور

سرعت پرواز و تعلق حاصل ہوگا وہ اس روح کو حاصل نہ ہوگا جو قید و محبوس ہو۔ جسمانی آلائشوں میں لتھڑی ہوئی ہو اور جسمانی رکاوٹوں سے گھری ہوئی ہو۔ پھر جب حالت قید میں روحوں کے احوال میں فرق ہے تو آزادی کے بعد تو علیحدہ ہی حال ہوگا۔ جب کہ ان میں ان کے قویٰ جمع ہوں گے اور اپنی اصلی حالت میں ہوں گی اور بلند حوصلے والی ہوں گی۔

روحوں کے حیرت انگیز کارنامے

مرنے کے بعد روحوں کے افعال کے بارے میں ہر طبقے کے لوگوں میں بے شمار خواب ہیں کہ ان سے ایسے ایسے پاک و بلند افعال ظہور میں آئے ہیں جو جسم میں رہ کر ظہور میں نہیں آ سکتے تھے۔ مثلاً تن تنہا ایک یا دو یا چند روحیں بہت بڑے لشکر کو شکست دے دیتی ہیں اکثر اوقات لوگوں نے رحمۃ اللعالمین ﷺ کو مع حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہم کے خواب میں دیکھا کہ ان کی روحوں نے کافروں اور ظالموں کے لشکروں کو شکست دے دی۔ پھر اس کا ظہور بھی ہوا۔ کہ ٹڈی دل لشکر نہتے، کمزور اور تھوڑے سے مسلمانوں سے شکست بھی کھا گیا۔

یہ حیران کن بات نہیں تو اور کیا ہے کہ دو مسلمان دوستوں کی روحیں خواب میں ملاقات کرتی ہیں جبکہ دونوں میں زیادہ سے زیادہ دوری ہوتی ہے پھر روحوں کو دکھ بھی پہنچتا ہے اور پہچانتی بھی ہیں کہ ہم دوست ہیں جبکہ ان کی جسمانی ملاقات بھی نہیں ہوتی۔ پھر جب دونوں کی جسمانی ملاقات ہوتی ہے تو جو کچھ خواب میں دیکھا تھا بالکل اس کے مطابق ہوتا ہے۔ حضرت ابن عمرؓ کا بیان ہے کہ مومن کی روحیں ایک دن کی مسافت سے ملاقات کر لیتی ہیں۔ جبکہ کسی نے کسی کو دیکھا بھی نہیں ہوتا۔ کچھ اس روایت کو مرفوع بھی لائے ہیں۔

عکرمہؒ و مجاہدؒ سے روایت ہے کہ نیند کی حالت میں اصل روح تو جسم ہی میں رہتی ہے (موت کی طرح بالکل آزاد نہیں ہوتی) تاہم اس کی پرواز دور دور تک ہوتی ہے اور جب جسم میں آ جاتی ہے تو انسان جاگ جاتا ہے۔ جیسے سورج کی کرنیں جو سورج سے نکلتی ہیں اور زمین تک پہنچ جاتی ہیں اصل کرنیں تو سورج ہی میں ہیں تاہم ان کی پرواز دور دور تک پہنچتی ہیں۔

روح کس طرح اپنی روشنی پھیلاتی ہے؟

کچھ علماء سے روایت ہے کہ روح ناک کی راہ سے اپنی روشنی پھیلاتی ہے لیکن اس کی سواری جسم ہی رہتا ہے۔ اگر پوری طرح سے نکل جائے تو انسان مر جائے۔ مثال کے طور پر اگر چراغ سے بتی نکال لی

جائے تو چراغ بالکل بجھ جاتا ہے۔ اس کے الٹ کہ اگر چراغ میں بتی روشن ہے تو اس کی روشنی دور دور تک پھیل جاتی ہے۔ اسی طرح روح نیند کی حالت میں ناک کی راہ سے پھیل کر دور دور تک گھوم آتی ہے اور مردوں کی روحوں سے بھی ملاقات کر آتی ہے۔ اگر فرشتہ جو خوابوں پر موکل ہے۔ اسے کوئی چیز دکھاتا ہے اور یہ آدمی بیداری کی حالت ہوشیار سمجھدار اور ذہین وسچا ہوتا ہے۔ اور حالت بیداری میں کسی غلط بات کی طرف متوجہ ہونے والا نہیں ہوتا تو جب اس کی طرف روح لوٹ کر آتی ہے تو روح اس کے دل میں وہ بات ڈال دیتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کی صلاحیت کے مطابق دکھائی ہے لیکن اگر بے سمجھ دھوکے میں آ جانے والا اور باطل پسند ہوتا ہے تو خواب میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے جو کچھ اچھی یا بری بات دیکھتا ہے تو چونکہ اس نے کچھ شیطانی کرشمے اور غلط باتیں بھی راہ میں دیکھی ہیں اس لیے بیداری پر ذہن میں صحیح صحیح خواب نہیں رہتا۔ کیونکہ صحیح وغلط میں گڑبڑ ہو گئی ہے اور قوت فیصلہ نہیں ہے۔ اسی وجہ سے پریشان خواب کی تعبیر بتانے والے بھی قاصر رہتے ہیں۔ (ابن مندہ)

اس سلسلے میں یہ بہترین قول ہے اور اس کا قائل ارواح و احکام ارواح کی معرفت و بصیرت والا ہے۔ ایک شخص علم وحکمت کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ اور اس سے فائدہ نہیں اٹھاتا۔ لیکن اگر شیطانی باتیں کھیل وکود یا گانا بجانا یا شبہات یا دیگر غلط باتیں اس کے کان میں پڑ جاتی ہیں تو ان کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ اور انہیں قبول کر لیتا ہے اور وہ اس کے دل و دماغ میں بیٹھ جاتی ہیں۔ جس کے نتیجے میں عقل کی باتوں میں گڑبڑ ہو جاتی ہے اور صحیح وغلط میں پہچان نہیں کر سکتا۔ نیند میں بھی روحوں کی یہی حالت ہے۔ لیکن اجسام سے بالکل جدا ہونے کے بعد ارواح کو ان باطل عقیدوں و شبہات پر جو تعلقات اجسام کی حالت میں ان کا حصہ رہ چکے تھے۔ عذاب ہوتا ہے اور ان ارادوں اور خواہشات پر بھی جو حائل ہو گئے تھے اور ان اعمال پر بھی جن میں روح جسم کے ساتھ شریک رہی یہی برزخ کی تنگ روزی اور تنگ زندگی ہے چونکہ پاکیزہ بلند حوصلہ اور سچ پسند روح جھوٹ پسند نہیں ہوتی۔ اور نہ اس سے بھی مانوس ہوتی ہے اس لیے وہ اپنے صحیح صحیح اعتقادات وعلوم ومعارف کی وجہ سے جو اس نے مشکوٰۃ نبوت سے حاصل کر لیے ہیں اور اپنے بلند ارادوں اور پاکیزہ حوصلوں سے آرام پاتی ہے۔ یہی اعمال اس کے لیے برزخ میں جنت کا باغیچہ اور اس کے لیے جہنم کا گڑھا بن جاتے ہیں۔

مومنوں کی روحیں اللہ کے پاس ہیں۔ تبصرہ

اس قول میں قرآن کا ادب ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے کیونکہ قرآن میں ہے: بل احیاء عند ربھم

یرزقون. بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں اور کھاتے پیتے ہیں۔ اس قول کے دلائل (۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رحمۃ اللعالمین ﷺ نے فرمایا: مرنے کے بعد روح آسمان پر لے جائی جاتی ہے یہاں تک کہ اس آسمان پر پہنچ جاتی ہے جس پر اللہ تعالیٰ ہے لیکن بد روح کے لیے پہلے آسمان کے دروازے بھی نہیں کھولے جاتے اور وہیں سے پھینک دی جاتی ہے پھر وہ قبر میں آتی ہے۔ (احمد بسند صحیح)

(۲) ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ مومن کی روح سے جب وہ جسم سے باہر آتی ہے مشک سے بھی زیادہ پیاری خوشبو نکلتی ہے۔ پھر فرشتے اسے پہلے آسمان کے پاس لے کر پہنچتے ہیں۔ آسمان والے پوچھتے ہیں یہ کیا ہے؟ فرشتے جواب دیتے ہیں کہ یہ فلاں بن فلاں ہیں اور ایسے ایسے عمل کیا کرتے تھے' ان کے نیک عمل بتاتے ہیں یہ سن کر آسمان والے لانے والے فرشتوں اور روح کا استقبال کرتے ہیں اور ان سے روح لے لیتے ہیں۔ آسمان کے جس دروازے سے عمل چڑھا کرتا تھا اسی سے روح چڑھتی ہے اور آسمانوں میں سورج کی طرح چمکتی ہوئی چڑھتی جاتی ہے یہاں تک کہ عرش تک پہنچ جاتی ہے۔ کافر کی روح بھی اول آسمان کے قریب تک چڑھتی ہے اور آسمان والے پوچھتے ہیں کہ یہ کیا ہے؟ فرشتے کہتے ہیں کہ یہ فلاں بن فلاں ہے اور ایسے ایسے گندے عمل کیا کرتا تھا۔ فرشتے بیزار ہو کر اسے الٹے ہاتھوں دھکا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسے لے جاؤ۔ چنانچہ وہ تحت الثریٰ پہنچا دی جاتی ہے۔

(۳) حذیفہ بن الیمانؓ کا بیان ہے کہ روحیں اللہ تعالیٰ کے پاس ٹھہری ہوئی ہیں اور اپنے اپنے جسم میں جانے کے انتظار میں ہیں۔ جب تک کہ دوسرے دو صوروں کے بعد ان میں چلی نہ جائیں۔

(۴) ابن زبیرؓ کے قتل کے بعد ابن عمرؓ بیت اللہ میں جاتے ہیں۔ ابن زبیرؓ کی لاش لٹک رہی تھی۔ آپ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو تسلی اور تشفی دینے لگتے ہیں اور فرماتے ہیں صبر کریں اور پرہیزگاری کی راہ اختیار کیجئے۔ یہ جسم کچھ نہیں۔ اصل روحیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔ حضرت اسماءؓ جواب دیتی ہیں مجھے ہر طرح سے صبر ہے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کا سر ایک اسرائیلی فاحشہ کو بطور ہدیہ کے پیش کیا گیا تھا۔ جب ان کے ساتھ ایسا ہوا تو ہماری ہستی کیا ہے؟

(۵) ہلال بن یساف سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ہم کعب' ربیع بن خثیم' خالد بن عرعرۃ اور دیگر چند لوگوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں حضرت ابن عباسؓ تشریف لائے۔ کعبؓ بولے یہ

تمہارے نبی ﷺ کے چچا کے بیٹے آ رہے ہیں۔ آپ نے انہیں جگہ دی۔ ابن عباسؓ بیٹھ گئے اور کہنے لگے کہ میں نے تمام قرآن سمجھ لیا ہے بس چار جگہ سمجھ میں نہیں آیا۔ وہ چار مقام مجھے سمجھا دیجئے۔ سجین کیا ہے؟ علیین کیا ہے؟ سدرۃ المنتہیٰ کیا ہے؟ اور و رفعنہ مکانا علیا (ہم نے ادریس کو بلند جگہ پر اٹھا لیا) کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا: علیین تو ساتواں آسمان ہے جس میں مومنوں کی روحیں ہیں اور سجین ساتویں زمین کے نیچے والا طبقہ ہے۔ کافروں کی روحیں ابلیس کے لشکر کے نیچے ہیں اور آیت کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ادریس علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی کہ میں روزانہ تمام انسانوں کے اعمال کے برابر تمہارے عمل اٹھاتا ہوں۔ آپ نے ایک فرشتے سے جو آپ کا دوست تھا" درخواست کی کہ ملک الموت سے کہیں کہ مجھے تھوڑی سی اور مہلت دے دیں تاکہ عمل کا اور موقع مل جائے آخر فرشتہ آپ کو اپنی پیٹھ پر بٹھا کر اڑ جاتا ہے جب چوتھے آسمان پر پہنچا ہے تو فرشتہ موت سے مڈبھیڑ ہو جاتی ہے۔ انہیں آپ کا پیغام پہنچاتا ہے۔ فرشتہ موت پوچھتے ہیں وہ کہاں ہیں؟ فرشتہ کہتا ہے میری پیٹھ پر ہیں۔ فرشتہ موت کہتا ہے کہ مجھے تعجب تھا کیونکہ مجھے حکم ملا تھا کہ ان کی روح چوتھے آسمان پر قبض کروں۔ سدرۃ المنتہیٰ ایک بیری کا درخت ہے جو عرش اٹھانے والے ملائکہ کے سروں پر ہے۔ یہی مخلوق کے علم کی انتہا ہے۔ اس کے علاوہ کا کسی کو علم نہیں۔ اسی وجہ سے اسے سدرۃ المنتہیٰ کہا جاتا ہے۔ (جریر دابن مندہ)

(۶) ضحاک کا بیان ہے کہ قبض کئے جانے کے بعد مومن کی روح دنیوی آسمان تک چڑھائی جاتی ہے۔ پھر اس کے ساتھ آسمان کے معزز فرشتے دوسرے آسمان تک پہنچانے جاتے ہیں۔ اسی طرح ساتوں آسمانوں سے گزر کر سدرۃ المنتہیٰ پہنچتی ہے سوال کیا گیا سدرۃ المنتہیٰ کیوں کہتے ہیں۔ فرمایا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی امر اس کے آگے نہیں بڑھتا۔ فرشتے کہتے ہیں کہ اے رب یہ تیرا بندہ فلاں ہے۔ جبکہ اللہ کو خبر ہے۔ پھر اس کے پاس اللہ تعالیٰ مہر شدہ دستاویز بھیجتا ہے جو اسے عذاب سے بچا کر رکھتی ہے۔ اسی کی طرف اس آیت (کلا ان کتاب الابرار الخ) ہرگز نہیں نیکوں کے اعمال نامے علیین میں ہیں۔ جانتے ہو علیون کیا ہے؟ ایک لکھی ہوئی تحریر ہے جس پر مقرب فرشتوں کی شہادت ثبت ہے۔ سا میں اشارہ ہے یہ قول جنت والے قول کے مخالف نہیں۔ کیونکہ جنت سدرۃ المنتہیٰ کے پاس بھی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے پاس بھی۔ گویا اس کے قائل نے یہ قول زیادہ موافق اور زیادہ سلامتی والا دیکھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ شہیدوں کی روحیں اس کے پاس ہیں۔ اور اللہ کے نبی ﷺ نے یہ بتایا کہ وہ روحیں جنت میں جہاں چاہتی ہیں کھاتی پھرتی ہیں۔

مومنوں کی روحیں جابیہ میں اور کافروں کی حضر موت کے کنویں برہوت میں

تبصرہ

ابن حزم فرماتے ہیں کہ یہ رافضیوں کا قول ہے لیکن یہ غلط ہے کیونکہ اہل سنت کی ایک جماعت کا بھی یہی قول ہے۔ صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ مومنوں کی روحیں جابیہ میں ہیں۔ چنانچہ ابن عمرؓ سے منقول ہے کہ مومنوں کی روحیں جابیہ میں جمع ہوتی ہیں اور کافروں کی روحیں حضر موت کی شور یلی زمین میں جسے برہوت کہتے ہیں جمع ہوتی ہیں' ایک دفعہ کعب نے دیکھا لوگ ابن عمرؓ کے پاس جمع ہیں اور ان سے مسائل پوچھ رہے ہیں ایک شخص سے کہا کہ ان سے جا کر پوچھو کہ مومنوں اور کافروں کی روحیں کہاں ہیں؟ آخر اس نے پوچھا تو فرمایا کہ جابیہ اور برہوت میں۔ (ابن مندہ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ تمام زمین پر بہترین کنواں زمزم اور بدترین کنواں برہوت ہے اور زمین کا بہترین علاقہ مکہ کا علاقہ ہے اور ہند کا وہ علاقہ ہے جہاں حضرت آدم علیہ السلام اتارے گئے تھے۔ اسی علاقہ سے تمہاری خوشبو آتی ہے اور بدترین علاقہ احقاف ہے جو حضر موت میں ہے اور جہاں کافروں کی روحیں لوٹائی جاتی ہیں۔ (ابن مندہ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تمام زمین کی بدترین جگہ حضر موت کی وادی ہے جسے برہوت کہتے ہیں اور جہاں کافروں کی روحیں ہیں اور وہاں ایک کنواں ہے جس کا پانی دن میں پیپ کی طرح سیاہ معلوم ہوتا ہے اور اس میں زمین کے کیڑے کوڑے جمع رہتے ہیں۔

ایک شخص کا برہوت کے بارے میں واقعہ

ایک شخص کا بیان ہے کہ میں نے وادی برہوت میں ایک رات گزاری۔ میں نے وہاں طرح طرح کی آوازیں سنیں جیسے لوگ پکار رہے ہیں اے دومہ اے دومہ کسی اہل کتاب نے بتایا کہ دومہ وہ فرشتہ ہے جو کافروں کی روحوں پر موکل ہے۔ سفیان کہتے ہیں کہ ہم نے حضر میوں سے سنا کہتے تھے کہ وہاں کوئی شخص رات نہیں گزار سکتا۔ (ابن مندہ)

اگر جابیہ سے مراد تمثیل ہے کہ روحیں ایسی کھلی جگہ جمع ہیں جو اپنی کشادگی اور ہوا کی پاکیزگی میں جابیہ کے مانند ہے تو خیر اور اگر خاص جابیہ کا مقام مراد ہو تو اس کا علم شریعت ہی سے ہو سکتا ہے شاید انہوں نے اہل کتاب سے یہ بات سنی ہو۔

روحیں زمین میں رہتی ہیں جن کے وارث اللہ کے بندے ہوں گے

تبصرہ

اگر اس سے یہ مراد ہے کہ آیت کا یہی مطلب ہے تو غلط ہے کیونکہ آیت کی تفسیر میں ابن عباسؓ اور اکثر علمائے تفسیر نے زمین سے زمین جنت مراد لی ہے۔ ابن عباسؓ کا دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے دنیا کی وہ زمین مراد ہے جسے اللہ تعالیٰ امت محمدیہ کے ہاتھوں فتح کرائے گا۔ یہی قول صحیح ہے جس کی مثال سورۂ نور کی یہ آیت وعدہ اللہ الذین آمنوا منکم و عملوا اللہ نے مسلمانوں سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ انہیں زمین پر حاکم بنا کر رہے گا جیسے اس نے ان سے پہلے مسلمانوں کو حاکم بنایا تھا ہے۔ ایک صحیح حدیث میں ہے کہ رحمۃ اللعالمین ﷺ نے فرمایا کہ دنیا کے مشرق و مغرب میرے لیے اکٹھے کر دیئے گئے۔ جلد ہی میری امت کی حکومت ان ملکوں پر ہو جائے گی (جو جو ملک میرے لیے سمیٹے گئے) بعض مفسروں کے نزدیک بیت المقدس کی زمین ہے۔ یہ وہ زمین ہے جس کا وارث اللہ کے نیک بندوں کو بتایا گیا مگر آیت اسی کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

مومنوں کی روحیں علیین میں ہیں اور کافروں کی روحیں سجین میں

اگلے پچھلے علماء کا یہی قول ہے کہ رحمۃ اللعالمین ﷺ کے اس قول اللھم الرفیق الاعلی اے اللہ بلند ساتھیوں میں پہنچا' میں اسی طرف اشارہ ہے اسی سلسلے میں اوپر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والی اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ والی حدیث گزر چکی اور حذیفہؓ اور ابن عمرؓ کا قول بھی گزر چکا۔ مزید رحمۃ اللعالمین ﷺ کا یہ فرمان بھی گزر چکا کہ شہیدوں کی روحیں عرش کے نیچے قندیلوں میں بسیرا کرتی ہیں۔ اور براءؓ والی حدیث بھی گزر چکی۔ لیکن ان تمام دلائل سے ارواح کا مجرد ہوتے ہی ٹھہرنا ثابت نہیں ہوتا بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ روحیں رب کے آگے پیش کی جاتی ہیں۔ پھر وہ ان میں اپنا فیصلہ فرما کر انہیں اہل علیین یا اہل سجین میں سے لکھتا ہے۔ پھر روح سوال و جواب کے لیے قبر کی طرف لوٹتی ہے۔ پھر جہاں اس کے ٹھکانہ کا فیصلہ ہوا ہے اسی کی طرف لوٹ آتی ہے یعنی مومنوں کی روحیں حسب مراتب علیین میں اور کافروں کی روحیں سجین میں ٹھہر جاتی ہیں۔

مومنوں کی روحوں کا زمزم کے کنویں میں اجماع سمجھنا غلط ہے

اس پر کتاب وسنت سے کوئی دلیل نہیں۔ اور نہ یہ کسی مستند اہل علم کا قول ہے۔ زمزم کے کنواں میں تمام مومنوں کی روحیں آ بھی نہیں سکتیں بلکہ یہ قول بالکل سنت کے خلاف ہے۔ واضح سنت سے ثابت ہو چکا ہے کہ مومن کی روح پرندہ ہے جو جنت کے درختوں کے پھلوں سے کھاتا ہے۔ یہ قول تو جابیہ والے قول سے بھی گھٹیا ہے کیونکہ وہ فراخ جگہ تو ہے اور کنواں تو بالکل تنگ ہوتا ہے۔

روحیں زمین والے برزخ میں رہتی ہیں اور جہاں چاہتی ہیں آتی جاتی ہیں

تبصرہ

یہ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ برزخ اس آڑ کو کہتے ہیں جو دو چیزوں میں رکاوٹ ہو۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا یہ مطلب ہے کہ روحیں اس زمین پر رہتی ہیں جو دنیا و آخرت کے درمیان ہے۔ اور وہاں آزاد ہیں۔ اس پوری زمین پر جہاں چاہتی ہیں آتی جاتی ہیں۔ یہ قول بھی مضبوط طاقت ور ہے کیونکہ روحیں دنیا تو چھوڑ چکیں اور آخرت ابھی آئی نہیں اس لیے آخرت میں بھی نہیں گئیں بلکہ دنیا اور آخرت کے درمیان مومنوں کی روحیں کھلی برزخ میں ہیں جس میں آرام ہی آرام اور انعام ہی انعام ہیں۔ اور کافروں کی روحیں تنگ برزخ میں ہیں جہاں دکھ ہی دکھ بے قراریاں اور عذاب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ان کے ماوراء زندگی بعد الموت تک برزخ ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کے دائیں بائیں روحوں کا اجتماع

تبصرہ

اس قول کی معراج والی حدیث تائید کرتی ہے۔ لیکن حدیث میں ایسے الفاظ نہیں ہیں جن سے حضرت آدم علیہ السلام کے برابر ہی میں روحوں کے اجتماع کا ثبوت ہو بلکہ کچھ روحیں آپ کے دائیں ہیں اور آپ سے بلند و وسیع ترین مقامات پر ہیں اور کچھ بائیں اور پست و تاریک و تنگ مقامات میں ہیں۔ ابن حزم فرماتے ہیں یہ برزخ دنیوی آسمان کے پاس ہے۔ یعنی عناصر کی حدود سے ماوراء جگہ ہے۔ اور آسمان دنیا کے نیچے ہے۔ مگر ابن حزم بغیر دلیل کے بات کرنے والوں کی تو پکڑ کرتے ہیں لیکن خود اپنے گریبان میں نہیں جھانکتے کہ اس قول پر قرآن و حدیث سے کون سی دلیل ہے۔ ہم ان کے قول

پر بھی انشاء اللہ مفصل تبصرہ کرنے والے ہیں۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

اگر کوئی یہ کہے کہ اگر مسلمانوں کی روحیں پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام کے دائیں طرف مان لی جائیں اور یہ بھی ثابت ہے کہ شہیدوں کی روحیں عرش کے سائے میں ہیں۔ اور عرش ساتویں آسمان کے اوپر ہے تو دونوں باتوں میں ٹکراؤ ہو جاتا ہے۔ اس کا جواب کئی طرح سے ہے۔ اول تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ روحیں دائیں بائیں بلندی کی طرف اور پستی کی طرف میں نہ ہوں۔ دوسرے دنیوی آسمان پر دیکھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ارواح کے ٹھہرنے کی جگہ علیین یا سجین میں نہ ہو۔ تیسرے آپ نے یہ خبر نہیں دی کہ آپ نے اس جگہ تمام نیک بختوں کی روحیں دیکھی تھیں بلکہ یہ فرمایا کہ میں نے حضرت آدم علیہ السلام کے دائیں طرف روحیں دیکھیں اور بائیں طرف بھی۔ جبکہ یہ یقینی طور پر معلوم ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے اوپر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام چھٹے اور ساتویں آسمان پر ہیں۔ یہی رفیق اعلیٰ کی روحوں کا حال ہے بلکہ آپس میں یہ روحیں بھی مرتبوں کے لحاظ سے بلند ہیں جیسا کہ بدبختوں کی روحیں پستی میں مراتب کے حساب سے پست ہیں۔

کیا اجسام کے پیدا ہونے سے پہلے روحیں جہاں تھیں مرنے کے بعد وہی ان کا مقام ہے؟

یہ ابن حزم کا قول ہے اس دعوے کی بنا اس پر ہے کہ روحیں اجسام سے پہلے مخلوق تھیں۔ لیکن اس مسئلہ میں دو قول ہیں۔ اکثریت کا مسلک یہ ہے کہ روحیں اجسام کے بعد پیدا ہوتی ہیں۔ جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ پہلے پیدا ہوئیں ان کے پاس قرآن و حدیث سے کوئی ثبوت نہیں اور نہ اجماع ہے۔ یہ دعویٰ انہوں نے یا تو آیتوں سے استنباط کیا ہے یا ضعیف حدیثوں سے۔ ابن حزم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: واذ اخذ ربک من بنی آدم الخ جب آپ کے رب نے بنی آدم کی پیٹھوں سے ان کی اولاد نکالی اور انہیں انہی پر گواہ کر کے پوچھا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں تو انہوں نے کہا کیوں نہیں۔ ہم گواہ ہیں دوسری جگہ فرمایا: ولقد خلقنا کم ثم صورنا کم الخ یقیناً ہم نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہاری صورتیں بنائیں۔ پھر ہم نے فرشتوں سے کہا آدم کو سجدہ کرو چنانچہ انہوں نے سجدہ کیا۔ معلوم

ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام روحیں (نفوس) اکٹھی پیدا کیں اسی طرح رحمۃ اللعالمین ﷺ نے فرمایا کہ روحیں جمع کیا ہوا لشکر ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے روحوں سے اپنی ربوبیت کا اقرار کرایا ہے تو وہ صورت و شکل والی مخلوق تھیں۔ اور صاحب عقل بھی تھیں اور ابھی فرشتوں کو آدم علیہ السلام کے لیے سجدہ کا حکم بھی نہیں ملا تھا۔ اور روحوں کو اجسام میں داخل بھی نہیں کیا گیا تھا اس وقت اجسام مٹی تھے پیدا ہی نہیں ہوئے تھے کیونکہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے لفظ ثم استعمال کیا ہے جو وقفہ کے ساتھ تاخیر چاہتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا کر کے جہاں چاہا ٹھہرا دیا۔ یعنی برزخ میں جس کی طرف موت کے بعد لوٹ کر چلی جاتی ہیں۔ اس مسئلہ پر سیر حاصل تبصرہ اس سوال ''کیا جسم سے پہلے روحیں پیدا ہوئیں یا جسم کے ساتھ ساتھ؟'' میں آ رہا ہے۔ اس جگہ موضوع گفتگو تو یہ ہے کہ مرنے کے بعد روحیں کہاں ٹھہرتی ہیں؟ ابن حزم کا یہ کہنا کہ روحیں اس برزخ میں ٹھہرتی ہیں جس میں اجسام کے پیدا ہونے سے پہلے تھیں اپنے عقیدے پر مبنی ہے۔ ان کا یہ کہنا کہ روحیں حضرت آدم علیہ السلام کے دائیں ہے صحیح ہے جیسا کہ رحمۃ اللعالمین ﷺ نے اس کی خبر دی ہے لیکن ان کا یہ کہنا کہ روحوں کا مستقر برزخ میں وہ مقام ہے جہاں عناصر کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے بغیر دلیل کے ہے۔ قرآن و حدیث سے اس پر کوئی دلیل نہیں اور نہ اہل اسلام کے عقائد کے مشابہ ہے۔ بلکہ صحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ روحوں کا مستقر عناصر سے اوپر جنت میں اللہ کے پاس ہے۔ اور قرآن بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔ شہیدوں کے بارے میں ابن حزم بھی کہتے ہیں کہ وہ جنت میں ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ صدیق شہیدوں سے افضل ہیں۔ لامحالہ وہ بھی جنت میں ہیں۔ ورنہ لازم آئے گا کہ اکابر صحابہ کی روحیں تو آسمان دنیا کے نیچے ہوں اور ہمارے زمانے کے شہیدوں کی روحیں جنت میں ان سے اوپر ہوں۔ ابن حزم کا یہ کہنا کہ محمد بن نصر مروزی اسحاق بن راہویہ سے یہی قول نقل کرتے ہیں۔ اور انہوں نے کہا ہے کہ اسی پر تمام اہل علم اور مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ غلط ہے کیونکہ یہ اپنی کتاب ''کتاب الرد علی ابن قتیبہ'' میں و اذاخذ ربک من بنی آدم. الخ کی تفسیر میں فرماتے ہیں اہل علم کا اتفاق ہے کہ اجسام سے پہلے (پشت آدم علیہ السلام سے نکالی ہوئی روحوں سے) اللہ نے اپنی ربوبیت کا اقرار کرایا۔ اس عبارت سے ابن حزم کا یہ دعویٰ کہ روحوں کا ٹھکانہ وہ مقام ہے جہاں عناصر ختم ہوتے ہیں کسی صورت سے بھی ثابت نہیں ہوتا بلکہ یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ اجسام سے پہلے ارواح موجود تھیں۔ بس اتنا ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس وقت روحیں آدم علیہ السلام کی پشت سے نکال کر ان سے ربوبیت کا اقرار کرایا اور پھر پشت آدم علیہ السلام میں لوٹا دیں۔

اگر چہ اس کی قائل علماء سلف و خلف کی ایک جماعت ہے لیکن صحیح قول اس کے متضاد ہے جو عنقریب بتایا جائے گا انشاء اللہ کیونکہ اس مسئلہ کے جواب کی غرض میں یہ داخل نہیں کہ ارواح اجسام سے پہلے تھیں یا پیچھے اور اگر یہ بات مان بھی لی جائے کہ روحیں پہلے تھیں تو یہ دعویٰ کہاں سے ثابت ہوا کہ روحوں کا ٹھکانہ وہ مقام ہے جہاں عناصر ختم ہوتے ہیں اور موت سے پہلے بھی وہی ان کا ٹھکانہ تھا۔

کیا اجسام کے ساتھ روحیں بھی فنا ہوتی ہیں؟

یہ ان کا عقیدہ ہے جو روحوں کو عوارض اجسام سے مانتے ہیں اور انہیں زندگی سمجھتے ہیں جیسے ابن باقلانی وغیرہ۔ یہی ابوالہذیل علاف کا قول ہے لیکن انہوں نے روح کی حیات سے تعبیر نہیں کی۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ جسم کی موت سے دوسرے تمام اعراض کی طرح روح بھی مر جاتی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ایک عرض دو زمانوں میں باقی نہیں رہتا۔ اسلئے ہر تبدیلی کے بعد ایک نئی روح کا پیدا ہونا ضروری ہے۔ یعنی زندگی کے تھوڑے سے زمانے میں انسان کی ہزاروں روحیں پیدا اور ختم ہوتی رہتی ہیں اور مرنے پر پچھلی روح بھی ختم ہو جاتی ہے۔ آسمان پر چڑھنے اترنے اور قبر میں آنے جانے' ملائکہ کے پکڑنے چھوڑنے اور عذاب وثواب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بس اللہ تعالیٰ جسم کو عذاب وثواب پہنچاتا ہے اور جب جسم کو عذاب وثواب پہنچاتا ہے تو اس وقت زندہ کر دیتا ہے۔ روحوں کا بالذات و مستقل وجود نہیں ان میں سے اکثر کہتے ہیں کہ زندگی محض ریچھ کی ہڈی میں لوٹائی جاتی ہے اور اسی کو عذاب وثواب پہنچتا ہے یہ ان کا قول ہے جن کو اپنی روحوں کا بھی علم نہیں دوسروں کی روحوں کا تو کیا ہوگا؟

یہ قول قرآن و حدیث اور اجماع کے خلاف ہے اور عقلی وفطری دلائل بھی اسے رد کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے روحوں کو نکلنے اور داخل ہونے کا اور لوٹ آنے کا حکم دیا ہے اور صحیح و واضح دلائل بتاتے ہیں کہ روحیں چڑھتی اترتی اور پکڑی اور چھوڑی جاتی ہیں۔ ان کے لیے آسمان کے دروازے کھلتے ہیں وہ سجدہ اور بات چیت کرتی ہیں۔ وہ پانی کے قطرے کی طرح جسم سے نکل آتی ہیں جنت یا جہنم کے کفنوں میں لپٹی جاتی ہیں انہیں ملک الموت اپنے ہاتھ میں لیتا ہے پھر اس کے ہاتھ سے فرشتے لے لیتے ہیں۔ ان سے خوشبو یا بدبو نکلتی ہے انہیں ایک آسمان کے ملائکہ دوسرے آسمان تک پہنچاتے ہیں پھر وہ ملائکہ کے ساتھ زمین ہی پر بھیج دی جاتی ہے۔ روح کو نکلتے وقت مرنے والے کی آنکھ دیکھتی ہے قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ روحیں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتی ہیں۔ حتیٰ کہ حلق تک پہنچ جاتی ہیں۔

اس کے علاوہ ارواح کی آپس میں ملاقات اور ان میں باہمی تعارف بھی ہوتا ہے اور وہ ایک جگہ جمع

کیا ہوا لشکر ہیں وغیرہ۔ یہ تمام دلائل مذکورہ بالا قول کی تردید کرتے ہیں۔ نیز شب معراج میں رحمۃ اللعالمین ﷺ نے حضرت آدم علیہ السلام کے دائیں بائیں روحیں دیکھیں۔ نیز آپ نے بتایا کہ مومن کی روح ایک پرندہ ہے جو جنت کے درختوں سے کھاتا پیتا ہے اور شہیدوں کی روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہیں اور فرعون والوں کی روحوں پر صبح وشام آگ پیش کی جاتی ہے کتنی فحش غلطی ہے کہ ایک انسان کی زندگی میں ہزاروں روحیں مانی جائیں اور مرنے کے بعد ایک روح بھی عذاب وثواب کے لیے باقی نہ مانی جائے۔ یہ بات عقل وقدرت کے بھی خلاف ہے اور قرآن وحدیث کے بھی۔

کیا مرنے کے بعد روحوں کو ٹھہرنے کے لیے نئے اجسام ملتے ہیں؟

مسئلہ تناسخ

یہ مسئلہ جس قدر احادیث سے ثابت ہے حق ہے خواہ اسے تناسخ سے تعبیر کرو یا نہ کرو۔ فلاسفہ کا تناسخ کہ دنیا ختم نہ ہوگی اور روحیں مختلف اجسام میں یوں ہی آتی جاتی رہیں گی غلط ہے اور یہ بالکل صحیح ہے کہ شہیدوں کی روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں رہتی ہیں جو عرش سے لٹکے ہوئے قندیلوں میں قیام کرتی (ٹھہرتی) ہیں۔ اور یہ قندیلیں بمنزلہ گھونسلوں کے ہیں۔ ان الفاظ سے اس کی وضاحت بھی آگئی ہے کہ اللہ نے ان کی روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں رکھی ہیں۔ رحمۃ اللعالمین ﷺ کے اس فرمان کے کہ مومن کی روح پرندہ ہے جو جنت کے درخت سے کھاتا پیتا ہے دو احتمال ہیں یا تو جسم کی طرح یہ پرندہ روح کی سواری ہے یہ حکم اکثر مومنوں اور شہیدوں کی روحوں کا ہے یا روح پرندے کی صورت میں ہے۔ یہ ابن حزم اور ابن عبدالبر کا کلام ہے اور اس پر تبصرہ گزر چکا ہے۔

ابن حزم کا قول

رحمۃ اللعالمین ﷺ نے فرمایا کہ مومن کی روح پرندہ ہے جو چگتا پھرتا ہے یہ حدیث اپنے ظاہر پر ہے اور جاہلوں کے خیالوں کے مطابق نہیں مطلب یہ ہے کہ مومن کی روح جنت میں پرندے کی طرح اڑتی پھرتی ہے یہ مطلب نہیں کہ پرندے کی شکل وصورت میں ہے۔ نسمۃ میں تائے تانیث اسی طرح ہے جس طرح کوئی فصیح عرب کسی سے کہتا ہے: اتیت کتابی فاستخففت بھا۔ آپ نے میرے خط کی قدر نہیں کی۔ اس نے کہا تم نے کتاب مونث بنادی ہے۔ کہنے لگا: کیا کتاب کا دوسرا نام صحیفہ نہیں ہے؟ اسی پر نسمۃ کو قیاس کرلو۔ اس حدیث میں زیادتی ہے کہ روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہیں (یہ

ان قندیلوں کی صفت ہے جن میں وہ بسیرا کرتی ہیں) اور ایک ہی حدیث ہے۔

ابن حزم کے قول پر تبصرہ

ابن حزم کی یہ بات لفظی لحاظ سے بھی غلط ہے اور معنوی لحاظ سے بھی کیونکہ نسمة المومن طائر یعلق فی شجر الجنة اور ارواح الشهداء فی حواصل طیر خضر دو مختلف حدیثیں ہیں۔ تاویل کی پہلی حدیث میں تو گنجائش ہے مگر دوسری حدیث میں کسی صورت سے بھی نہیں۔ دوسری حدیث کے ایک لفظ میں حواصل کے بجائے اجواف ہے اور ایک لفظ میں خضر کے بجائے بیض ہے۔ آپؐ نے یہ بھی بتایا کہ وہ پرندے جنت میں چگتے پھرتے ہیں اس کے پھلوں سے کھاتے پیتے ہیں اور اس کی نہروں سے پانی پیتے ہیں۔ پھر عرش کے نیچے قندیلوں میں آرام کرتے ہیں جو ان کے لیے بمنزلہ گھونسلوں کے ہیں۔ ابن حزم کا یہ کہنا کہ ان پرندوں کے پوٹے قندیلوں کی صفت ہے غلط ہے۔ بلکہ یہ قندیلیں ان پرندوں کی آرام گاہیں ہیں۔ اس حدیث میں تین باتوں کی وضاحت ہے۔ روحوں کی ان سب پرندوں کی جن کے پوٹوں میں روحیں ہیں' اور قندیلوں کی جو ان پرندوں کی آرام گاہیں ہیں' قندیلیں عرش کے نیچے ہیں جو چلتی پھرتی نہیں اور پرندے چلتے پھرتے ہیں۔ اور روحیں پرندوں کے پیٹوں میں ہیں۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

اگر روح کو براہ راست پرندہ ہی مان لیا جائے اور پرندے کا جسم اس کی سواری نہ مانی جائے تو کیا خرابی ہے۔ بلکہ اس کی قرآن وحدیث سے تائید بھی ہوتی ہے فرمایا: فی ای صورة ما شاء رکبک. اللہ نے تجھے جس صورت سے چاہا بنا دیا۔ حدیث کے ایک لفظ میں ہے ان کی روحیں سبز پرندوں کی طرح ہیں۔ ابن حزم نے بھی یہی کہا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں دونوں لفظ ہیں لیکن صحیح مسلم کی روایت میں فی اجواف طیر خضر ہے۔ یعنی روحیں سبز پرندوں کے پیٹوں میں ہیں۔ شہدائے احد کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے ان کی روحیں سبز پرندوں کے پیٹوں میں رکھی ہیں۔ (ابن ابی شیبہ) کعب والی حدیث میں ہے کہ شہداء کی روحیں سبز پرندوں میں ہیں۔ (سنن اربعہ احمد) معلوم ہوا کہ پرندے روحوں کی سواریاں ہیں اس میں کوئی خرابی نہیں۔ نہ اس کے ماننے سے کوئی آئین شریعت غلط ہوتا ہے۔ اور نہ حدیث وقرآن کی مخالفت لازم آتی

ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے شہداء کی خاطر و مدارات اس طرح کی ہے کہ انہوں نے جو جسم اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کئے تھے ان کے بدلے انہیں ان سے اچھے جسم عطا فرما دیے۔ جو ان کی روحوں کی سواری کا کام دیں۔ تا کہ ان کے ساتھ وہ جنتی نعمتوں سے خوب لطف اندوز ہوں پھر قیامت کے دن ان کی روحیں دنیوی جسموں میں لوٹائی جائیں گی۔

تناسخ کا شبہ

اس سے کسی کو تناسخ کا شبہ نہ ہوا گر اسے تناسخ سے تعبیر بھی کرلو تو یہ وہ تناسخ نہیں ہے جس کے کافرو بے دین قائل ہیں بلکہ یہ مفہوم صحیح و صریح حدیث سے ثابت ہے اور اس پر ایمان لانا واجب ہے وہم تناسخ اسے باطل نہیں کرسکتا۔ جیسے اللہ تعالیٰ کے صفات و اسمائے حسنیٰ کے جو حقائق عقلی و نقلی دلیلوں سے ثابت ہیں اور جن کو نہ ماننے والے ترکیب و تجسیم کہہ دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو اس کی صفتوں سے معطل کرنے والوں کی باتوں سے مرعوب ہو کر ان سے انکار نہیں کیا جاتا۔ اسی طرح عقلی و نقلی دلیلوں سے اللہ تعالیٰ کے جو افعال ثابت ہوتے ہیں مثلاً اپنی مشیت سے کلام کرنا' روزانہ رات کو دنیوی آسمان پر اتر آنا اور یہ کہ وہ قیامت کے دن فیصلوں کے لیے بندوں میں آئے گا برحق ہیں۔ اگر کوئی انہیں حلول سے تعبیر کرے تو کرنے دو۔ اسی طرح عقلی و نقلی دلائل سے اللہ تعالیٰ کا مخلوق کے اوپر ہونا۔ ان سے الگ ہونا۔ عرش پر بیٹھنا ملائیکہ اور روحوں کا اس کی طرف چڑھنا اترنا اور اس کی طرف پاکیزہ کلموں کا چڑھنا۔ رحمۃ للعالمین ﷺ کا معراج میں اللہ کے پاس جانا اس سے قریب ہونا دونوں میں دو بلکہ اس سے بھی کم کمانوں کا فاصلہ رہ جانا ساری باتیں سچی ہیں۔ جہمیہ کے اس ڈر سے کہ وہ حیز و جہت اور جسمیت کا الزام دیں گے ان کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ امام احمدؒ کا فرمان ہے کہ کسی معترض کے ڈر سے ہم اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کا انکار نہیں کر سکتے۔ بدعتیوں کی یہ عادت ہے کہ وہ اہل سنت والجماعت کو اور ان کے اقوال کو ایسے القاب سے تعبیر کیا کرتے ہیں جن سے جاہل نفرت کریں۔ مثلاً انہیں حشو' ترکیب اور تجسیم کے نام سے پکارتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے عرش کا نام حیز و جہت رکھ لیا ہے تا کہ اس راہ سے اللہ تعالیٰ کے مخلوق کے اوپر اور عرش کے اوپر ہونے کی نفی کریں۔ جیسے رافضی صحابہؓ سے محبت کرنے والوں کو ناصبی سے اور قدریہ مجوسیہ تقدیر ماننے کو جبر سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ القاب کچھ نہیں اصل حقائق ہیں۔ جبکہ یہ حقیقت ثابت ہونے کے بعد کہ شہداء کی روحیں سبز پرندوں میں ہیں اگر کوئی اسے تناسخ کہنے لگے تو اس لفظ تناسخ سے اس معنی کی

حقیقت غلط نہیں ہوگی۔

باطل تناسخ

باطل تناسخ وہ ہے جس کے ملحد قائل ہیں اور جو زندگی بعد الموت نہیں مانتے۔ ان کے فاسد خیال میں روحیں اجسام سے جدا ہو کر اپنے اپنے اعمال کے مطابق حیوانات' زمین کے کیڑے مکوڑے اور پرندوں کی شکلیں اختیار کر لیتی ہیں۔ اور اسی چکر میں رہتی ہیں۔ یہی ان کا عذاب وثواب ہے اور اس چکر سے انہیں کبھی نجات نہیں مل سکتی کیونکہ ان کے گمان میں دنیا کا چکر کبھی ختم نہیں ہوگا۔ زندگی بعد الموت کچھ نہیں کیونکہ دنیا ختم ہی نہیں ہوگی۔ یہی وہ باطل تناسخ ہے جو تمام انبیاء کی متفقہ حقیقت (زندگی بعد الموت) کے خلاف ہے۔ اور یہی اللہ تعالیٰ کا اور آخرت کا انکار کرتا ہے۔ اس گمراہ فرقہ کے نزدیک روحوں کا مستقر جسم سے جدا ہونے کے بعد مناسب حیوانوں کے اجسام ہیں۔ یہ انتہائی گھناؤنا اور غلط قول ہے۔ اسی کے قریب قریب ان کا قول ہے جو کہتے ہیں کہ جسموں کی طرح روحیں بھی ختم ہو جاتی ہیں۔ اور عذاب وثواب جسم کے اجزاء پر یا کسی جزو پر ہوتا ہے خواہ وہ ریڑھ کی پچھلی ہڈی ہو یا کچھ اور۔ اللہ تعالیٰ اسی میں خواہ زندگی لوٹا کر یا زندگی لوٹائے بغیر ہی احساس لذت والم پیدا فرما دیتا ہے ان لوگوں کے گمان میں برزخ میں عذاب وثواب فقط جسم پر ہے۔ برخلاف ان کے وہ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ روح جسم میں کسی صورت سے بھی نہیں لوٹائی جاتی اور نہ جسم سے اس کا تعلق رہتا ہے اور عذاب وثواب فقط روح پر ہوتا ہے۔ صحیح ومتواتر حدیثیں دونوں باتیں غلط بتاتی ہیں۔ اور خبر دیتی ہیں کہ عذاب وثواب جسم و روح دونوں پر ہے خواہ اکٹھے ہوں یا علیحدہ علیحدہ۔

ارواح کے مستقر کے بارے میں قول مرجح

روح کے مستقر کے بارے میں بہت سے اقوال اور ان کی دلیلیں بیان کی گئی ہیں لیکن ان سب میں اولیت کس قول کو ہے تاکہ مسلمان اس کا عقیدہ رکھیں۔ سنئے برزخ میں روحوں کے حسب مراتب مستقر ہیں کچھ روحوں کا ٹھکانہ ملاء اعلیٰ میں اعلیٰ علیین میں ہے جیسے ارواح انبیاء کا مستقر۔ پھر انبیاء کے ٹھکانے میں بھی حسب مراتب فرق ہے۔ جیسا کہ رحمۃ اللعالمین ﷺ نے معراج میں انبیاء کو دیکھا۔ کچھ ارواح کے ٹھکانے سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہے جو جنت میں جہاں چاہتے ہیں چگتے پھرتے ہیں۔ یہ کچھ شہیدوں کی روحیں ہیں۔ سب کی نہیں۔ کیونکہ کچھ کی روحوں کو قرض وغیرہ کی وجہ سے جنت میں نہیں جانے دیا جاتا۔ جیسا کہ مسند میں ہے کہ کسی نے رحمۃ اللعالمین ﷺ سے پوچھا اگر میں اللہ تعالیٰ کی

راہ میں قتل کر دیا جاؤں تو مجھے کیا ثواب ملے گا؟ فرمایا: جنت۔ پھر جب اس نے پیٹھ موڑی تو فرمایا: سوائے اس شہید کے جس کے بارے میں ابھی حضرت جبرئیل علیہ السلام نے مجھے بتایا ہے۔ اکثر روحیں باب جنت پر روک دی جاتی ہیں۔ جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ میں نے تمہارے ایک ساتھی کو دیکھا کہ جنت کے دروازے پر روک دیا گیا ہے کچھ روحیں قبر میں بند رہتی ہیں جیسا کہ چادر والے کی حدیث میں ہے کہ کسی نے چادر چرائی تھی۔ پھر شہید ہو گیا۔ لوگوں نے اسے جنت والا سمجھا مگر رحمۃ اللعالمین ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! اس نے جو چادر چرائی تھی وہ آگ بن کر اس کی قبر میں بھڑک رہی ہے۔ کچھ روحوں کا ٹھکانہ باب جنت ہوتا ہے۔ جیسا کہ ابن عباسؓ والی حدیث میں ہے کہ شہداء جنت کے دروازے والی نہر کے کنارے پر سبز گنبد میں ہیں۔ جن سے ان کی روزی صبح و شام ان کے پاس آتی ہے۔ (احمد)

اس کے مخالف جعفر بن ابی طالب ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہاتھوں کے بدلے دو پر دے دیے ہیں وہ جنت میں جہاں چاہتے ہیں اڑ کر پہنچ جاتے ہیں۔ کچھ کی روحیں زمین ہی میں محبوس رہتی ہیں۔ ان کی ملاء الاعلیٰ تک پہنچ نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ سفلی اور ارضی روحیں ہیں آسمانی روحوں کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں۔ جیسے دنیا میں ان دونوں قسموں کی روحوں کا اجتماع نہ تھا۔ جسے دنیا میں رب کی معرفت و محبت اس کا ذکر و تقرب اور اس سے انسیت حاصل نہ ہو سکی۔ بلکہ خواہشوں اور گناہوں میں ڈوبا رہا اس کی روح جسم سے جدا ہو کر بھی اسی قسم کی ارواح کے ساتھ رہے گی جیسے بلند حوصلہ شخص کی روح جو دنیا میں اللہ کی محبت و تقرب اور انسیت کی حالات میں ڈوبا ہوا تھا جسم سے جدا ہو کر بھی اپنے مناسب ارواح علویہ کے ساتھ رہتی ہے جبکہ قیامت کے دن بھی اور عالم برزخ میں بھی انسان اسی کے ساتھ ساتھ ہے جس سے اسے محبت کا تعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ برزخ میں اور قیامت کے دن مناسب روحوں کو ملا دیتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں گزر چکا۔ یعنی پاکیزہ روحیں پاکیزہ روحوں کے ساتھ رہتی ہیں اور گندی روحیں گندی روحوں کے ساتھ۔

کچھ زانی مردوں اور عورتوں کی روحیں تنور میں رہتی ہیں۔ کچھ روحیں خون والی نہر میں تیرتی ہیں۔ اور ان کے مونہوں میں پتھر ٹھونسے جاتے ہیں۔ بہر حال روحوں کا ایک ٹھکانا نہیں ہے۔ علوی روحیں اعلیٰ علیین میں ہیں اور سفلی روحیں زمین سے آگے نہیں بڑھتیں۔ اگر تمہیں آثار میں وسیع معلومات و دلچسپی ہے تو دلائل تمہارے سامنے ہیں۔ آثار صحیحہ میں تعارض نہ سمجھ لینا۔ تمام آثار صحیح ہیں۔ اور ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں اور احکام ارواح کی معرفت پر بھی عبور حاصل ہونا چاہیے۔

ارواح کا اجسام پر قیاس قیاس مع الفارق ہے

ارواح کا اجسام پر قیاس نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ روحیں جنت میں ہونے کے باوجود آسمان پر بھی ہیں اور قبر کے پاس بھی ہیں۔ قبر والے جسم میں بھی ہیں۔ یہ اترنے چڑھنے میں انتہائی تیز رفتار ہیں۔ روحیں آزاد بھی ہیں قید بھی ہیں' بلندی والی بھی ہیں اور پستی والی بھی۔ انہیں بدن سے جدا ہونے کے بعد صحت و بیماری اور لذت و دکھ بدنی حالت اتصال سے کہیں زیادہ پہنچتا ہے۔ ان کا حال جنین سے اور پیدا ہونے کے بعد بچے سے ملتا جلتا ہے۔

روحوں کے چار گھر ہیں

روحوں کے چار گھر ہیں اور ہر لاحق گھر ہر سابق گھر سے بڑا ہے۔ پہلا گھر ماں کا پیٹ ہے جو محدود' تنگ' تاریک اور تین اندھیروں سے گھرا ہوا ہے اور دوسرا گھر دنیا ہے جہاں انسان نیکی و برائی اور سعادت و شقاوت کی کھیتی کرتا ہے۔ اور ان کے وجوہات حاصل کرتا ہے۔ تیسرا گھر برزخ ہے جو دنیا سے کھلا اور بہت بڑا ہے بلکہ ان دونوں کی نسبت وہی ہے جو پہلے دو گھروں میں تھی۔ چوتھا گھر آخرت ہے۔ یعنی جنت یا جہنم۔ آگے کوئی گھر نہیں۔

اللہ تعالیٰ آہستہ آہستہ انسان کو ایک گھر سے دوسرے گھر کی طرف منتقل کرتا ہوا آخری گھر (آخرت) میں لے آتا ہے۔ جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا تھا۔ اور جس کی پیدائش سے غرض اس گھر کی شقاوت و سعادت کا حصول تھا۔ ہر گھر کے حالات و احکام جداگانہ ہیں۔ مبارک ہیں وہ جو دنیا میں آ کر سعادت کے اسباب فراہم کرتے ہیں اور شقاوت کے کانٹوں سے دامن بچا کر آگے بڑھ جاتے ہیں۔ توحید اتباع رسول ؐ اور خواہشات سے بچنے سے حاصل ہوتی ہے۔ لہٰذا شریعت کی باتیں سچی ہیں اور اس کے خلاف ہر بات جھوٹی ہے۔

☆☆☆

سولہواں حصہ

مردوں کی روحوں کو زندوں کے کسی عمل سے فائدہ پہنچتا ہے کہ نہیں؟

تمام فقہا، محدث اور علمائے تفسیر کا اس پر اجماع ہے کہ مردوں کو زندوں سے دو طریقوں سے فائدہ پہنچتا ہے ایک صورت کا تو خود مردہ حالت حیات میں سبب تھا۔ دوسری صورت دعا، استغفار، صدقہ، حج وغیرہ ہے۔ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ عمل کا ثواب پہنچتا ہے یا خرچ کا بھی۔ جمہور کے نزدیک نفس عمل کا ثواب پہنچتا ہے اور کچھ حنفیہ کے نزدیک خرچ کا بھی۔ جسمانی عبادت (نماز، روزہ، ذکر اللہ وغیرہ) کے ثواب کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔

اکثر سلف و امام احمدؒ کے نزدیک ان کا بھی ثواب پہنچتا ہے۔ یہی قول امام ابو حنیفہؒ کے کچھ اصحاب کا بھی ہے۔ امام احمدؒ سے سوال کیا گیا کہ اگر کوئی شخص نیک عمل مثال کے طور پر نماز پڑھے یا صدقہ کرے یا کوئی اور نیک عمل کرے اور اس کا نصف ثواب اپنے والد کو یا والدہ کو بخش دے تو فرمایا یا مردے کو ہر عمل کا ثواب ملتا ہے۔ نیز فرمایا کہ تین بار آیت الکرسی اور سورۃ اخلاص پڑھ کر دعا مانگو کہ اے اللہ ان کا ثواب مردوں کو پہنچ دے۔ البتہ امام شافعی اور امام مالک رحمہم اللہ علیہم کے نزدیک نہیں پہنچتا۔

بعض اہل کلام بدعتیوں کے نزدیک کسی عمل کا بھی ثواب نہیں پہنچتا

بعض متکلم بدعتی کہتے ہیں کہ مردے کو نہ دعا کا ثواب پہنچتا ہے اور نہ کسی اور عمل کا (مگر صحیح حدیثوں کی رو سے یہ بالکل غلط ہے) پہلی صورت کی راہ سے ثواب پہنچنے کی دلیل رحمۃ اللعالمین ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ مرنے کے بعد انسان سے اس کا عمل کٹ جاتا ہے۔ بلکہ تین اعمال باقی رہتے ہیں صدقہ جاریہ یا وہ علم جس سے لوگوں کو فائدہ پہنچ رہا ہو یا نیک اولاد جو اس کے لیے دعائیں مانگتی رہتی ہو (مسلم)

اس حدیث میں ان تین اعمال کا استثناء بتا رہا ہے کہ یہ مرنے والے ہی کے عمل ہیں۔ کیونکہ وہی ان کی وجہ بنا تھا۔

(۲) مرنے کے بعد مومن کو اس کی نیکیوں اور اعمال میں سے اس عمل کا اجر ملتا ہے جسے وہ دوسروں کو سکھا گیا۔ اور لوگوں میں اسے پھیلا دیا یا نیک اولاد چھوڑ گیا جو اس کے لیے دعائیں مانگتی رہتی ہے یا قرآن ورثہ میں چھوڑ گیا یا مسجد بنا گیا یا مسافر خانہ بنا گیا یا نہر جاری کر گیا' وہ صدقہ (جاریہ) جسے حالت صحت میں اپنے ہاتھ سے کر گیا۔ ان اعمال کا ثواب مرنے کے بعد اسے پہنچتا رہے گا۔ (ابن ماجہ)

(۳) جو شخص اسلام میں کوئی اچھا رواج ڈال گیا۔ اس کا ثواب اسے ملے گا اور اس کے بعد تمام عمل کرنے والوں کو ثواب بھی ملے گا۔ اور عمل کرنے والوں کے ثواب میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ یہی حال برے کام کا ہے۔ (مسلم) یہی مفہوم متعدد صحیح و حسن احادیث سے ثابت ہے۔

(۴) رسالت کے عہد میں کسی نے لوگوں سے کچھ مانگا۔ کسی نے اسے دیا نہیں پھر ایک شخص نے اسے کچھ دیا۔ اس کی دیکھا دیکھی لوگوں نے دیا۔ (آگے مذکورہ بالا حدیث کا مفہوم ہے۔ (احمد)

(۵) جو قیامت تک بلا وجہ قتل کیا جائے گا اس کے خون میں قابیل بھی حصہ دار رہے گا۔ کیونکہ سب سے پہلے اسی نے قتل ایجاد کیا تھا۔ معلوم ہوا کہ جب عذاب میں جو عدل ہے' یہ بات ہے تو ثواب میں جو فضل ہے' بدرجہ اولی ہوگی۔

دوسری صورت کے دلائل

(۱) والذین جاء و امن بعد هم يقولون الخ اور ان کے بعد آنے والے دعائیں مانگتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں بخش دے اور ہمارے بھائیوں کو بھی جو ہم سے ایمان میں سبقت کر گئے تھے۔ اللہ تعالی نے پہلے مومنوں کے حق میں دعائیں مانگنے والوں کی تعریف فرمائی۔ معلوم ہوا کہ مردوں کو زندوں کی دعاؤں سے نفع پہنچتا ہے اس کے علاوہ پہلوں نے ایمان لا کر ایمان کی سنت نکالی تھی اور پچھلوں کے لیے نمونہ بنے تھے کہ پچھلے ان کے نقش قدم پر آسانی سے چلنے لگے اس لیے وہ وجہ بن گئے اس صورت میں یہ پہلی صورت بن جائے گی۔ لیکن چونکہ جنازے کی نماز میں مردے کے لیے دعا مانگی جاتی ہے اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ اس سے مردے کو فائدہ پہنچتا ہے اس لیے معلوم ہوا کہ دعا کا فائدہ یقینی ہے۔

(۲) رحمۃ للعالمین علیہ نے فرمایا: مردے کے لیے دعا کرو تو خلوص سے کرو۔ (سنن)

(۳) رحمۃ اللعالمین ﷺ نے ایک جنازے کی نماز میں یہ دعا مانگی۔ میں نے یہ دعا یاد کر لی:

اللھم اغفرله و ارحمه الخ اے اللہ! اسے بخش دے اس پر رحم کر اسے عافیت دے اس سے درگزر کر اس کی عزت والی خاطر فرما۔ اس کی قبر وسیع فرما اس کے گناہ پانی' برف اور اولوں سے دھو دے اور اسے سفید کپڑے کی طرح گناہوں سے پاک وصاف کر دے۔ اسے اس گھر سے بہتر گھر' گھر والوں سے بہتر گھر والے اور جوڑے سے بہتر جوڑا عطا فرما اسے جنت میں داخل فرما اور عذاب قبر و عذاب جہنم سے بچا۔ (مسلم)

(۴) آپ ﷺ نے ایک جنازے پر یہ دعا مانگی اللھم ان فلان بن فلان الخ اے اللہ فلاں بن فلاں تیری حفاظت میں ہے تیرے پڑوس سے وابستہ ہے اسے قبر کی آزمائش اور جہنم کے عذاب سے بچا' تیرا وعدہ سچا ہے لہٰذا اسے بخش دے۔ اس پر رحم فرما واقعی تو بڑا ہی مہربان اور انتہائی بخشنے والا ہے۔ (سنن) اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں بلکہ مردے پر نماز پڑھنے کا یہی مقصد ہے کہ زندوں کی دعاؤں سے اسے فائدہ پہنچے۔ اسی طرح دفن کے بعد دعا کا یہی مقصد ہے۔ چنانچہ رحمۃ اللعالمین ﷺ دفن کے بعد قبر کے پاس کھڑے ہو کر فرماتے اپنے بھائی کے لیے استحکام کی دعا مانگو۔ کیونکہ اب اس سے سوال ہو رہا ہے اسی طرح قبروں کی زیارت کے وقت مردوں کے لیے دعائیں مانگنے کا یہی مقصد ہے۔ چنانچہ قبرستان میں جاتے وقت یہ دعا بتائی گئی السلام علیکم یا اھل الدیار اے اس دیار کے مسلمانو اور مومنو! تم پر سلامتی ہو۔ اگر اللہ نے چاہا تو ہم بھی تمہارے پاس آنے والے ہیں۔ ہم اللہ سے اپنے اور تمہارے لیے عافیت کے طلب گار ہیں۔ (مسلم)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے پوچھا مردوں کے لیے کس طرح مغفرت کی دعا جائے؟ فرمایا: یوں کہو اے اس دیار کے مومنو اور مسلمانو! تم پر سلامتی ہو اور اللہ ہم میں سے آگے بڑھنے والوں پر بھی رحم فرمائے اور پیچھے رہنے والوں پر بھی۔ ہم بھی انشاءاللہ تمہارے پاس آنے والے ہیں۔ (مسلم)

ایک مرتبہ رحمۃ اللعالمین ﷺ پچھلی رات میں جنت البقیع میں تشریف لے گئے اور فرمایا: اے مومنوں کے گھر میں رہنے والے تم پر سلامتی ہو تم سے جو وعدہ تھا وہ تم نے دیکھ لیا کل قیامت بھی آ رہی ہے۔ ہم بھی انشاءاللہ تمہارے پاس آنے والے ہیں۔ اے اللہ بقیع الغرقد والوں کو بخش دے۔ (مسلم)

اسی طرح رحمۃ اللعالمین ﷺ نے مردوں کے لیے خود بھی دعائیں مانگی ہیں اور لوگوں کو بھی سکھائیں نیز صحابہ کرامؓ اور تابعین عظام اور ہر زمانے کے مسلمان مردوں کے لیے دعائیں مانگتے چلے آئے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جنت میں ایک بندے کا درجہ بلند کر دیتا ہے۔ وہ پوچھتا ہے

کہ میرا درجہ کیوں بلند ہوا؟ کہا جاتا ہے کہ تمہاری اولاد کی دعاؤں کی وجہ سے۔

مردوں کو صدقہ کا ثواب بھی ملتا ہے

ایک شخص نے رحمۃ اللعالمین ﷺ سے آ کر کہا کہ میری والدہ اچانک فوت ہو گئیں اور وصیت نہ کر سکیں اگر انہیں میرے خیال میں بات کرنے کا موقعہ ملتا تو ضرور صدقہ کرتیں۔ اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کر دوں تو کیا انھیں ثواب ملے گا؟ فرمایا: "ہاں" حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی والدہ فوت ہو گئیں اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا انھیں فائدہ پہنچے گا؟ فرمایا: "ہاں" بولے تو اچھا میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اپنا باغ (مخراف) ان کی طرف سے صدقہ میں دے دیا۔ (بخاری)

ایک شخص نے سوال کیا: یارسول اللہ ﷺ! میرے والد فوت ہو گئے۔ انہوں نے مال چھوڑا ہے اور وصیت نہیں کی۔ کیا صدقہ کرنا ان کی طرف سے کافی ہے؟ فرمایا: "ہاں" (مسلم)

حضرت سعدؓ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: یارسول اللہ ﷺ! میری والدہ فوت ہو گئیں اب ان کی طرف سے کون سا صدقہ افضل ہے؟ فرمایا: پانی' آخر آپ ﷺ نے کنواں تیار کروا دیا اور اس کا ثواب اپنی والدہ کو بخش دیا۔ (سنن احمد) عاص بن وائل نے جاہلیت میں سو اونٹوں کی قربانی کی منت مانی تھی۔ اس کے بیٹے ہشام نے اس کی طرف سے ۵۵ اونٹوں کی قربانی کر دی تھی۔ عمرو نے اس بارے میں رحمۃ اللعالمین ﷺ سے پوچھا فرمایا: اگر تمہارا باپ توحید کا اقرار کر لیتا پھر تم اس کی طرف سے روزے رکھتے اور صدقہ کرتے تو اسے ان کا ثواب ملتا۔ (احمد)

روزوں کا ثواب بھی مردوں کی روحوں کو ملتا ہے

رحمۃ اللعالمین ﷺ نے فرمایا: اگر کسی پر روزے ہوں اور وہ فوت ہو جائے تو اس کی طرف سے اس کا ولی روزے رکھ لے۔ (بخاری و مسلم)

ایک شخص نے آپ سے پوچھا یارسول اللہ ﷺ میری والدہ فوت ہو گئیں۔ ان پر ایک ماہ کے روزے ہیں۔ کیا میں ان کی طرف سے روزے رکھ لوں؟ فرمایا: "ہاں" اللہ کا قرض تو بدرجہ اولیٰ ادا کیا جائے۔ (بخاری) ایک عورت نے آپ سے پوچھا کہ میری والدہ فوت ہو گئیں۔ ان پر منت کے روزے ہیں۔ کیا میں ان کی طرف سے رکھ لوں؟ آپ نے فرمایا: تمہاری ماں پر اگر قرض ہوتا اور تم اسے ادا کر دیتیں تو کیا وہ قرض ادا ہو جاتا؟ بولی "ہاں" فرمایا تو اپنی ماں کی طرف سے روزے رکھ لو۔ (بخاری

تعلیقاً) حضرت بریدہؓ کا بیان ہے کہ میں رحمۃ اللعالمین ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں آپ سے ایک عورت نے آ کر کہا میری والدہ فوت ہو گئی ہیں۔ میں نے انہیں زندگی میں ایک لونڈی صدقہ میں دی تھی۔ فرمایا تمہیں ثواب مل گیا اور میراث سے پھر وہ تمہاری طرف لوٹ آئی۔ بولی ان پر ایک ماہ کے روزے تھے۔ کیا میں ان کی طرف سے رکھ لوں؟ فرمایا: "ہاں" رکھ لو۔ بولی انہوں نے حج بھی نہیں کیا تھا۔ کیا میں ان کی طرف سے حج بھی کر لوں فرمایا: "ہاں" حج بھی کر لو۔ (مسلم)

ایک عورت نے کشتی میں منت مانی کہ اگر اللہ نے اسے بچا لیا۔ مگر روزے رکھنے سے پہلے فوت ہو گئی اس کی بیٹی یا بہن نے رحمۃ اللعالمین ﷺ سے فتویٰ پوچھا آپ نے انہیں اس کی طرف سے روزے رکھنے کا حکم دیا۔ (سنن احمد)

روزوں کے بدلے (کھانا کھلانے) کا ثواب بھی مردوں کو پہنچتا ہے

روزوں کے بدلے (کھانا کھلانے) کا ثواب بھی مردوں کی روح کو پہنچتا ہے۔ چنانچہ رحمۃ اللعالمین ﷺ نے فرمایا جو مر جائے اور اس پر ایک ماہ کے روزے ہوں تو اس کی طرف سے ہر دن کے بدلے ایک محتاج کو کھانا کھلا دیا جائے۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ اسی سند سے مرفوع ہے اور صحیح ابن عمرؓ کا قول ہے۔ ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ جو شخص رمضان میں بیمار ہونے کی وجہ سے روزے نہ رکھ سکے تو کھانا کھلا دے۔ اب اس کے ذمہ قضا نہیں اور اگر روزوں کی منت مان لے تو اس کی طرف سے اس کے اولیا روزے رکھ لیں۔

حج کا ثواب مردوں کو بھی ملتا ہے

ایک جہنی عورت نے رحمۃ اللعالمین ﷺ سے پوچھا میری والدہ نے حج کرنے کی منت مانی تھی۔ لیکن حج کرنے سے پہلے فوت ہو گئیں۔ کیا میں ان کی طرف سے حج کر لوں فرمایا کر لو۔ بتاؤ اگر تمہاری والدہ پر قرض ہوتا تو کیا تم اسے ادا کر دیتیں؟ فرمایا اللہ کا قرض بھی ادا کرو کیونکہ اللہ کا قرض بدرجہ اولیٰ ادا کرنا چاہیے۔ حضرت بریدہؓ والی حدیث بھی اس سلسلے میں گزر چکی ہے۔

سنان بن سلمۃ جہنی کی عورت نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! میری والدہ فوت ہو گئیں انہوں نے حج نہیں کیا تھا۔ کیا ان کی طرف سے میرا حج کرنا انہیں کافی ہو گا۔ فرمایا: "ہاں" اگر تمہاری ماں پر قرض ہوتا اور تم اسے ادا کر دیتیں تو کیا ان کی طرف سے ادا نہیں ہوتا؟ (نسائی)

ایک عورت نے پوچھا کہ ان کا بچہ فوت ہو گیا اس نے حج نہیں کیا تھا۔ فرمایا: اس کی طرف سے تم حج

کر آؤ۔ یہی مسئلہ ایک شخص نے اپنے والد کے سلسلے میں پوچھا فرمایا: تمہارے والد پر اگر قرض ہوتا تو کیا تم اسے ادا کر دیتے۔ بولے: "ہاں" فرمایا تو اللہ کا قرض تو بدرجہ اولی ادا کرنا چاہیے۔

مردوں کی طرف سے قرض بھی ادا ہو جاتا ہے

تمام مسلمان اس پر متفق ہیں کہ اگر مردے کی طرف سے قرض ادا کر دیا جائے تو ادا ہو جاتا ہے اگرچہ اجنبی شخص ہی ادا کر دے۔ یا اس کے غیر ذاتی مال میں سے ادا کیا جائے۔ ابوقتادہ والی حدیث میں ہے کہ وہ مردے کی طرف سے دو دیناروں کے ضامن بن گئے تھے جب انہوں نے ادا کر دیئے تو آپ نے فرمایا: اب اسے سکون ملا ہے۔

زندہ اگر مردے کو اپنا حق معاف کر دے تو وہ ختم ہو جاتا ہے

اس پر بھی سب متفق ہیں کہ جب کسی زندہ شخص کا مردے پر کوئی حق ہو اور وہ اسے معاف کر دے تو وہ حق مردے سے ختم ہو جاتا ہے اور اس کی معافی سے فائدہ پہنچتا ہے۔ جیسے زندہ شخص کو معاف کرنے سے حق ختم ہو جاتا ہے۔ پھر نص و اجماع سے زندہ شخص کو معاف کرنے سے حق ختم ہو جاتا ہے جبکہ اس کی ادائیگی کا امکان بھی باقی ہے۔ (اگر وہ معافی قبول نہ کرے) تو مردے کی طرف سے بدرجہ اولی معافی سے حق ختم ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ ادا کرنے پر قادر نہیں۔ پھر جب مردوں کو زندوں کی معافی کا فائدہ پہنچتا ہے تو ان کے تحفوں اور ہدیوں کا بھی فائدہ پہنچنا چاہیے کیونکہ دونوں حالتوں میں کوئی فرق نہیں۔ کیونکہ عمل کا ثواب ہدیہ دینے والے کا حق ہے۔ جب وہ اپنا حق معاف کر سکتا ہے تو اپنی طرف سے ہدیہ بھی پیش کر سکتا ہے۔ قیاس بھی یہی چاہتا ہے کیونکہ عملوں کا ثواب عامل کا حق ہے۔ اگر عامل اسے اپنے کسی مسلمان بھائی کو ہبہ کر دے تو کون سی رکاوٹ ہے جیسے زندگی میں کوئی رکاوٹ نہیں اسی طرح مرنے کے بعد رکاوٹ نہیں۔ رحمۃ للعالمین ﷺ نے فرمایا کہ روزے کا بھی ثواب مردے کو ملتا ہے حالانکہ روزہ صرف ترک ہے اور عمل نہیں اور نیت ہے۔ جس کا تعلق دل سے ہوتا ہے جس کا علم سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو نہیں اس سے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ قراءت کا بھی بطریق اولی ثواب ملتا ہے جو عمل زبان کا ہے اور جسے کان سنتے اور آنکھیں دیکھتی ہیں۔ یعنی روزہ صرف نیت ہے اور کھانے پینے صحبت سے بچنا ہے جب مردے کو اللہ نے روزے کا ثواب پہنچا دیا تو قراءت کا جو عمل اور نیت دونوں سے ہے بلکہ اس میں نیت کی بھی ضرورت نہیں ہوتی بدرجہ اولی پہنچا دے گا۔ یعنی روزے کے ثواب سے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ تمام جسمانی عبادتوں کا ثواب پہنچتا ہے۔ اسی طرح صدقے کا ثواب بتا کر اشارہ

کیا کہ تمام مالی عبادتوں کا ثواب پہنچتا ہے اور حج کا ثواب بتا کر اشارہ کیا کہ تمام جسمانی و مالی دونوں نیکیوں کا بھی ثواب پہنچتا ہے۔ (جسمانی، مالی اور ملی جلی نیکیوں) تینوں قسموں کا ثواب نص اور قیاس سے ثابت ہو گیا۔

ایصال ثواب نہ ماننے والوں کی دلیلیں

مردوں کے لیے ایصال ثواب نہ ماننے والوں کی دلیلیں

(۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا وان لیس للانسان الا ماسعی. انسان کے لیے وہی ہے جو اس نے اپنی کوشش سے کیا۔ (۲) ولا تجزون الا ما کنتم تعملون. تمہیں تمہارے ہی اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ (۳) لھا ما کسبت و علیھا ما اکتسبت. نفس کے لیے وہی ہے جو اس نے کمایا اور اس پر وہی ہے جو اس نے حاصل کیا۔

(۴) صدقہ جاریہ والی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مردے کو انہیں اعمال کا ثواب ملتا ہے جن کا وہ زندگی میں سبب بن چکا ہے۔ یہی بات حضرت ابو ہریرہؓ والی حدیث سے ثابت ہوتی ہے۔ حضرت انسؓ والی حدیث میں ہے قبر میں سات اعمال کا ثواب ملتا ہے کسی کو علم سکھا گیا ہو، نہر کھدوا گیا ہو، کنواں بنوا گیا ہو، کھجور کا درخت لگایا ہو، مسجد تعمیر کی ہو، قرآن چھوڑ گیا ہو، صالح اولاد چھوڑ گیا ہو جو بعد از مرگ اس کے لیے دعائے مغفرت کرتی ہو۔ معلوم ہوا کہ درج بالا سات اعمال کے علاوہ مردے کو ثواب نہیں پہنچتا۔ ورنہ حصر بے معنی ہو جاتا ہے کہتے ہیں ہدیہ ایک قسم کا حوالہ ہوتا ہے اور حوالہ لازمی حق کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے اور یہ مانی ہوئی بات ہے کہ عمل ثواب واجب نہیں کرتے بلکہ ثواب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ پھر بندہ صرف فضل پر کیسے حوالہ دے سکتا ہے۔ جو اللہ پر واجب نہیں۔ اگر چاہے تو دے اور نہ چاہے تو نہ دے۔ مثال کے طور پر کوئی فقیر کسی کو کچھ ہبہ کرے اور ایسے شخص کا حوالہ دے دے جس سے صدقہ ملنے کی توقع ہو۔ ظاہر ہے کہ ایسا ہبہ بے کار ہے کیونکہ جس کا حوالہ دیا ہے اس پر دینا واجب نہیں چاہے وہ دے یا نہ دے۔ لہٰذا اس قسم کا ہبہ اور ہدیہ درست نہیں جیسے اس چیز کا ہدیہ درست نہیں جس کے ملنے کی بادشاہ سے توقع ہے اور یقین نہیں۔ اس کے علاوہ اسباب ثواب کا ایثار مکروہ ہے۔ جبکہ وہ قربانی عبادات کے ذریعہ ہو۔ اسلیئے نفس ثواب جو عبادتوں کی غایت ہے بدرجہ اولیٰ مکروہ ہوا۔ اسی طرح امام احمدؒ نے بطور ایثار کے پہلی صف سے پیچھے ہٹنے کو مکروہ کہا ہے۔ کیونکہ اس میں سبب ثواب سے اعراض ہے۔ امام احمدؒ سے اس سلسلے میں پوچھا گیا جو پہلی صف سے پیچھے ہٹ کر اپنی جگہ اپنے والد کو بڑھا دیتا ہے۔ فرمایا: صحیح نہیں۔

اس کے علاوہ اور بہت سی نیکیاں ہیں۔ کہ وہ والد کے ساتھ کرتا ہے نیز اگر میت کو ہدیہ جائز ہو تو پھر زندہ کو بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔ اور ثواب کا انتقال لازم آئے گا۔ نیز اگر یہ جائز ہو تو آدھا تہائی وغیرہ بھی جائز ہو گا۔ اس کے علاوہ اگر یہ جائز ہو تو اپنے لیے عمل کرنے کے بعد ہدیہ صحیح ہوگا۔ جبکہ تم کہتے ہو کہ فعل کے وقت مردے کے ہدیہ کی نیت کرلے۔ ورنہ مردے کو ثواب نہیں ملے گا۔ جب نفل ثواب جائز ہے تو فعل کے بعد اور فعل سے پہلے نیت کرنے میں کیا فرق ہے۔ نیز اگر ہدیہ جائز ہو تو زندوں پر فرائض کے ثواب کا ہدیہ بھی جائز ہوگا جس طرح نوافل کا ہدیہ جائز ہے۔

علاوہ ازیں تکالیف سے ایک قسم کا امتحان ہے اور تکالیف بدل قبول نہیں کرتیں کیونکہ ان سے مقصد مکلف و عاقل کی عین ذات ہے لہٰذا اس کے قائم مقام اس میں کوئی نہیں بن سکتا اگر کسی کے عمل سے کسی اور کو بلا اس کے اپنے عمل کے فائدہ پہنچتا تو اللہ تعالیٰ اس کا زیادہ حق دار تھا حالانکہ اس نے فیصلہ فرما دیا ہے کہ انسان بغیر کوشش کے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ پھر جس طرح یہ اصول شرع میں کارفرما ہے اسی طرح قضا و قدر میں بھی ہے مثال کے طور پر اگر کوئی بیمار یا بھوکا پیاسا یا ننگا ہو اور کوئی دوسرا شخص اس کی طرف سے دوا پی لے یا کھانا کھا لے یا پانی پی لے یا کپڑا پہن لے تو کیا اس سے بھوکے ننگے کو فائدہ پہنچ جائے گا۔ اس کے علاوہ اگر کسی غیر کا عمل کسی کو فائدہ پہنچا سکتا ہے تو اس کی طرف سے توبہ بھی فائدہ پہنچا سکتی ہے کہا جاتا ہے اسی لئے کسی دوسرے کی طرف سے اسلام و نماز قبول نہیں ہے۔ پھر جب بڑی عبادات کا یہ حال ہے تو فروعات تو بدرجہ اولیٰ اسی حکم میں ہوں گی۔ کہتے ہیں دعا تو اللہ تعالیٰ سے التجا ہے اور اس سے امید کی جاتی ہے کہ وہ مرنے والے پر مہربانی سے پیش آئے اور اس کے گناہوں کو معاف فرمائے۔ بس مردوں کے لیے زندوں کا یہی ہدیہ ہے۔

صدقہ' حج' روزوں وغیرہ کا ثواب مردے کو پہنچتا ہے اور ان کے دلائل

روایت کے مطابق عبادت کی دو قسمیں ہیں: (۱) اس عبادت میں تو قطعی نیابت کی گنجائش نہیں جیسے اسلام' نماز' روزہ اور تلاوت قرآن وغیرہ اس طرح کی عبادت کا ثواب صرف کرنے والے ہی کو ملے گا۔ اس سے دوسرے کی طرف ثواب نہیں جائے گا۔ جیسا کہ زندگی میں طریقہ کار تھا۔ اور ایک وہ قسم ہے جس میں نیابت کی گنجائش ہے۔ جیسے امانت کی ادائیگی' قرض کی ادائیگی' زکوٰۃ اور حج وغیرہ۔ اس قسم کی عبادتوں کا ثواب مردوں کو پہنچتا ہے۔ کیونکہ یہ افعال میں بھی دوسروں کی طرف سے کیے جاتے ہیں اور وہ سبکدوش ہو جاتے ہیں۔ تو مرنے کے بعد بدرجہ اولیٰ ثواب پہنچے گا۔ کہتے ہیں کہ مردوں کی طرف سے

روزہ رکھنے کی حدیث کا کئی طرح جواب ہے: (۱) امام مالکؒ نے اپنی کتاب "موطا امام مالک" میں فرمایا ہے کہ کوئی کسی دوسری کی طرف سے روزے نہ رکھے اس پر تمام متفق ہیں کسی کا اختلاف نہیں۔

(۲) مردوں کی طرف سے روزے رکھنے والی حدیث کے راوی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ہیں اور نسائی میں ان ہی سے روزوں کی ممانعت بھی آئی ہے۔

(۳) اس کے علاوہ اس حدیث کی سند میں بھی اختلاف ہے (مفہم شرح مسلم)

(۴) یہ قرآن کی آیت لیس للانسان الا ما سعی کے مخالف ہے۔

(۵) یہ نسائی کی ابن عباس رضی اللہ عنہ والی روایت کے خلاف ہے۔ جس میں ہے کہ کوئی کسی کی طرف سے نہ نماز پڑھے اور نہ روزہ رکھے۔ بلکہ اس کی طرف سے ہر روزے کے بدلے ایک مد گیہوں دے دے۔

(۶) یہ ابن عمرؓ والی حدیث کے بھی خلاف ہے کہ اگر کسی مردے پر رمضان کے روزے ہوں تو اس کی طرف سے کھانا کھلا دیا جائے۔

(۷) یہ قیاس جلی کے بھی خلاف ہے یعنی جس طرح کسی کی نماز تو بہ اور اسلام دوسرے کی طرف سے قبول نہیں ہے اسی طرح ہر نیکی ناقابل قبول ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ والی حدیث پر امام شافعیؒ کا تبصرہ

حضرت ابن عباسؓ نے ام سعدؓ کی نذر کی تعیین نہیں کی۔ ہوسکتا ہے کہ حج کی یا عمرے کی یا صدقہ کی نذر ہو۔ اور مردے کی طرف سے آپ نے اسے پورا کرنے کا حکم فرمایا ہو۔ لیکن اگر کوئی نماز روزے کی منت مان کر منت پوری کیے بغیر مر جائے تو اس کی طرف سے نماز کے بارے میں تو نہ کفارہ ہے اور نہ نماز پڑھی جائے گی ہاں روزوں کے بارے میں کفارہ ہے مگر روزے نہیں رکھے جائیں گے اگر کہا جائے کہ کیا رحمۃ اللعالمین ﷺ سے روزے رکھنے کی روایت نہیں آئی ہے تو کہا جائے گا ہاں ابن عباسؓ والی روایت ہے۔ اگر کہا جائے کہ آپ کیوں اسے نہیں مانتے؟ تب کہا جائے گا کہ زہری عبیداللہ سے اور وہ ابن عباسؓ سے اور وہ رحمۃ اللعالمین ﷺ سے نذر کی روایت کرتے ہیں لیکن اس روایت میں نذر کی تعیین نہیں ہے۔ جس طرح کہ دوسری حدیثوں میں ہے حالانکہ امام زہریؒ کا حافظہ اور عبیداللہ کا ابن عباسؓ کے پاس ایک لمبے عرصہ تک اٹھنا بیٹھنا مشہور ہے۔ اب اگر کوئی راوی زہری کے علاوہ کسی اور شخص سے جو علاوہ عبیداللہ کے ہو۔ عبیداللہ والی حدیث کے خلاف لے آئے تو قرین قیاس یہی ہے کہ وہ

محفوظ نہ ہو۔ اگر کہا جائے کہ تم اسے جانتے ہو جو یہ حدیث ابن عباسؓ سے غلط روایت کرتا ہے؟ کہا جائے گا کہ ہاں اصحاب ابن عباسؓ ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے ابن زبیرؓ سے کہا کہ زبیرؓ حد انحج سے حلال ہوئے پھر یہ ابن عباسؓ سے روایت کیا گیا کہ حد القضاء ہے۔ اور یہ بڑی غلطی ہے۔ یہی جواب روزہ رکھنے کے سلسلے میں دیا جا سکتا ہے۔ حج کے فعل میں مردوں کو خرچ کرنے کا ثواب پہنچتا ہے اور حج کے افعال کا ثواب صرف کرنے والے ہی کو پہنچتا ہے مردوں کو نہیں۔

ایصال ثواب کے مخالفین کے دلائل کی تردید

لیس للانسان الا ما سعی کے مختلف مطلب بیان کیے گئے ہیں (۱) اس آیت میں انسان سے مراد کافر ہیں کیونکہ مندرجہ بالا دلائل سے پتہ چلتا ہے کہ دوسروں کے اعمال سے بھی مومن کو فائدہ پہنچتا ہے سوال یہ رہا کہ تخصیص کہاں سے نکال لی۔ تو اس کا جواب ظاہر ہے تخصیص جائز ہے جب اس پر دلائل قائم ہوں۔ مگر یہ مفہوم بالکل کمزور ہے اور آیت میں عام مفہوم ہی مراد ہے کیونکہ اس سے پہلے جو آیتیں ہیں ان میں بھی عام مطلب ہی چلے آ رہے ہیں جیسے ولا تزروا زرۃ و زر اخری اور یہ کہ کوئی کسی کا گناہ اپنے اوپر نہیں لے گا۔ شروع سے آخر تک آیتوں کا سیاق عام معنی میں ہے۔ مثلاً و ان سعیہ سوف یری ثم یجزاہ الجزاء الاوفی اور یہ کہ انسان جلد ہی اپنی کوششیں دیکھ لے گا۔ پھر اسے پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ یہاں بھی عام معنی مراد ہے۔ جو نیک و بد اور مومن و کافر سب کو شامل ہے جس طرح اس آیت میں عام معنی مراد ہیں: فمن یعمل مثقال ذرۃ الخ کہ جو بھلائی یا برائی کرے گا اسے دیکھ لے گا۔ اسی طرح اس حدیث قدسی میں عام مطلب ہے کہ اے میرے بندو میں نے تمہارا ایک ایک عمل گن رکھا ہے پھر میں تمہیں ان کا پورا پورا بدلہ دوں گا۔ پھر جو بھلائی پائے اللہ کی تعریف کرے اور جو بھلائی کے علاوہ پائے وہ اپنے اوپر ہی ملامت کرے یہ آیت بالکل اس آیت کی طرح ہے: یا ایھا الانسان انک کادح الخ اے انسان! تو اپنے رب کے پاس جانے تک خوب محنت کر رہا ہے۔ مفسرین کی اس بات سے دھوکہ نہ کھا جانا کہ قرآن میں انسان سے فلاں جگہ ابوجہل، فلاں جگہ عقبہ بن ابی معیط اور فلاں جگہ ولید بن مغیرہ مراد ہیں۔ ایسا نہیں ہے۔ جبکہ نوع انسان بلا تخصیص کے مراد ہے جیسے مندرجہ ذیل آیتوں میں نوع انسان مراد ہے: ان الانسان لفی خسر۔ ان الانسان لربہ لکنود۔ ان الانسان خلق ھلوعا۔ ان الانسان لیطغی۔ ان الانسان لظلوم کفار۔ و حملھا الانسان انہ کانا ظلوما جھولا۔

انسان بڑے ہی گھاٹے میں ہے' انسان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے' انسان کی فطرت میں بے صبری ہے' انسان مال دیکھ کر بے قابو ہو جاتا ہے' انسان بڑا ظالم و ناشکرا ہے' انسان نے امانت اٹھالی' کیونکہ وہ بڑا ظالم و جاہل ہے۔ یہ انسان کی فطری اور ذاتی صفتیں ہیں وہ ذاتی اعتبار سے ان عادتوں سے بچ نہیں سکتا۔ جب تک رب کی توفیق و مہربانی اس کا ہاتھ نہ پکڑے اور کھینچ کر ان سے باہر نکال لے۔ اللہ ہی نے انسان کو ایمان کی محبت دی اور اس کا دل اس سے آراستہ فرمایا اور اسے کفر' فسق اور گناہوں سے نفرت دلائی۔ وہی انبیاء اور اولیاء کو دین پر قائم رکھتا ہے اور وہی ان سے برائی اور بے حیائی دور فرماتا ہے رحمۃ اللعالمین ﷺ کے سامنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ شعر گنگنایا کرتے تھے ؎

واللہ لولا اللہ ما اھتدینا ولا تصدقنا ولا صلینا

''اللہ کی قسم! اگر اللہ نہ ہوتا تو ہم صحیح راہ نہ پاتے' نہ صدقہ کرتے اور نہ نماز پڑھتے۔''

فرمایا: "وما كان لنفس ان تومن الا باذن الله۔" اللہ کے حکم کے بغیر کوئی ایمان نہیں لا سکتا۔ "وما يذكرون الا ان يشاء الله۔ وما تشاؤون الا ان يشاء الله۔" یعنی تمہاری یاد و مشیت کچھ نہیں جب تک کہ اللہ کی مشیت کارفرما نہ ہو۔ (۲) یا یہ مطلب ہے کہ پہلی شریعتوں میں یہی حکم تھا۔ لیکن دلائل کی رو سے ہماری شریعت میں یہ حکم ہے کہ انسان کو اس کی اپنی کوششوں کا بھی ثواب ملتا ہے اور ان کوششوں کا بھی جو اس کے لیے دوسرے کرتے ہیں۔ یہ مطلب یا تو پہلے مطلب کی جنس سے ہے یا اس سے بھی گیا گزرا ہے۔ کیونکہ یہاں یہ جملہ اثبات و احتجاج کے مقام پر ہے تردید کے مقام پر نہیں۔ اسی وجہ سے فرمایا ام لم ينبا بما في صحف موسى "کیا اسے موسیٰ (علیہ السلام) کے صحیفوں کی باتوں کی خبر نہیں ملی۔" مطلب پہلی شریعتوں میں بھی یہ باتیں بتائی گئی ہیں۔ اور اس شریعت میں بھی۔ (۳) لام علیٰ کے مطلب میں ہے یعنی انسان پر وہی ہے جو اس نے کوشش کی۔ یعنی اس پر اسی کے برے اعمال کا وبال پڑے گا۔ دوسروں کے برے اعمال کا نہیں یہ بھی باطل ہے کیونکہ اس سے معنی و مفہوم ہی پلٹ جاتا ہے اور ایسا معنی سمجھنا جس سے مفہوم الٹا ہو جائے اور الفاظ بھی مدد نہ کریں ناجائز ہے ولهم اللعنة میں ل على کے معنی میں نہیں بلکہ اپنے اصل معنی میں ہے۔ یعنی ان کے لیے بھی لعنت کا حصہ ہے اور لی درہم میں بھی ل على کے معنی میں محاورے کے اعتبار سے لینا غلط ہے عربی زبان میں ہرگز ایسا محاورہ نہیں۔

(۴) یا یہاں حذف ہے یعنی ما سعى کے بعد او سعى له محذوف ہے۔ یہ بھی ٹھیک نہیں کیونکہ

اس میں ایسا حذف مانا جارہا ہے جس پر سیاق کسی صورت سے بھی دلالت نہیں کرتا اور اللہ پر اور اس کی کتاب پر بلاعلم کے بات ہے۔

(۵) یہ آیت منسوخ ہے اور ناسخ آیت والذین آمنوا و اتبعتهم ذریتهم الخ اور جو ایمان والے ہیں اور ان کی اولاد ایمان میں ان کے نقش قدم پر ہے۔ ہم ان سے ان کی اولاد ملا دیں گے۔ یہ تفسیر ابن عباسؓ سے بھی نقل کی جاتی ہے لیکن یہ بھی کمزور ہے۔ ابن عباسؓ یا کسی اور کے منسوخ کہنے سے تنسیخ ثابت نہیں ہوتی۔ جبکہ دونوں آیتوں میں تطبیق نہ ممتنع ہے اور نہ دشوار کیونکہ آخرت میں دنیا کی طرح بیٹے اپنے باپوں کے تابع ہوں گے۔ یہ تبعیت باپوں کی بزرگی اور ثواب کی بنیاد پر ہے۔ جن کو انہوں نے اپنی کوششوں سے حاصل کیا۔ لیکن بیٹوں کا باپوں کے درجہ میں بغیر اعمال کے لاحق ہونا ان کی وجہ سے نہیں بلکہ ان کے باپوں کی وجہ سے ہے۔ کہ اللہ نے جنت میں ان کے پاس ان کی اولاد کو پہنچا کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیں۔ اور بیٹوں پر شفقت کی جس کے وہ حق دار نہ تھے۔ جیسا کہ حور و غلمان پر اور اس مخلوق پر جسے وہ جنت کے لیے پیدا کرے گا بلا ان کے اعمال کی مہربانی فرمائی اور ان پر بھی جنہیں اللہ بغیر کسی عمل کے صرف اپنی مہربانی سے جنت عطا فرمائے گا۔

معلوم ہوا کہ ان لا تزروا زرۃ و زر اخری اور ان لیس للانسان الا ماسعی دونوں محکم ہیں اور یہی فیصلہ رب کی عدالت و حکمت و کمال القدس چاہتا ہے اور عقل و فطرت اس فیصلہ کے گواہ ہیں۔ عقل چاہتی ہے کہ کسی غیر کے جرم پر انسان نہ پکڑا جائے اور فطرت چاہتی ہے کہ انسان کی نجات اسی کے اعمال و مساعی پر ہو۔ پہلی آیت انسان کو مطمئن کر دیتی ہے کہ وہ کسی کے جرم پر نہیں پکڑا جائے گا جیسا کہ دنیا میں کبھی کبھی کرتا ہے کوئی اور پکڑا جاتا ہے کوئی اور دوسری آیت یقین دلاتی ہے کہ مغفرت اپنے اعمال پر ہے۔ باپ دادا کے اور بزرگوں اور مشائخ کے اعمال پر نہیں جیسا کہ بعض جہلاء نے سمجھ رکھا ہے کہ ہمیں ہمارے پیر بخشوا دیں گے۔

قارئین محترم! ان آیتوں کے حسن اجتماع پر غور کریں اور لطف اندوز ہوں اس کی مثال یہ آیت ہے من اهتدی الخ جس نے راہ پائی اس سے اسی کو فائدہ پہنچے گا۔ اور جو بھٹک گیا اس سے اسی کو نقصان ہو گا۔ اور کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا اور ہم رسول بھیجنے سے پہلے عذاب کرنے والے نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں غیر مسلموں کے لیے چار احکام بیان فرمائے یہ چاروں احکام عدالت و حکمت کی غایت ہیں: (۱) ہدایت سے ارباب ہدایت کو فائدہ پہنچے گا۔ کسی غیر کو نہیں (۲) گمراہی سے ارباب ضلالت ہی کو نقصان پہنچے گا کسی اور کو نہیں (۳) کوئی

کسی غیر کے جرم میں نہیں پکڑا جائے گا۔(۴) کسی پر اس وقت تک عذاب نہ ہوگا۔ جب تک اس کے پاس رسول بھیج کر حجت قائم نہ کر دی جائے۔ غور کیجئے ان چاروں مسائل کے ذیل میں کس قدر اللہ کی حکمت و عدالت اور فضل و کرم جوش مار رہا ہے۔ اسی طرح دھوکا کھانے والوں اور جھوٹی امیدیں رکھنے والوں کی اور اللہ کے اسماء و صفات سے جاہل رہنے والوں کی کیسی تردید ہو رہی ہے۔(۶) یا یہاں انسان سے مراد زندہ انسان ہے مردہ نہیں۔ یہ بھی سابقہ احتمال کی طرح غلط ہے۔ یہ لفظ عام میں غلط تصرف ہے۔ صاحب تصرف الفاظ کے دلائل نظر انداز کر دیتا ہے اور خلاف موضوع پر محمول کر لیتا ہے۔ ایسا تصرف قطعی باطل ہے۔ جسے سیاق آیت' قیاس' شرعی قواعد' شرعی دلائل اور شرعی عرف باطل ٹھہراتا ہے۔ اس قسم کے غلط تصرفات کا سبب ذاتی عقائد پر مبنی ہے کہ انسان پہلے کوئی عقیدہ قائم کر لیتا ہے پھر اس عقیدے کے خلاف جو نص آتی ہے تو جس طرح ممکن ہوا سے توڑ مروڑ کر اپنے عقیدے کے ہموا بنانا چاہتا ہے عقائد کے خلاف دلائل کی اس طرح مدافعت کی جاتی ہے جس طرح لاپرواہ کر دشمن کا مقابلہ کیا جاتا ہے دلائل میں اسی وقت تصادم ہوتا ہے جب حق و باطل مل جائیں سچائی کے دلائل آپس میں کبھی نہیں ٹکراتے بلکہ ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں۔

(۷) یا انسان نے اپنی محنت اور حسن معاشرت سے دوست پیدا کیے' اولاد پیدا کی' نکاح کیا اور لوگوں سے محبت و حسن سلوک کیا جس کے نتیجے میں انہوں نے بھی ترس کھا کر عبادتوں کے بدلے اسے بھیجے۔ گویا یہ ہدایا اسی کی کوشش کے نتائج ہیں۔ جیسا کہ رحمۃ اللعالمین ﷺ نے فرمایا سب سے اچھی پاکیزہ روزی یہ ہے کہ انسان خود کما کر کھائے اور اس کی کمائی میں اس کی اولاد بھی شامل ہے۔ اسی معنی کی طرف صدقہ جاریہ والی حدیث اشارا کرتی ہے۔ یہیں سے امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اولاد ماں باپ کی طرف سے حج بدل کر سکتی ہے اجنبی نہیں۔ کیونکہ اولاد کا بیسہ ماں باپ کا بیسہ ہے اور اب ان پر حج واجب ہے۔ یہ درمیانے درجے کا جواب ہے۔ اور اس کی تکمیل کی ضرورت ہے کیونکہ انسان ایمان و اطاعت کی وجہ سے اپنے ذاتی اعمال کے ساتھ اپنے بھائیوں کے اعمال سے بھی فائدہ اٹھائے گا جیسا کہ دنیا میں فائدہ اٹھایا کرتا تھا۔ کیونکہ مشترک اعمال میں مومن بعض بعض کے اعمال سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ مثال کے طور پر جماعت کی نماز سے ہر نمازی دوسرے نمازیوں کی وجہ سے ستائیس گنا زیادہ کا فائدہ اٹھا رہا ہے کیونکہ دوسرے نمازی اس کے ساتھ شریک نماز ہیں۔ اور غیروں کا عمل اس کے ثواب کی زیادتی کا سبب ہے۔ جیسے اس کا عمل غیروں کے ثواب کے زیادہ ہونے کی وجہ ہے۔ بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ نمازیوں کی تعداد کے مطابق نماز کا ثواب بڑھ جاتا ہے۔ اسی پر جہاد' حج' تبلیغ اور ہر نیکی و تقویٰ کا قیاس کر لو۔ ہر ایک کام کا

ثواب اکٹھا کرنے سے بڑھ جاتا ہے۔

رحمۃ اللعالمین ﷺ نے فرمایا: مومن مومن کے لیے عمارت کی طرح ہے کہ ایک سے دوسرے کو تقویت پہنچتی ہے۔ پھر آپ نے انگلیوں میں انگلیاں ڈال کر بتایا کہ اس طرح' یہ تو ظاہر ہے کہ مذہبی معاملات میں بہ نسبت دنیاوی معاملات کے اجتماعی طاقت کی زیادہ ضرورت ہے۔ لہٰذا اسلام کے سلسلہ میں منسلک ہونا باہمی انتفاع کا دنیوی زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی سب سے بڑا سبب ہے۔ اور مردوں کو ثواب پہنچنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے اللہ تعالیٰ نے عرش اٹھانے والے فرشتوں اور ارد گرد والے فرشتوں کی طرف سے خبر دی ہے کہ مومنوں کے لیے اس کے لیے اس کے مقدس رسول حضرت نوح علیہ السلام' حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ بھی دعا و استغفار کرتے ہیں۔ لہٰذا انسان اپنے ایمان کی وجہ سے ان کی نیک دعاؤں سے فائدہ اٹھانے کا سبب بن گیا اور یہ سب اس کے اعمال میں سے ہیں۔ مسلمانوں کی دعاؤں اور اعمال سے فائدہ اٹھانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایمان کو ارباب ایمان کے لیے سبب بنا دیا ہے۔ پھر جب کوئی ایمان لے آیا تو اس نے وہ سبب کمایا جس کی وجہ سے وہ اپنے بھائیوں کے اعمال اور دعاؤں سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

رحمۃ اللعالمین ﷺ نے عمروؓ سے فرمایا تھا کہ اگر تمہارا باپ اللہ کو ایک مان لیتا تو اسے تمہارا یہ عمل پہنچ جاتا' اسکے مرنے کے بعد تم نے اس کی طرف سے جو یہ غلام آزاد کیا ہے اسے اس نیکی کا ثواب ملتا جاتا۔

(۸) یا اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن نے دوسروں کے اعمال سے فائدہ پہنچنے کی نفی نہیں کی۔ بلکہ غیر کے اعمال سے ملکیت کی نفی کی ہے۔ دونوں صورتوں میں بہت فرق ہے یعنی انسان اپنی ذاتی اعمال کا مالک ہے۔ غیروں کے اعمال کا نہیں۔ کیونکہ ان کے غیر مالک ہیں۔ اگر وہ چاہیں تو دوسروں کو دے دیں اور نہ چاہیں تو اپنے لیے ہی محفوظ رکھیں۔ ہمارے شیخ کو یہی معنی پسند ہیں اور اسی کو ترجیح دی ہے۔

لیس للانسان الخ کے ہم معنی آیات

اس آیت کے ہم معنی آیات حسب ذیل ہیں:

(۱) لھا ما کسبت و علیھا ما اکتسبت (انسان کی کمائی کا اسے فائدہ پہنچے گا اور اسی کا وبال اس پر پڑے گا)

(۲) ولا تجزون الا ما کنتم تعملون. (تمہیں تمہارے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا) پس اس

آیت کا سیاق صراحت سے بتاتا ہے کہ انسان کی پکڑ اسی کے اعمال پر ہوگی کسی اور کے اعمال پر نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فالیوم لا تظلم نفس شیئا الخ (آج کسی پر ذرا سا بھی ظلم نہ ہوگا اور تمہیں تمہارے ہی اعمال کا بدلہ ملے گا) مطلب نہ کسی کی برائیوں میں اضافہ ہوگا نہ کسی کی نیکیاں گھٹائی جائیں گی اور نہ کسی غیر کے اعمال کی وجہ سے سزا دی جائے گی۔ اس بات کی نفی نہیں ہے کہ کسی غیر کے اعمال سے جزا کے طور پر کوئی فائدہ بھی نہیں اٹھائے گا۔ کیونکہ مردوں کا زندوں کے ہدیوں سے فائدہ اٹھانا اپنے اعمال پر جزا کے طور پر نہیں ہے بلکہ صرف اللہ کا صدقہ ہے اور اس کا فضل و کرم ہے اس نے غیر اجزا کے طور پر اپنے کسی بندے کے عمل کا ثواب جو اس نے ہبہ کر دیا تھا اسے عطا کر دیا ہے۔

صدقہ جاریہ والی حدیث کا جواب

صدقہ جاریہ والی حدیث سے استدلال قطعی غلط ہے کیونکہ اس میں رحمۃ اللعالمین ﷺ نے مرنے والے کے انقطاع عمل کی خبر دی ہے انتفاع عمل کی نہیں۔ غیروں کے عملوں کا ثواب عاملوں ہی کے لیے ہے۔ اگر کوئی عمل کرنے والا اپنے کسی عمل کا ثواب کسی مردے کو بخش دے تو اسے اس عامل کے عمل کا ثواب پہنچ جائے گا اپنے عمل کا نہیں۔ کیونکہ مرنے سے اپنے عمل تو ختم ہو چکے معلوم ہوا کہ منقطع ہونے والی چیز اور ہے اور پہنچنے والی چیز اور ہے۔ اس حدیث کا جواب ہے یہی کہ مرنے والے کے ساتھ اس کی نیکیاں اور اعمال جاتے ہیں۔

باطل قیاس کا جواب

آپ کا کہنا یہ ہے کہ ہدیہ حوالہ ہوتا ہے اور حوالہ اسی حق کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے جو لازمی ہوتا ہے۔ صحیح ہے مخلوق کا مخلوق پر حوالہ اسی قسم کا ہوتا ہے لیکن مخلوق کا خالق پر حوالہ اس کے علاوہ ہے۔ اس قسم کے حوالہ کا اس قسم پر قیاس کرنا غلط ہے۔ نص و اجماع سے ثابت ہے کہ اگر مردے کا قرض ادا کر دیا جائے یا اس کی طرف سے حقوق واجبہ ادا کر دیے جائیں اور صدقہ کر دیا جائے اور حج کر لیا جائے تو ان اعمال سے اسے فائدہ پہنچے گا۔ اس نص و اجماع کو ہٹانے کا کوئی طریقہ ہی نہیں۔ اسی طرح روزوں کا ثواب پہنچتا ہے۔ غلط قیاس شرعی قواعد نصوص سے نہیں ٹکرا سکتے۔

ایثار عبادت کی کراہیت کا جواب

تمہارا یہ کہنا کہ چونکہ سبب کے واسطے سے ایثار مکروہ ہے (عبادتوں کا ایثار مکروہ ہے) اس لئے اس

کا ایثار بھی مکروہ ہے۔ جو عبادتوں کی غرض وغایت ہے۔ یعنی ثواب کا ایثار بدرجہ اولیٰ مکروہ ہے۔ اس کے چند جواب ہیں:

(۱) زندگی میں انجام کی سلامتی کی خبر نہیں ہوتی' ہوسکتا ہے جس پر عبادت کا ایثار کیا ہو وہ مرتد ہو جائے۔ اس صورت میں وہ ایثار نا اہل پر ہوا۔ اس لیے علماء دین نے عبادتوں کا ایثار مکروہ قرار دیا۔ یہ خطرہ مگر موت سے جاتا رہتا ہے اس لیے مردے کے لیے ایثار مکروہ نہیں۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

اگر کوئی کہے کہ باطن کا علم تو اللہ ہی کو ہے۔ ہوسکتا ہے جسے ثواب بخشا گیا ہو وہ باطن میں اسلام پر فوت نہ ہوا ہو۔ اسلیے ثواب سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا مگر یہ اعتراض زیادہ کمزور ہے اس لیے کہ ثواب بخشنا تو نماز جنازہ اور دعا و استغفار کی طرح ہے اگر نا اہل مردہ ہے تو اس کا ثواب عاملوں پر ہی لوٹ آئے گا۔

(۲) عبادات کا ایثار عبادات سے لاپرواہی اور سستی پر دلالت کرتا ہے۔ اسے اگر جائز قرار دے دیا جائے تو اس کا انجام عبادتوں سے پیچھے ہٹنا' ان میں سستی کرنا اور ان سے ہاتھ دھو لینا ہے بخلاف عبادات کے ثواب بخشنے کے۔ کیونکہ عامل طمع ثواب کی غرض سے ان میں رغبت کرتا ہے اور انہیں دوڑ کر کرتا ہے تاکہ خود فائدہ اٹھائے یا اپنے کسی بھائی کو فائدہ پہنچائے۔ دونوں میں صاف فرق ہے۔

(۳) ایثار عبودیت کے مقصد کے خلاف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو عبادتوں میں دوڑ دھوپ اور رغبت محبوب ہے۔ جیسے دنیا کے بادشاہ اپنی خدمات میں پوری پوری توجہ اور انتہائی دلچسپی چاہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے عبادتیں واجب فرمادی ہیں یا مستحب اگر کوئی عبادت میں ایثار کرتا ہے تو واجب یا مستحب کو چھوڑ کر کے غیر پر ڈال دیتا ہے اور خود دست بردار ہو جاتا ہے اس صورت سے عبادت کا مقصد ہی ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس اگر خود عبادت کر کے اس کا ثواب کسی اور کو بخش دے تو اس میں کوئی غلطی نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **سابقوا الی مغفرۃ الخ** (اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور اس جنت کی طرف دوڑو جس کی چوڑائی آسمان وزمین کے برابر ہے) پھر ارشاد ربانی ہے: **فاستبقوا الخیرات** (نیکیوں میں سبقت کرو) ظاہر ہے کہ عبادتوں میں ایثار ان میں سبقت کرنے اور دوڑنے کے برعکس ہے۔ صحابہ کرامؓ عبادتوں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کیا کرتے تھے اور کسی کو ترجیح نہیں دیا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ اللہ کی قسم! حضرت ابوبکرؓ کی اور میرا جس نیکی میں مقابلہ کروں حضرت ابوبکرؓ مجھ سے آگے نکل گئے۔ حضرت عمرؓ نے آخر ہار کر فرمایا کہ میں کسی نیکی

میں آئندہ تمہارے ساتھ دوڑ نہ لگاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وفی ذلک فلیتنافس المتنافسون. (اور اس میں رغبت کرنے والوں کو رغبت کرنی چاہیے۔ یعنی مقابلہ کی وجہ سے رغبت کرنی چاہیے کہ میں ہی سب سے آگے رہوں اور ایثار میں بجائے رغبت کے اعراض کا پہلو نکلتا ہے۔

اگر مردوں کو بخشنا جائز ہے تو زندوں کو ثواب بھی بخشنا جائز ہونا چاہیے!

اس کے دو جواب ہیں: (۱) ہاں زندوں کو بھی ثواب بخشنا جائز ہے۔ اکثر اصحاب احمد وغیرہ کا یہی کہنا ہے۔ قاضی صاحب فرماتے ہیں: امام احمدؒ کے کلام سے مردے کی تخصیص ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ انہوں نے فرمایا ہے: نیکی کرکے اس کا ثواب آدھا آدھا ماں باپ کو بخش دے۔ اس پر ابوالوفا ابن عقیل نے اعتراض کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ یہ عقل سے بالاتر ہے۔ شریعت کے ساتھ مذاق ہے۔ اور اللہ کی امانت میں بے جا تصرف ہے۔ موت کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایصال ثواب کا طریقہ استغفار و نماز جنازہ کی رو سے بتا دیا ہے۔ ایک سوال اور آگے اٹھاتے ہیں کہ اگر کوئی کہے جیسے زندگی میں کوئی کسی کا قرض کا بوجھ اٹھالیتا ہے موت پر بھی اسی طرح اٹھا سکتا ہے۔ حیات و موت کی ضمانت میں کیا فرق ہے؟ دونوں سے مطالبہ ختم ہو جاتا ہے۔ اگر یہ بات ہے تو حیات و موت دونوں حالتوں میں ایصال ثواب قرین قیاس ہے۔ پھر جواب دیتے ہیں کہ اگر دونوں حالتوں میں ایصال ثواب صحیح ہو تو لازم ہے کہ زندوں کے گناہ دوسرے زندوں کی توبہ سے مٹ جائیں اور غیر کے اعمال سے ان سے آخرت کا بار ٹل جائے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ لزوم باطل ہے بلکہ زندہ لوگوں کا دوسروں کی دعا و استغفار سے فائدہ اٹھانا اور ان کے قرض کو ادا کرنے سے سبکدوش ہو جانا صاف بتا رہا ہے کہ یہ لزوم باطل ہے۔ ہاں رحمۃ اللعالمین ﷺ نے مجبور و عاجز زندہ کی طرف سے حج کرنے کی معافی دی ہے کچھ نے یہ کہا دیا ہے کہ زندگی میں انجام کی سلامتی کا بھروسہ نہیں کیونکہ ہدیہ دیئے جانے والے کے مرتد ہونے کا ڈر ہے پھر اسے ہدیہ سے فائدہ نہیں پہنچے گا۔ ابن عقیل فرماتے ہیں یہ باطل عذر ہے کیونکہ یہ ڈر تو ہدیہ دینے والے کے ساتھ بھی ہے کہ وہ مرتد ہو کر مر جائے اور اس کے عمل ضائع ہو جائیں جن میں سے ایک عمل کا ثواب ہدیہ میت بھی تھا۔ مگر میں کہتا ہوں کہ یہ لزوم ہی باطل ہے۔ نص و اجماع کے دلائل اسے باطل کر رہے ہیں کیونکہ رحمۃ اللعالمین ﷺ نے حج اور روزے کی میت کی طرف سے اجازت دی ہے اور اس پر تمام متفق ہیں کہ اگر زندہ مردے کی طرف سے قرض ادا کرے تو وہ بری ہو جائے گا۔ حالانکہ مندرجہ بالا خدشے دونوں کے ساتھ موجود ہیں یہ بھی جواب دیا جا سکتا ہے کہ زندہ نے مردے کو جن نیکیوں کا ثواب بخشا ہے اب وہ

مردے کی ملکیت ہو گیا ہے۔ اب اگر زندہ مرتد ہو جائے تو وہ باطل نہ ہو گا۔ کیونکہ وہ عمل اس کی ملکیت سے نکل چکا' مثال کے طور پر مرتد ہونے سے پہلے غلام آزاد کیے تھے یا کفارہ دیا تھا تو ظاہر ہے کہ ارتداد کا ان تصرفات پر کچھ اثر نہیں پڑے گا۔ بلکہ اگر اپاہج زندہ کی طرف سے حج بھی کیا تھا تو ارتداد سے اس کے حج پر اثر نہیں پڑے گا۔ کہ اب وہ کسی اور سے حج کرائے کیونکہ جس سے بھی حج کرائے گا اس کے ساتھ بھی یہی خدشہ موجود ہے اس کے علاوہ زندوں اور مردوں میں فرق ہے زندہ مردے کی طرح محتاج نہیں ہے۔ کیونکہ زندہ کو عمل کا موقع حاصل ہے ہو سکتا ہے وہ خود عمل کر لے۔ لیکن مردے کو یہ موقعہ حاصل نہیں۔ مزید اگر کسی زندہ کے عمل سے یا توبہ سے دوسرے زندہ حضرات کو فائدہ پہنچنا مان لیا جائے تو امیر اپنی عبادات کا بوجھ غریبوں پر ڈال دیں۔ کیونکہ وہ کرائے پر آدمی کر کے اپنی عبادتیں ان سے ادا کرا لیا کریں۔ اور عبادتیں معاوضہ سے حاصل کی جا سکیں۔ جس کا لازمی نتیجہ فرائض و نوافل کو ساقط کرا دینا ہے۔ اور جو عبادتیں اللہ کے قربت کا وسیلہ ہیں وہ آدمیوں کے قرب کا ذریعہ بن جائیں' اخلاص سے خالی ہو جائیں اور کسی کو بھی ثواب نہ ملے' نہ کرنے والے کو نہ کرانے والے کو ہم ہر اس عبادت پر جو قرب کا ذریعہ ہو اجرت لینے سے منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اجرت لینے سے ان کا اجر جاتا رہتا ہے۔ اجر انہی کو ملتا ہے جو صرف اللہ کے لیے عمل کرتے ہیں۔ محاسن شرع کی یہ شان نہیں کہ عبادتوں کو معاملات بنا دیا جائے کہ ان سے اجرت و معاش مدنظر ہو۔ قرض وغیرہ کی ضمانت اس لیے جائز ہے کہ یہ آدمیوں کے حقوق ہیں۔ ان میں بنا بریں ضمانت زندگی میں بھی جاری ہوتی ہے۔ اور مرنے کے بعد بھی۔

جزئی ایصال ثواب بھی جائز ہے

تمہارا یہ کہنا غلط ہے کہ اگر کسی عمل کا ایصال ثواب جائز ہو تو جزئی ایصال ثواب بھی جائز ہونا چاہیے اس کو ہم نہیں مانتے کہ کلی ایصال جائز ہو تو جزئی بھی جائز ہو کیونکہ یہ صرف تمہارا دعویٰ ہے جو تشنہ دلیل ہے۔ اس کے علاوہ جزئی ایصال ثواب بھی اگر مان لیا جائے تو کیا غلط ہے خود امام احمدؒ نے اس کی تصریح فرمائی ہے انسان اپنی ملکیت میں جس طرح چاہے تصرف کرے جائز ہے کہ اگر ایک عمل کا تمام مردوں کو ثواب پہنچائے تو سب کو پہنچ جائے گا۔ مثال کے طور پر چار کو پہنچائے تو چاروں کو چوتھائی پہنچ جائے گا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ امام احمدؒ سے یہ شرط منقول نہیں ہے اور نہ ہی پہلے علماء کے کلام میں پائی جاتی ہے۔ البتہ پہلے علماء میں سے قاضی وغیرہ نے یہ شرط لگائی ہے جس نے عمل کے شروع میں ایصال ثواب کی نیت کی شرط لگائی ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ عمل کا ثواب سیدھا مردے کو پہنچ جائے۔ اور جس نے عمل

کر کے بعد میں ایصال ثواب کی نیت کی پہلے اسے اس عمل کا ثواب ملے گا۔ پھر وہ ثواب اس سے منتقل ہو کر مرنے والے کو پہنچ جائے گا۔

ابو عبداللہ بن حمدان کا قول

ابو عبداللہ بن حمدان فرماتے ہیں کہ شروع عمل میں اگر ایصال ثواب کی نیت نہیں کی تو عمل کا ثواب عمل کرنے والے کو ملے گا۔ جو قابل انتقال نہیں ہے کیونکہ عمل پر ثواب اس طرح مرتب ہوتا ہے جیسے موثر پر اثر مرتب ہوتا ہے اگر کسی نے اپنی طرف سے غلام اسی وجہ سے آزاد کیا تو حق ولا اسی کو ملے گا اس سے دوسرے کی طرف منتقل نہ ہوگا۔ البتہ اگر شروع میں غیر کی طرف سے آزاد کرے گا تو حق ولا غیر کو پہنچے گا۔ اسی طرح اگر کوئی اپنی طرف سے قرض ادا کرے اور ادا کرنے کے بعد نیت تبدیل کر کے یہ نیت کر لے کہ زید کی طرف سے ادا کر دیا ہے تو یہ صحیح نہیں۔ اسی طرح اگر اپنا حج کرے یا اپنا روزہ رکھے یا اپنے لیے نماز پڑھے پھر غیر کی طرف سے نیت کرنے تو جائز نہیں۔ جنہوں نے رحمۃ اللعالمین ﷺ سے ایصال ثواب کا فتویٰ پوچھا تھا یہی پوچھا تھا کہ ہم اپنی طرف سے جو صدقہ کر چکے کیا اس کا ثواب انہیں پہنچ سکتا ہے؟ اسی طرح آپ سے عورت نے پوچھا تھا کیا میں اپنی والدہ کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ اور ایک مرد نے پوچھا تھا کیا میں اپنے باپ کی طرف سے حج کر سکتا ہوں؟ آپ نے اسے اجازت دے دی اپنی طرف سے کیے ہوئے اعمال کے ایصال ثواب کے بارے میں تو کسی نے پوچھا ہی نہیں۔ اور نہ کسی صحابیؓ نے ایسا کیا کہ پہلے اپنے لیے عمل کیا ہو پھر اس کا ثواب دوسرے کی طرف منتقل کر دیا ہو۔ یہ نکتہ شرط کا ہے۔ لیکن شرط کو جو نہیں وہ انتقال ثواب کو بھی نہیں مانتے۔

اگر ایصال ثواب جائز ہو تو زندوں کے فرائض کے ثوابوں کا بھی ہدیہ کرنا جائز ہوگا

اس کا جواب یہ ہے کہ ایصال ثواب کے لیے شروع میں نیت کی شرط کے قائل ہیں ان پر تو یہ الزام آ نہیں سکتا کیونکہ غیر کی طرف سے ادا کرنے سے اپنا فرض ساقط نہیں ہوتا۔ البتہ جس نے نیت کی شرط نہیں لگائی اس پر الزام ضرور آتا ہے جس کی دو صورتیں ہیں:

(۱) ابو عبداللہ بن حمدان فرماتے ہیں کہ کہا جاتا ہے اگر فرض نماز یا فرض روزے وغیرہ کا ثواب کسی غیر کو ہدیہ کر دیا جائے تو جائز ہے اور فاعل کے ذمے سے فرض بھی ساقط ہو جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ

ایک جماعت سے نقل ہے کہ انہوں نے اپنے فرضی اور نفلی اعمال کا ثواب لوگوں کو بخش دیا اور فرمایا کہ ہم اللہ سے خالی ہاتھ ملاقات کریں گے۔ شریعت اس سے روکتی نہیں' ثواب عامل کی ملکیت ہے۔ اگر وہ اسے دوسروں کو بخش دیتا ہے تو اس میں کوئی مسئلہ نہیں۔

(۲) بعض نے ناجائز بتایا ہے مگر پہلا قول ہی صحیح ہے۔

تکالیف امتحان ہیں اور بدل قبول نہیں کرتیں

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ چیز شرع کی اجازت کے مانع نہیں کہ مسلمان اپنے بھائی کو کسی عمل سے فائدہ پہنچائے بلکہ یہ رب کے کرم اور احسان کا تتمہ اور اس شریعت کا جو عدل و احسان اور تعارف پر مشتمل ہے تکملہ ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کو اور عرش اٹھانے والے ملائکہ کو مومنوں کے حق میں دعا و استغفار اور رحمۃ اللعالمین ﷺ کو حکم فرمایا کہ آپ مومن مردوں اور عورتوں کے لیے کھڑا کر دیا ہے وہ اللہ سے ان کے لیے دعا کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں برائیوں سے بچائے مغفرت فرمائیں۔ قیامت والے دن آپ کو مقام محمود میں کھڑا کر دیا جائے گا تا کہ حضور ﷺ موحدوں کی شفاعت فرمائیں۔ اللہ نے آپ کو حکم فرمایا ہے کہ آپ اپنے صحابہ کرامؓ کے لیے دعا فرمائیں۔ زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی۔ آپ قبروں پر جا کر ان کے لیے دعائیں مانگا کرتے تھے۔ شریعت کا یہ ایک اہم مسئلہ ہے کہ جو فرض کفایہ ہے اگر اسے کوئی ایک قابل بھروسہ مسلمان ادا کر دے تو سب کی طرف سے ساقط ہو جائے گا مزید اللہ تعالیٰ مرنے والے کی طرف سے قرض ادا کرنے پر جنت میں داخلے کی رکاوٹ اور قبر والی گرمی دور کر دیتا ہے۔ گو مکلف کے حق میں وہ وجوب امتحان ہے۔ اسی طرح امام کی نماز صحیح ہونے کی وجہ سے مقتدی سے سجدۂ سہو ساقط ہو جاتا ہے اور امام کی قرآءت سے مقتدی کی قرآءت ساقط ہو جاتی ہے۔ اسی طرح امام کے سترے سے مقتدی کا سترہ ساقط ہو جاتا ہے۔ ایصال ثواب کے احسان کے لیے اللہ تعالیٰ کا احسان نمونہ ہے اللہ احسان پسندوں کو پسند فرماتا ہے مخلوق اللہ کی عیال ہے۔ اللہ کو وہی سب سے زیادہ پیارا ہے جو اس کی عیال کے لیے سب سے زیادہ مفید ثابت ہو۔ پھر جب اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرتا ہے جو اس کی مخلوق کو پانی کا ایک گھونٹ یا تھوڑا سا دودھ یا روٹی کا ایک ٹکڑا دے دے تو ان سے کیسے محبت نہ کرے گا جو اس کی مخلوق کو حالت ضعف و فقر میں جب کہ انہیں عمل کا موقع بھی میسر نہیں اور سخت حاجت مند ہیں۔ فائدہ پہنچائے۔ یہ تو اللہ کو تمام مخلوق میں سب سے زیادہ پیارا ہونا چاہیے۔ اسی وجہ سے کچھ سلف کہتے ہیں کہ جس نے روزانہ ستر مرتبہ یہ دعا کی رب اغفرلی ولوالدی

و للمسلمین و المسلمات و المؤمنین و المؤمنات. اے اللہ! مجھے میرے ماں باپ کو اور تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کو اور مومن مردوں اور عورتوں کو بخش دے۔ تو اسے تمام مسلمانوں کے برابر ثواب ملے گا۔ یہ کوئی ایسی بات بھی نہیں کیونکہ جس نے اپنے بھائیوں کے لیے مغفرت کی دعا کی اس نے ان سے اچھا سلوک کیا۔ اور اللہ اچھا سلوک کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔

اگر ایصال ثواب صحیح ہے تو دوسروں کی طرف سے اسلام وتوبہ بھی قابل قبول ہونی چاہیے مگر اسلام وتوبہ قابل قبول نہیں اسی لیے ایصال ثواب بھی صحیح نہیں

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ لزوم باطل ہے (۱) کیونکہ یہ قیاس نصوص و اجماع سے ٹکراتا ہے اور نص کے مقابلہ میں قیاس کی کوئی وقعت بھی نہیں۔ (۲) اس صورت میں اللہ نے جن کا حکم جداگانہ رکھا ہے ان کا حکم ایک کر دیا جاتا ہے کیونکہ اللہ نے دوسرے کی طرف سے اسلام وتوبہ قبول نہیں فرمائی۔ البتہ صدقہ، حج اور آزاد کرنا قبول فرمایا ہے۔ لہٰذا دونوں کا حکم برابر کرنے والا قیاس ایسا ہے جیسے کوئی مردار مذبوحہ جانوروں کا اور سود و بیع کا ایک ہی حکم بتائے کہ دونوں حلال ہیں۔ (۳) اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں میں اسلام کا ایک ہمہ گیر رشتہ قائم فرما دیا ہے جو زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی ایک دوسرے کو فائدہ پہنچانے کا قوی سبب ہے اگر یہ رشتہ نہ ہو تو پھر فائدہ پہنچنا ناممکن ہے جیسا کہ رحمۃ اللعالمین ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا تھا کہ اگر تمہارے والد موحد ہوتے اور تم ان کی طرف سے روزے رکھتے یا صدقہ کرتے تو یہ عمل انہیں فائدہ پہنچاتے اسلام و توحید کے ہوتے ہوئے ہی اعمال کا فائدہ پہنچتا ہے اگر خود عامل اسلام و توحید سے محروم ہے تو اسے خود بھی اپنے نیک اعمال سے فائدہ نہیں پہنچتا۔ جیسے خلوص و اتباع سنت عمل کی قبولیت کی شرط ہے اور جیسے وضو اور نماز کی دیگر تمام شرطیں صحت نماز کے لیے ضروری ہیں۔ یہی حال تمام اسباب و مسببات کا ہے خواہ شرعی ہوں یا عقلی یا حسی جو وجود سبب و عدم سبب والی دونوں حالتوں کو برابر کر دے وہ قطعی بے وقوف ہے۔ ایسے کیوں نہیں کہہ دیتے کہ اگر نافرمانوں کے حق میں شفاعت قابل قبول ہے تو مشرکوں کے حق میں بھی قابل قبول ہوگی یا اگر توحید والے دوزخ سے نکال لیے جائیں گے تو تمام کافر بھی نکال لیے جائیں گے۔ ظاہر ہے کہ دونوں کا ایک حکم نہیں۔ بہر حال اہل علم کو ان خرافات کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت بھی نہیں تھی لوگ اگر اپنے اعمال تا سے لوگوں میں اس طرح کی

کتابیں پھیلا کر سیاہ نہیں کرتے۔

صرف نیابت والی عبادتوں میں ایصال ثواب جائز ہے

اس کے جواب میں یہ عرض کرتے ہیں کہ عبادات دو قسم کی ہیں:

ایک نیابت قبول کرتی ہے اس میں تو ایصال ثواب جائز ہے اور ایک قبول نہیں کرتی اس میں ناجائز ہے یہ ہے کہ یہ محض دعویٰ ہے اس کی دلیل کیا ہے؟ آپ نے کہاں سے یہ فرق نکال لیا کیا اس پر قرآن و حدیث یا قیاس سے کوئی دلیل ہے؟ رحمۃ اللعالمین ﷺ نے میت کی طرف سے روزے رکھنے جائز قرار دیئے ہیں حالانکہ روزے نیابت قبول نہیں کرتے۔ اسی طرح فرض کفایہ میں ایک شخص سب کی طرف سے عبادت انجام دے سکتا ہے فرض سب کی طرف سے ساقط ہو جائے گا۔ بالکل اسی طرح ناسمجھ بچے کا سرپرست اس کی طرف سے حج کر سکتا ہے۔ اور اپنے نائب کے فعل سے اسے اجر ملتا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ بے ہوش کی طرف سے اس کے رفقاء احرام باندھ سکتے ہیں۔ اسی طرح شارع نے والدین کے اسلام کو ان کے بچوں کے اسلام کا درجہ دیا ہے۔ آپ نے دیکھا کس طرح شریعت نے نیکیاں فاعل سے غیر فاعل کی طرف منتقل کر دیں۔ بھلا ایسی مکمل شریعت انسان کو والدین کے ساتھ یا عزیزوں کے ساتھ یا دوسرے مسلمانوں کے ساتھ سخت ضرورت کے وقت ایصال ثواب سے روک سکتی ہے۔ یہ ہرگز نہیں نہ کسی شخص کو یہ لائق ہے کہ عام کو حرص اور تنگ کردے یا کسی ایسی نیکی سے روک دے جس سے شریعت نے نہیں روکا ہے جو سبب حج صدقے اور آزاد کرنے کے ثواب پہنچنے کا ہے۔ وہی سبب بعینہ روزے نماز تلاوت اور اعتکاف کے ثواب پہنچنے کا ہے یعنی اسلامی رشتہ اور ثواب پہنچانے والے کا احسان اور شریعت کی احسان کے سلسلے میں عدم رکاوٹ بلکہ شریعت نے ہر حالت میں احسان اچھا سمجھا ہے۔

کئی مسلمانوں کے خواب ہیں کہ مردوں نے انہیں بتایا کہ تمہارے بھیجے ہوئے ہدیے ہمیں مل ہو گئے اگر ہم اس سلسلے میں اپنے ہم عصر مسلمانوں کے اور اپنے زمانے سے پہلے کے مسلمانوں کے خواب اس کتاب میں اکٹھا کر دیں تو کتاب بہت بڑی ہو جائے۔ رحمۃ اللعالمین ﷺ نے فرمایا کہ میں دیکھتا ہوں کہ تمہارے خواب اس پر موافق ہیں کہ شب قدر اخیر عشرے میں ہے آپ نے مومنوں کے خوابوں کے توافق کا اعتبار کیا۔ یہ اعتبار ایسا ہی ہے جیسا کہ ان کی روایتوں کے توافق کا اعتبار ہے۔ کیونکہ جب ایک بات پر بہت سی روایتیں یا خواب جمع ہو جائیں تو وہ اس کی سچائی کی دلیل ہیں۔ عقل کیونکہ چاہتی

ہے کہ سب جھوٹ نہیں بول سکتے۔

تردید حدیث کا جواب

آپ نے رحمۃ اللعالمین ﷺ کی یہ حدیث کہ جو مر جائے اور اس کے ذمے روزے ہوں تو اس کی طرف سے اس کا ولی رکھ لے۔ چند معقول و نامعقول دلیلوں سے رد کر دی ہم اس کی حمایت میں کھڑے ہوتے ہیں اور آپ کے دلائل اس کی موافقت ثابت کرتے ہیں غلط دلائل کے نفی کرنے کے لیے تو یہی کافی ہے کہ وہ صحیح و صریح حدیثوں سے ٹکراتے ہیں اور صحیح و صریح حدیثوں کے ہوتے ہوئے ہمیں سوائے اطاعت قبول کے کوئی چارا نہیں۔ گو دنیا انہیں مانے یا نہ مانے۔ ہمیں دنیا پیاری نہیں بلکہ اللہ کے رسول پیارے ہیں۔ معقول دلائل کے مندرجہ ذیل جوابات ہیں:

(۱) تم کہتے ہو کہ موطا میں امام مالکؒ نے فرمایا ہے کہ کسی کی طرف سے کوئی روزہ نہ رکھے۔ ہم کہتے ہیں کہ رحمۃ اللعالمین ﷺ نے فرمایا ہے کہ مسلمان مسلمان کی طرف سے روزہ رکھ سکتے ہیں۔ اب بتائیں کون صحیح راستے پر ہے ہم یا تم ہو اور کس کی تردید حق بجانب ہے؟ تم کہتے ہو امام مالکؒ نے اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔ ہم کہتے ہیں امام مالکؒ نے تمام مسلمانوں کے اجماع کا دعویٰ نہیں کیا۔ بلکہ اپنے علم کے مطابق اہل مدینہ کا اجماع نقل کیا ہے۔ جبکہ مخالفین کا قول آپ کو معلوم نہ تھا ہم امام مالکؒ کے عدم علم سے حدیث رسول اللہ ﷺ کو چھوڑنے والے نہیں بلکہ اگر سب مدینہ والے بھی کسی بات پر ایک ہوں اور حدیث ان کے خلاف ہو تو معصوم نبی ﷺ کی حدیث مان لینا دوسروں کی بات مان لینے سے کہیں زیادہ خیر و برکت والی ہے کیونکہ دوسرے معصوم نہیں۔ بے شک ان کا مقام کتنا ہی بلند ہو اللہ نے ان کے اقوال کو حجت کے لیے معیار نہیں بنایا کہ اختلاف کے وقت ان کی طرف رجوع کیا جائے۔ بلکہ یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ فان تنازعتم۔ الخ اگر تم کسی مسئلہ میں اختلاف کرتے ہو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو۔ اگر تمہارا اللہ پر اور آخرت پر ایمان ہے اسی میں تمہارے لیے بہتری ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی صحیح بھی ہے۔ اچھا اگر امام مالکؒ اور مدینہ والے دوسروں کی طرف سے روزے رکھنے کے قائل نہیں تو دیکھو یہ ابن عباسؓ جو یہ فتویٰ دے رہے ہیں کہ رمضان کے روزوں میں کھانا کھلا دیا جائے اور نذر کے روزوں میں روزے رکھے جائیں یہی امام احمدؒ کا اور بیشتر اصحاب حدیث اور ابو عبید کا قول ہے۔ امام ابو ثور فرماتے ہیں کہ نذر وغیرہ ہر قسم کے روزے رکھے جائیں۔ حسن بن صالح نذر کے روزوں میں فرماتے ہیں کہ اس کی طرف سے اس کا ولی رکھ لے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کا مطلب

تم کہتے ہو کہ مردے کی طرف سے روزہ رکھنے کی حدیث ابن عباسؓ سے آئی ہے اور ابن عباسؓ ہی یہ فرماتے ہیں کہ کسی کی طرف سے کوئی روزہ نہیں رکھ سکتا۔ ہم کہتے ہیں کہ اس سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ صحابیؓ کا فتویٰ اس کی روایت کے خلاف ہے۔ فتویٰ سے روایت پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ روایت معصوم ہے اور فتویٰ غیر معصوم ممکن ہے فتویٰ دیتے وقت حدیث یاد نہ رہی ہو۔ یا حدیث تو یاد ہو مگر اس کی تاویل کرتے ہوں۔ یا ان کے گمان میں اس کے خلاف کوئی اور حدیث ہو جسے ترجیح دیتے ہوں۔ سچ پوچھو تو ابن عباسؓ کا فتویٰ بھی حدیث کے خلاف نہیں۔ کیونکہ آپ نے رمضان کے روزوں میں تو یہ فتویٰ دیا کہ کوئی کسی کی طرف سے روزے نہ رکھے۔ اور نذر کے روزوں میں اس کے برعکس فتویٰ دیا۔ یہ فتویٰ آپ کی روایت کے خلاف نہیں بلکہ آپ نے روایت کو نذر کے روزوں پر محمول کر لیا ہے علاوہ ازیں یہ حدیث ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے بھی آئی ہے۔ اگر ہم مان بھی لیں کہ ابن عباسؓ نے اپنی روایت کے خلاف کیا تو کیا ہوا؟ ابن عباسؓ کا خلاف کرنا حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ بلکہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت سے ابن عباسؓ کا قول نہ ماننا ابن عباسؓ کے قول سے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت رد کرنے سے اولیٰ ہے۔ اس کے علاوہ ابن عباسؓ سے دونوں قسم کی روایتیں ہیں لہٰذا مخالف روایت سے حدیث کو چھوڑ دینا حدیث سے مخالف روایت کو چھوڑ دینے سے اولیٰ نہیں ہے تم یہ کہتے ہو کہ ابن عباسؓ والی حدیث کی سند میں اختلاف ہے۔ یہ بات محض قیاس و ناقابل قبول یہ حدیث صحیح و ثابت ہے اور اس کی صحت پر اتفاق ہے۔ اسے بخاری و مسلم لائے ہیں اور کسی نے بھی سند میں اختلاف نہیں دکھایا۔

ابن عبدالبر یہ حدیث بیان کر کے فرماتے ہیں کہ اسے امام احمدؒ نے صحیح کہا ہے اور وہ اس کی طرف گئے ہیں اور امام شافعیؒ نے اپنے قول کو اس کی صحت پر موقوف رکھا ہے چونکہ حدیث بلاشبہ صحیح ہے اس لیے امام شافعیؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ یہی اکثر اصحاب امام شافعیؒ کا قول ہے۔

امام بیہقیؒ سے روایت ہے کہ مردے کی طرف سے قضا کا جواب سعید بن جبیرؒ۔ مجاہد۔ عطاء اور عکرمہ کی ابن عباسؓ والی روایتوں سے ثابت ہے۔ اکثر کی روایتوں میں ہے کہ ایک عورت نے پوچھا شاید وہ عورت ام سعدؓ کے علاوہ ہو۔ بعض کی روایتوں میں ہے آپ نے فرمایا: تم اپنی ماں کی طرف سے روزے رکھ لو۔ اس پر مزید تفصیل آ رہی ہے۔

یہ دعویٰ غلط ہے کہ یہ حدیث آیت سے ٹکراتی ہے

کیونکہ لیس للانسان الا ما سعی سے اس حدیث کا ٹکراؤ نہیں۔ تم نے الفاظ کا لحاظ نہیں رکھا۔ اور معنی سمجھنے میں سخت غلطی کی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اس بات سے محفوظ رکھا ہے کہ آپ کی حدیثیں قرآن کی آیتوں سے ٹکرائیں بلکہ حدیثیں آیتوں کی تائید وحمایت کرتی ہیں۔ دیکھیں تعصب اور اندھی تقلید کیا کیا گل کھلاتی ہے؟ اوپر والی آیت پر زیادہ روشنی ڈالی جا چکی ہے اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ آیت و حدیث میں ٹکراؤ غلط فہمی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اور یہ بدترین طریقہ ہے کہ آیتوں کے ظاہری معنی سے صحیح حدیثوں کو چھوڑ دیا جائے۔ پورا علم حدیثوں کو آیتوں کے مطابق بنانا ہے کیونکہ حدیثیں قرآن ہی سے لی ہوئی ہیں۔ اور ان کا وہی استاد ہے جو قرآن کا استاد ہے۔ لہٰذا احادیث قرآن کی تفسیر ہیں قرآن سے ٹکرانے کیوں لگیں؟

امام نسائی علیہ الرحمۃ کی حدیث مردوں کی طرف سے روزے رکھنے والی حدیث سے ٹکراتی نہیں

آپ نے کہا ہے کہ مردے کی طرف سے روزے رکھنے والی حدیث امام نسائیؒ کی حدیث سے ٹکراتی ہے۔ مگر یہ تمہاری قابل افسوس غلطی ہے کیونکہ نسائی میں رحمۃ اللعالمین ﷺ کی حدیث نہیں ہے بلکہ ابن عباسؓ کا قول ہے بھلا ابن عباسؓ کے قول کی حدیث کے ہوتے ہوئے کیا قدر و قیمت ہے؟ کسی وجہ سے بھی حدیث پر ابن عباسؓ کے قول کو اہمیت نہیں دی جا سکتی۔ حالانکہ ابن عباسؓ ہی سے روزہ رکھنے والی حدیث آئی ہے۔ پس نسائی میں رحمۃ اللعالمین ﷺ کی حدیث نہیں بلکہ مسلم کی بریدہؓ والی حدیث ہے کہ ایک عورت نے آپ سے پوچھا کہ میری والدہ فوت ہو گئیں ان پر ایک ماہ کے روزے تھے۔ فرمایا: تم اپنی ماں کی طرف سے روزے رکھ لو۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ آپ نے فرمایا جو شخص فوت ہو جائے اور اس پر روزے ہوں تو اس کی طرف سے اس کا ولی روزے رکھ لے۔

تم کہتے ہو کہ روزے والی حدیث ابن عمرؓ والی حدیث "جو فوت ہو جائے اور اس کے ذمے رمضان کے روزے ہوں تو اس کی طرف سے کھانا کھلا دیا جائے" سے بھی ٹکراتی ہے۔ افسوس یہ حدیث بھی رسول اللہ ﷺ پر بہتان ہے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث پر تنقید

امام بیہقی " سے روایت ہے کہ (یہ حدیث درست نہیں) محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کثیر الوہم راوی ہے بلکہ اصحاب نافع نے نافع سے اور انہوں نے ابن عمرؓ سے اسے ابن عمرؓ کا قول بتایا ہے۔

یہ حدیث قیاس جلی کے بھی خلاف نہیں

تم کہتے ہو کہ یہ حدیث قیاس جلی (اسلام نماز اور توبہ پر قیاس) کے بھی مخالف ہے ہم کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم تمہارا یہ قیاس جلی پھونک دینے کے قابل ہے کہ اس سے رحمۃ اللعالمین ﷺ کی درست و صریح حدیث کو رد کرتے ہو۔ یہی سنت اس کے غلط ہونے پر شاہد ہے۔ ہم نے واضح طور پر بیان کر دیا کہ کافر کے مرنے کے بعد اس کی طرف سے قبول اسلام میں اور مسلمان مردے کے ایصال ثواب میں واضح فرق ہے۔ ان دونوں مسائل میں فرق تو روز روشن کی طرح واضح ہے۔ اس سے زیادہ غلط اور کون سا قیاس ہوگا کہ مسلمان مردے کے ایصال ثواب کو کافر مردے کی طرف سے قبول اسلام پر قیاس کیا جائے۔

امام شافعی " کی ابن عباسؓ کی حدیث پر تنقید

امام شافعی " فرماتے ہیں کہ ابن عباسؓ والی حدیث میں ام سعدؓ کی نذر مقرر نہیں ہے۔ یہ پتہ نہیں حج کی نذر تھی یا عمرے کی یا صدقے کی۔ اس کا جواب امام بیہقی نے جو امام شافعی " کے سب سے بڑے ساتھی ہیں یہ دیا ہے کہ "ابن جبیر، مجاہد، عطاء اور عکرمہ کی ابن عباسؓ والی روایتوں سے میت کی طرف سے قضا کا جواز ثابت ہو گیا ہے۔ بیشتر کی روایتوں میں ہے کہ ایک عورت نے پوچھا تھا۔ یہی قرین قیاس ہے کہ وہ عورت ام سعدؓ کے علاوہ ہے۔ کچھ کی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا تم اپنی ماں کی طرف سے روزے رکھ لو۔ اس کی گواہی بریدہ اسلمی والی روایت دیتی ہے کہ اس نے کہا میری والدہ انتقال کر گئیں اور ان کے ذمے ایک ماہ کے روزے ہیں۔ فرمایا تم اپنی ماں کی طرف سے روزے رکھ لو۔ (مسلم) میں کہتا ہوں ابن ابی شیبہ کی ابن عباسؓ والی روایت میں ہے کہ رحمۃ اللعالمین ﷺ سے ایک شخص نے آ کر پوچھا کہ میری والدہ انتقال کر گئیں ان کے ذمے ایک ماہ کے روزے تھے کیا میں ان کی طرف سے قضا کر لوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر ان پر قرض ہوتا تو کیا تم اسے ادا کرتے؟ کہا: "ہاں" فرمایا: تو اللہ تعالیٰ کا قرض بدرجہ اولیٰ ادا کرنا چاہیے۔ یہ روایت ابو خیثمہ اور امام نسائی بھی لائے ہیں۔

ام سعدؓ والی حدیث سے اس کی سند بھی علیحدہ ہے اور متن بھی۔ اگر ہم مان لیں کہ حدیث میں محفوظ نذر مطلق ہی ہے تو اعمش والی حدیث میں تو روزوں کی صراحت ہے۔ اس کے علاوہ رحمۃ اللعالمین ﷺ کا نذر کے بارے میں تفصیلی حالات معلوم نہ کرنا بتارہا ہے کہ روزوں اور نماز کی نذر میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ورنہ رحمۃ اللعالمین ﷺ یہ پوچھ کر کہ روزوں کی نذر تھی یا نماز کی جواب دیتے۔

مردوں کی طرف سے روزے رکھنے کے بارے میں علماء دین کے اقوال

یہ اقوال اس لیے بیان کیے جاتے ہیں تاکہ کسی کو اس مسئلہ کے خلاف پر اجماع کا وہم نہ ہو۔

حضرت ابن عباسؓ سے امام احمدؒ روایت کرتے ہیں کہ نذر کے روزے رکھے جائیں اور رمضان کے روزوں کا کفارہ دیا جائے۔

ابوثورؒ۔ داؤد بن علی واصحاب داؤدؒ روایت کرتے ہیں کہ دونوں قسم کے روزے رکھے جائیں۔

اوزاعیؒ۔ ثوریؒ سے روایت ہے کہ روزوں کا کفارہ دیا جائے ورنہ روزے رکھے جائیں۔

ابوعبید قاسم بن سلامؒ سے روایت ہے کہ نذر کے روزے رکھے جائیں اور فرض میں کھانا کھلایا جائے۔

حسن بصریؒ سے روایت ہے کہ اگر مرنے والے پر ایک ماہ کے روزے ہوں اور اس کی طرف سے ایک ہی دن تمیں آدمی روزے رکھ لیں تو جائز ہے۔

یہ کہنا غلط ہے کہ حج میں مردوں کو خرچ کا ثواب ملتا ہے افعال حج کا نہیں

اور یہ دعویٰ بغیر دلیل کے ہے جس کا سنت انکار کرتی ہے کیونکہ رحمۃ اللعالمین ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنے والد کی طرف سے حج کرو۔ آپؐ نے ان حدیثوں میں بتایا کہ نفس حج میت کی طرف سے ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ حج پر جو خرچ آتا ہے وہ میت کی طرف سے واقع ہوتا ہے۔ اسی طرح آپ نے اس سے کہا جو شبرمۃ کی طرف سے لبیک کہہ رہا تھا کہ پہلے اپنی طرف سے حج کرو پھر شبرمۃ کی طرف سے حج کرو۔

اسی طرح جب ایک عورت نے اپنے بچے کے بارے میں جو اس کے پاس تھا پوچھا کہ کیا اس کے لیے حج ہے تو فرمایا: ''ہاں'' یہ نہیں فرمایا کہ اس کے لیے خرچہ کا ثواب ہے بلکہ فرمایا کہ اس کے لیے حج ہے۔ جبکہ بچے نے حج میں کچھ نہیں کیا۔ جو کچھ کیا اس کی طرف سے اس کی ماں نے کیا۔ اس کے علاوہ بھی مردے کی طرف سے حج کرنے والا مقامی خرچہ کے علاوہ کچھ بھی خرچ نہیں کرتا۔ اس لئے اس قول کو

سنت اور قیاس دونوں رد کرتے ہیں۔

ایصال ثواب میں کیا نیت کے ساتھ الفاظ کی بھی ضرورت ہے؟

حدیثیں مطلق ہیں۔ رحمۃ اللعالمین ﷺ نے کسی بھی حدیث میں یہ نہیں بتایا کہ یہ بھی کہو کہ اے اللہ! یہ فلاں بن فلاں کی طرف سے ہے۔ صرف دلی ارادہ و نیت بہت ہے۔ اس لئے اگر نیت کے ساتھ الفاظ بھی استعمال کر لیے تو خیر اور اگر نہیں استعمال کیے تو ثواب پھر بھی پہنچ جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی نیت سے جانتا ہے۔ شاید اسی وجہ سے شرط لگانے والوں نے شروع فعل میں نیت کی شرط لگائی ہے۔ ہاں اگر کوئی عمل اپنے لیے کیا ہو پھر اس کے ثواب کی کسی اور کے لیے نیت کر لی ہو تو اس میں صرف نیت کافی نہیں جیسے اگر کوئی کسی کو کچھ ہبہ کرنے کی یا غلام آزاد کرنے کی یا صدقہ کرنے کی نیت کرے تو یہ صرف نیت ہی سے حاصل نہیں ہوں گی۔ مزید تفصیل کے لیے اس طرح سمجھئے کہ اگر کوئی شخص اس نیت سے کوئی مکان تعمیر کروائے کہ اسے مسجد یا مدرسہ یا مسافر خانہ وغیرہ بنا دے گا تو نیت ہی کے ساتھ وہ مکان وقف ہو جائے گا۔ اگرچہ الفاظ استعمال نہ کیے ہوں۔ اسی طرح اگر زکوٰۃ کی نیت سے کسی فقیر کو کچھ دیا ہے تو زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی اگرچہ الفاظ استعمال نہ کیے ہوں۔

اسی طرح اگر کسی کی طرف سے خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ قرض ادا کرے تو وہ بری ہو جائے گا خواہ یہ نہ کہا ہو کہ یہ فلاں کی طرف سے ہے۔

ایصال ثواب کیا ثابت قدمی اور قبولیت کی شرط کے ساتھ کیا جائے؟

نہیں۔ یہ شرط فضول ہے نہ اس کی نیت کی جائے نہ اس طرح کے الفاظ استعمال کیے جائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ثواب پہنچائے گا۔ خواہ شرط لگائی جائے یا نہ لگائی جائے۔ ثابت قدمی کی شرط کا دارومدار اس پر ہے کہ عمل کا ثواب پہلے عامل کو ملے پھر اس سے منتقل ہو کر دوسرے کو ملے۔ جبکہ ایسا نہیں ہے بلکہ جب عامل نے عمل کے وقت نیت کر لی کہ یہ عمل فلاں کی طرف سے ہے۔ تو فلاں کو اس کا ثواب سیدھا پہنچ جائے گا۔ مثال کے طور پر اگر کوئی کسی اور کی طرف سے اپنا غلام آزاد کرے تو یہ کوئی نہیں کہتا کہ حق ولا پہلے تو آزاد کرنے والے کو ملے گا پھر اس سے منتقل ہو کر اسے ملے گا جس کی طرف سے غلام آزاد کیا گیا ہے۔ ایصال ثواب کا مسئلہ اسی طرح ہے۔

کون سا ہدیہ مردے کے لیے افضل ہے؟

وہ ہدیہ مردے کی طرف سے افضل ہے جو بالذات افضل ہو۔ مثال کے طور پر غلام آزاد کرنا اور صدقہ کرنا' روزوں سے افضل ہے۔ اور افضل صدقہ وہ ہے جس کی صدقہ دیے جانے کی ضرورت ہو اور دائمی ہو۔ اسی لیے رحمۃ اللعالمین ﷺ نے فرمایا: افضل صدقہ پانی پلانا ہے۔ لیکن اس مقام پر جہاں پانی کی کمی ہو۔ اور تشنگی بجھانے کے لیے پانی کافی نہ ہو۔ ورنہ جہاں نہریں اور چشمے ہوں وہاں پانی سے افضل کھانا کھلانا ہے۔ اسی طرح دعا و استغفار اگر سچے دل سے خلوص و عاجزی کے ساتھ ہو تو اپنے مقام پر صدقہ سے افضل ہے۔ جیسے اپنے مقام پر نماز جنازہ اور قبر پر کھڑے ہو کر دعا مانگنا صدقہ سے افضل ہے۔ مقصد یہ کہ اپنے اپنے مقام پر غلام آزاد کرنا' صدقہ کرنا' دعا و استغفار کرنا اور حج کرنا سب ہی افضل ہیں۔ بغیر اجرت کے رضا کارانہ قرآن پڑھوا کر ثواب پہنچانا جائز ہے۔ روزوں اور حج کے ثواب کی طرح تلاوت کا بھی ثواب پہنچتا ہے۔

تلاوت قرآن سے ایصال ثواب کیا سلف کا معمول نہ تھا؟

اس کا دعویٰ کرنے والے کہتے ہیں کہ یہ کسی سلف سے منقول نہیں۔ جب کہ وہ ہر نیکی کا بہت زیادہ جذبہ رکھتے تھے۔ اس سلسلے میں نہ رحمۃ اللعالمین ﷺ نے ان کی رہنمائی فرمائی جب کہ آپ نے دعا و استغفار صدقہ حج اور روزہ وغیرہ کے بارے میں وضاحت سے تعلیم دی۔ اگر تلاوت قرآن کا بھی ثواب پہنچتا تو رحمۃ اللعالمین ﷺ ضرور بتاتے اور صحابہ کرامؓ اس پر ضرور عمل کرتے اس کا جواب یہ ہے کہ اگر تم عملوں کے ثواب کے قائل ہو تو وجہ کیا ہے کہ تلاوت قرآن کا ثواب نہ پہنچے؟ جب اعمال کا ثواب پہنچتا ہے تو قرآن مجید بھی ایک عمل ہے پھر متشابہ اعمال میں فرق کرنے کی وجہ بتاؤ۔ اور اگر تم عملوں کے ثواب کو نہیں مانتے ہو تو صریح صحیح حدیثوں کی مخالفت کرتے ہو اور اجماع و قیاس کے خلاف چلتے ہو۔

سلف سے نقل نہ ہونے کی وجہ

سلف میں یہ بات اس لیے ظاہر نہ تھی کہ انہیں پڑھنے والوں کا علم نہ تھا' اور نہ وہ آج کل کی طرح خاص طور سے قبروں پر جا کر تلاوت کیا کرتے تھے۔ نہ وہ کسی کو قرآءت پر بلکہ صدقہ اور روزے پر گواہ بنایا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ تم سے اگر پوچھا جائے کہ سلف میں سے کسی سے یہ نقل ہے کہ اس نے یہ بات کہی ہو کہ "اے اللہ! فلاں کے لیے اس روزے کا ثواب ہے۔" تو جواب کیا دو گے؟

سلف نیکیاں چھپایا کرتے تھے اس لئے ایصال ثواب کے لیے عمل قرآءت کیسے ظاہر کرتے؟ یہ مسئلہ رحمۃ اللعالمین ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو خود بخود نہیں بتایا تھا۔ جس نے جو پوچھا آپ نے اس کو اسی کا جواب دے دیا۔ اور انہیں اس کے علاوہ اعمال سے روکا بھی نہیں۔ پھر روزوں کے ثواب میں جو صرف نیت اور طعام وشراب و جماع سے رک جانا ہے۔ اور ذکر وقرآءت کے ثواب میں جو عمل ہیں کیا فرق ہے؟ جب روزوں کا ثواب پہنچتا ہے تو ذکر وقرآءت کا تو بدرجہ اولیٰ پہنچنا چاہیے۔ کسی کا یہ کہنا کہ کسی سلف نے تلاوت سے ایصال ثواب نہیں پہنچایا اپنی کم علمی کی بات ہے۔ کیونکہ یہ اس چیز کی گواہی ہے جس سے وہ جانتا نہیں۔ اسے کیا پتہ کہ سلف ایسا کیا کرتے ہوں اور کسی کو بتاتے نہ ہوں۔ اور ان کی نیت کی علام الغیوب ہی کو خبر ہو۔ جب کہ نیت کو الفاظ سے ادا کرنے کی شرط بھی نہیں ہے۔

اس مسئلہ کی حکمت یہ ہے کہ ثواب عامل کی ملکیت ہے اگر وہ حسن سلوک و نیکی کے طور پر اسے اپنے کسی مسلمان بھائی کو دے دے تو اللہ تعالیٰ اس کا ثواب اس تک پہنچا دے گا۔ پھر قرآءت قرآن سے ثواب نہ پہنچنے کا کیا ثبوت ہے؟ جبکہ تمام لوگوں کا بلکہ نہ ماننے والوں کا بھی تمام زمانوں میں اس پر عمل رہا ہے اور کسی عالم نے بھی اسے غلط نہیں سمجھا۔

رحمۃ اللعالمین ﷺ کے ایصال ثواب کے بارے میں

اگر کہا جائے کہ رحمۃ اللعالمین ﷺ کے ایصال ثواب کے بارے میں کیا خیال ہے؟ تو جواب اس کا یہ ہے کہ پہلے فقہاء میں سے بعض نے تو مستحب سمجھا ہے اور بعض نے بدعت۔ کیونکہ صحابہ کرامؓ ایسا نہیں کیا کرتے تھے۔ آپ کے لیے تو قیامت تک آنے والے امتیوں کے نیک اعمال کا ثواب لکھا جاتا ہے اور ان کے ثواب میں کمی نہیں کی جاتی۔ کیونکہ رحمۃ اللعالمین ﷺ نے ہی امت کو ہر اچھائی بتائی اور اس کی رغبت دلائی۔ اس لئے آپ کو تمام کے اعمال کا ثواب پہنچتا ہی رہے گا خواہ کوئی آپ ﷺ کو ہدیہ کرے یا نہ کرے۔

☆☆☆

سترہواں حصہ

کیا روح قدیم ہے یا حادث ومخلوق؟

''کیا روح قدیم ہے یا حادث ومخلوق؟ اگر اسے حادث ومخلوق مان لیں اور یہ بھی تسلیم کی ہوئی چیز ہے کہ روح اللہ کے امر میں سے ہے تو اللہ کا فعل کس طرح حادث ومخلوق ہو سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اس نے آدم علیہ السلام میں اپنی روح پھونکی یہ اضافت روح کی قدامت پر دلالت کرتی ہے یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی طرف سے خبر دی کہ اس نے انہیں اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور ان میں اپنی روح پھونکی۔ اس میں ہاتھ اور روح کی اپنی طرف اضافت کی ہے اس اضافت کی کیا حقیقت ہے؟''

یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ جس میں دنیا کے قدم ڈگمگا گئے اور بہت سے گروہ گمراہ ہو گئے۔ لیکن اللہ نے اپنے رسول ﷺ کی امت کو صحیح بات کی رہنمائی فرمائی۔ اس پر انبیائے کرام علیہم السلام متفق ہیں کہ روح حادث ومخلوق ہے اللہ کی بنائی ہوئی ہے۔ اور اس کی پرورش و دائرہ تدبیر کے اندر ہے۔ جس طرح انبیائے کرامؑ کے دین میں یہ بات بدیہی ہے کہ عالم حادث ہے۔ موت کے بعد زندگی یقینی ہے۔

تمام اشیاء کا صرف اللہ ہی بنانے والا ہے اور سوا اس کے تمام چیزیں مخلوق ہیں۔ اسی طرح روح کا حادث ہونا بدیہی ہے۔ اچھے زمانوں میں روح کے حادث ومخلوق ہونے پر اجماع رہا ہے۔ کوئی بھی اس کا مخالف نہیں، جب تابعین کا دور ختم ہو گیا تو ان کے بعد ایک ایسی جماعت پیدا ہوئی جو قرآن وسنت میں کوتاہ فہم تھی اس نے دعویٰ کیا کہ روح قدیم وغیر مخلوق ہے اور یہ دلیل دی کہ روح اللہ کے امر میں سے ہے اور اللہ کا امر غیر مخلوق ہے۔ اللہ نے علم، کتاب، قدرت، سمع، بصر اور ہاتھ کی طرح روح کو بھی اپنی

طرف منسوب فرمایا ہے۔ پھر جس طرح وہ قدیم وغیر مخلوق ہیں اسی طرح یہ بھی قدیم وغیر مخلوق ہے۔ بعض لوگوں نے توقف سے کام لیا اور کہا کہ ہم نہ مخلوق ہی کہتے ہیں اور نہ غیر مخلوق۔

ابن مندہؒ کا جواب

اس بارے میں ابن مندہ سے پوچھا گیا تو آپ نے یہ جواب دیا" ایک شخص نے مجھ سے روح کے بارے میں جسے اللہ نے مخلوق کے نفوس واجسام کا منتظم بنایا ہے۔ پوچھا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ بعض لوگوں نے روح پر روشنی ڈالی ہے ان کی سمجھ میں روح غیر مخلوق ہے۔ (ان روحوں میں سے اکثر نے قدسی ارواح کو خاص کیا ہے) اور اللہ کی ذات میں سے ہے اس سلسلے میں پہلے تو میں پہلے علماء کے مختلف خیالات کو بتاتا ہوں پھر ان کے اقوال کے مخالف قرآن کی آیتوں کو حدیثوں کو صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کے اقوال کو اور علماء کی رائے کو پیش کروں گا۔ اس کے بعد قرآن وحدیث سے روح کی حقیقت بیان کروں گا اور بغیر علم کے روح پر بحث کرنے والوں کی غلطیاں بتاؤں گا۔ اور یہ بھی کہ وہ جہم اور اصحاب جہم کے ساتھی ہیں۔

روح کے بارے میں اختلاف

اس میں لوگوں کا اختلاف ہے کہ روح کیا ہے؟ اور نفس میں اس کا مقام کہاں ہے؟

(۱) کچھ کے نزدیک تمام روحیں مخلوق ہیں۔ اہل سنت والحدیث اسی کے قائل ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ رحمۃ اللعالمین ﷺ نے فرمایا کہ روحیں جمع کئے ہوئے لشکر ہیں پھر ان میں سے جن میں تعارف ہو جاتا ہے ان میں محبت ہو جاتی ہے اور جن میں تعارف نہیں ہوتا ان میں اختلاف ہوتا ہے۔ پتا چلا کہ روحیں مخلوق ہیں کیونکہ جمع کیا ہوا لشکر مخلوق ہی ہوتا ہے۔

(۲) کچھ کہتے ہیں کہ روحیں اللہ کے امر میں سے ہیں اور اللہ نے مخلوق سے ان کی حقیقت ومعرفت چھپادی ہے۔ ان کی دلیل آیت قل الروح من امر ربی. "آپؐ فرمادیجئے کہ روح میرے رب کے حکم میں سے ہے" ہے۔ (۳) کچھ کے نزدیک روحیں اللہ کے انوار وحیات میں سے نور وحیات ہیں ان کا ثبوت یہ حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اندھیرے میں مخلوق پیدا کی پھر ان پر اپنا نور ڈالا (پھر یہ مسئلہ جتایا کہ روحیں مرتی ہیں یا نہیں؟ برزخ وآخرت میں جسموں کے ساتھ عذاب دیا جاتا ہے یا نہیں اور یہ کہ آیا روح نفس ہی ہے یا نفس کے علاوہ کچھ اور ہے۔

محمد بن نصر مروزی کا بیان

محمد بن نصر مروزی سے روایت ہے کہ لادینوں اور رافضیوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی روح

کے سلسلے میں وہی تاویل کی ہے جو عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح کے متعلق کی کہ روح اللہ کی ذات سے جدا ہو کر مریم میں آ گئی۔ اسی بنا پر عیسائیوں کی ایک جماعت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہ السلام کی پرستش شروع کر دی کیونکہ ان کے گمان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کی روح ہیں جو مریمؑ صدیقہ میں اتر آئی ہے۔ اس لیے روح ان کے نزدیک غیر مخلوق ہے۔ اور لا دینوں اور رافضیوں کے ایک گروہ کا خیال ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی روح بھی اسی طرح ہے اور غیر مخلوق ہے۔ یہ لوگ و نفخت فیہ من روحی. (میں نے ان میں اپنی روح پھونک دی) ثم سواہ و نفخ فیہ من روحہ (پھر اللہ نے انہیں صحیح کر کے ان میں اپنی روح پھونک دی) کی غلط تاویل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کی روح غیر مخلوق ہے۔ جیسے روح کو نور کہنے والے یہ تاویل کرتے ہیں کہ رب کا نور غیر مخلوق ہے کہتے ہیں پھر یہ روح حضرت آدم علیہ السلام کے بعد ان کے وصی میں آئی پھر ہر نبی اور اس کے وصی میں آتے آتے علیؓ میں آئی پھر حسن وحسین رضی اللہ عنہما میں پھر ہر وصی میں اور امام میں آئی۔ لہٰذا امام ہر چیز کو بغیر تعلیم ہی کے جانتا ہے اسے تعلیم کی ضرورت ہی نہیں۔

روح کے مخلوق ہونے پر تمام مسلمان متفق ہیں

اس بات میں مسلمانوں میں اختلاف نہیں کہ تمام روحیں چاہے انبیاءؑ کی ہوں یا غیر انبیاء کی مخلوق ہیں۔ اللہ نے انہیں ایجاد و اختراع کیا اور انہیں خلعت وجود بخشا۔ پھر دیگر تمام مخلوق کی طرح انہیں بھی اپنی طرف منسوب کیا جیسے اس آیت وسخر لکم ما فی السمٰوٰت وما فی الارض جمیعًا منہ (اللہ نے اپنی آسمان و زمین کی تمام مخلوق تمہارے تابعدار بنا دی) میں اللہ کی طرف تمام مخلوق کی نسبت ہے۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے

آپ فرماتے ہیں کہ تمام اہل سنت، ائمہ کرام اور سلف امت اس پر متفق ہیں کہ روح مخلوق ہے۔ اور ایجاد کی ہوئی ہے۔ بہت سے ائمہ نے اس پر علماء کا اجماع نقل کیا ہے۔ مثال کے طور پر محمد بن نصر مروزی نے جو اپنے زمانے کے بلا اختلاف سب سے بڑے عالم ہیں اسی طرح ابو محمد بن قتیبہ نے روح کی تفصیلات بتاتے ہوئے فرمایا ہے کہ نسمۃ روح کو کہتے ہیں۔ لوگوں کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ ہی دانہ اگانے والا اور روح پیدا کرنے والا ہے۔ ابو اسحٰق بن شاقلا نے اس مسئلہ کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: اصحاب تو فیق اس میں شک نہیں کرتے کہ روح مخلوق ہے۔ اس مسئلہ کی اکابر علماء و مشائخ کی جماعتوں

نے تفصیل بیان کی ہے اور روح کو جو غیر مخلوق کہتے ہیں ان کی سخت مخالفت کی ہے بلکہ ابوعبداللہ بن مندہ نے تو اس موضوع پر ایک مستند و مکمل کتاب بھی لکھی ہے جس کی تعریف امام محمد بن نصر مروزی وغیرہ اور شیخ ابوسعید خراز ابو یعقوب نہر جوری اور قاضی ابوالعلی نے کی ہے اور اس پر بڑے بڑے ائمہ کرام نے روشنی ڈالی ہے۔ اوران کی پرزور مذمت کی ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام کی روح کو غیر مخلوق کہتے ہیں۔ دوسری روحوں کا تو ذکر ہی کیا ہے جس طرح کہ امام احمدؒ نے زندیقوں اور جہمیہ کی مذمت میں ذکر فرمایا ہے۔

ایک جہمی کا باطل دعوئی

ایک جہمی نے دعوی کیا کہ قرآن مجید کی ایک ایسی آیت مجھے معلوم ہے جو بتاتی ہے کہ قرآن مخلوق ہے اور وہ یہ ہے: انما المسیح عیسی بن مریم رسول اللہ الخ (عیسیٰ بن مریم اللہ کے رسول ہیں اور اس کا کلمہ ہیں جسے اللہ نے مریم کی طرف ڈالا اور اس کی روح ہیں) اور عیسیٰ مخلوق ہیں ہم نے کہا اللہ تعالیٰ نے تجھ سے قرآن کی سمجھ چھین لی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے ایسے الفاظ بولے جاتے ہیں جو قرآن کے لیے نہیں بولے جاسکتے۔ مثال کے طور پر ہم آپ کو مولود' شیر خوار بچہ' ہوشیار لڑکا' سمجھ دار نوجوان کھانے پینے والے کہتے ہیں آپ سے کرنے نہ کرنے کا خطاب بھی ہے' آپ پر خطاب' وعدہ اور وعید بھی جاری ہوتا ہے اور آپ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ اس لیے ہمارے لیے یہ حلال نہیں کہ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہتے ہیں وہی قرآن کے بارے میں کہیں۔

تم نے کیا اللہ سے سنا کہ اس نے قرآن کے بارے میں وہی کہا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہا۔ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ کلمہ سے مراد کلمہ کن ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کلمہ کن سے پیدا ہوئے۔ آپ نفس کلمۂ کن نہیں بلکہ کن اللہ کا قول ہے اور مخلوق نہیں۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کلمہ سے پیدا ہوئے وہ مخلوق ہیں۔

عیسائیوں اور جہمیوں کا جھوٹ

عیسائیوں اور جہمیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اللہ پر جھوٹ بولا ہے جہمی کہتے ہیں کہ آپ اللہ کی روح اور اس کا کلمہ ہیں۔ معلوم ہوا کہ اللہ کا کلمہ مخلوق ہے۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مخلوق ہیں۔ عیسائی کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کی روح اور اس کا کلمہ ہیں۔ اور اس کی ذات میں سے ہیں۔ جیسے کہا جاتا ہے یہ کپڑا اسی تھان میں سے ہے۔ ہم کہتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام

کلمہ سے پیدا ہوئے۔ نفس کلمہ نہیں۔ کیونکہ کلمہ تو اللہ کا قول کن ہے۔ اور روح منہ کا یہ مطلب ہے کہ ان میں اللہ کے حکم سے روح آئی۔ فرمایا:

''اللہ نے تمہارے لیے تمام زمین و آسمان اپنے حکم سے مسخر فرمادیئے۔'' روح اللہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلمہ سے روح پیدا کی۔ جیسے عبداللہ (اللہ کا بندہ) سماء اللہ (اللہ کا آسمان) ارض اللہ (اللہ کی زمین) وغیرہ کہا جاتا ہے۔

یہاں اس بات کی وضاحت امام احمدؒ نے کردی کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی روح مخلوق ہے دوسری روحوں کا تو کہنا ہی کیا ہے اللہ نے اپنی طرف اس روح کی نسبت کردی جسے حضرت مریمؑ کی طرف بھیجا تھا لہٰذا آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اس سے یہ ضروری نہیں ہوتا کہ روح قدیم وغیر مخلوق ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: فارسلنا الیھا روحنا. (پھر ہم نے مریم صدیقہ کی طرف اپنی روح بھیج دی اور وہ ان کے سامنے انسانی حلیہ میں ظاہر ہوئی) یہ اللہ کی بھیجی ہوئی روح تھی اور آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں ہم اللہ کی طرف منسوب کردہ اشیاء کے اقسام بیان کریں گے اور یہ بھی کہ کب منسوب کردہ چیز اس کی صفت قدیمہ بنتی ہے اور کب وہ مخلوق ہوتی ہے اور اس کا قاعدہ کیا ہے؟

روح کے مخلوق ہونے کی دلیلیں

(۱) اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اللہ خالق کل شیٔ. ''اللہ ہر چیز کا خالق ہے'' یہ لفظ عام ہے اس میں کسی صورت سے بھی تخصیص کو دخل نہیں۔ اس عموم میں صفات باری تعالیٰ داخل نہیں کیونکہ وہ اللہ کی ذات میں داخل ہیں۔ اللہ تعالیٰ معبود ہے اور کمال والی صفتوں سے متصف ہے اس کا علم قدرت حیات ارادہ سمع بصر اور تمام صفتیں اس کے نام کے مسمّی میں داخل ہیں۔ مخلوق چیزوں میں داخل نہیں جیسے اس کی ذات مخلوق چیزوں میں داخل نہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات کے ساتھ خالق ہے۔

اور باقی تمام چیزیں مخلوق ہیں یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ روح نہ تو اللہ ہے اور نہ اس کی صفتوں میں سے کوئی صفت ہے۔ بلکہ مصنوعات میں سے ایک مصنوع ہے۔ اور فرشتوں جنوں اور انسانوں کی طرح یہ بھی ایک مخلوق ہے۔

(۲) ارشاد ربانی ہے: وقد خلقتک من قبل ولم تک شیئا. (اے زکریا! میں نے تم کو اس سے پہلے پیدا کیا حالانکہ تم کچھ بھی نہ تھے) ظاہر ہے کہ خطاب روح و بدن سے ہے صرف بدن سے نہیں۔ کیونکہ تنہا بدم میں خطاب و فہم کی اور عقل و شعور کی صلاحیت ہی نہیں۔ یہ صلاحیت روح کو ہے۔ پتہ

چلا کہ روح مخلوق ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: واللہ خلقکم وما تعملون (اللہ نے تمہیں اور تمہارے اعمال کو پیدا کیا) وجہ استدلال حسب سابق ہے۔ (۴) ارشاد ربانی ہوتا ہے: ولقد خلقنا کم الخ (ہم نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہاری صورتیں بنائیں پھر فرشتوں سے کہا آدم (علیہ السلام) کو سجدہ کرو) یہاں بھی اکثر کے نزدیک خطاب روحوں اور جسموں کو ہے اور کچھ کے نزدیک صرف روحوں سے خطاب ہے۔ ابھی جسم پیدا بھی نہیں ہوئے تھے ہر صورت میں روحوں کے پیدا ہونے کی کھلی دلیل ہے۔

(۵) قرآن وحدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ ہمارا ہمارے بزرگوں کا اور ہر چیز کا رب ہے اس لیے اس کی ربوبیت ہمارے جسموں اور روحوں دونوں کو شامل ہے جسموں کی طرح روحیں بھی مملوک و پرورش یافتہ ہیں۔ اور ہر مملوک و پرورش یافتہ مخلوق ہے۔ لہٰذا روحیں بھی مخلوق ہیں۔

(۶) قرآن مجید کی پہلی سورت فاتحہ سے کئی طرح معلوم ہوتا ہے کہ روحیں مخلوق ہیں:

(۱) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ اللہ رب العالمین ہے۔ چونکہ عالم میں روحیں بھی داخل ہیں اس لیے روحوں کا بھی رب ہے۔

(۲) دوبارہ ارشاد ربانی ہوتا ہے: ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔ اس لیے روحیں اللہ کی عبادت کرتی ہیں اور اسی سے مدد مانگتی ہیں۔

(۳) روحیں اپنے پیدا کرنے والے کی ہدایت کی محتاج ہیں اور اس سے سیدھے راستے کی ہدایت مانگتی رہتی ہیں۔

(۴) روحوں پر انعام و مہربانی بھی ہوتی ہے اور قہر و غضب بھی۔ یہ مخلوق کی شان ہوتی ہے۔ قدیم و غیر مخلوق کی نہیں۔

(۷) دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان بندہ ہے یہ عبودیت روح کو چھوڑ کر صرف جسم پر واقع نہیں ہو سکتی بلکہ اصل پوچھیے تو صرف روح کی عبودیت ہے۔ جسم تو اس کے تابع ہے جیسے اور اس کے علاوہ تمام احکام میں تابع ہے بس روح اسے حرکت دیتی اور کام کراتی ہے۔

(۸) ارشاد ربانی ہے: ھل اتی علی الانسان حین الخ (انسان پر ایک ایسا زمانہ بھی آچکا ہے جب اس کا نام ونشان بھی نہ تھا۔ روح اگر قدیم ہوتی تو ہمیشہ نام ونشان ہوتا۔ کیونکہ اصل انسان تو روح سے ہے صرف جسم سے نہیں۔

یا خادم الجسم کم تشقی بخدمۃ فانت بالروح لا بالجسم انسان

''اے جسم کے خادم جسم کی خدمت کر کے کتنی شقاوت پائے گا تو روح سے انسان ہے جسم سے نہیں۔''

(۹) مختلف دلائل سے ثابت ہے کہ قدیم زمانے میں اللہ تھا اس کے سوا کوئی اور چیز نہ تھی۔ اہل یمن نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم دینی سمجھ حاصل کرنے کے لیے آپ کے پاس آئے ہیں۔ دنیا کس طرح شروع ہوئی؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ تھا اس کے سوا کوئی اور چیز نہ تھی۔ اس کا عرش پانی پر تھا' پھر اس نے ذکر کے ساتھ ہر چیز لکھ لی۔ (بخاری)

پتہ چلا کہ اللہ کے ساتھ روحیں اور نفوس قدیم نہ تھے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ کی اولیت میں کوئی بھی کسی صورت سے مساوی نہیں۔

(۱۰) دلائل سے پتہ چلتا ہے کہ فرشتے بھی مخلوق ہیں۔ اور فرشتے ایسی روحیں ہیں جو جسموں سے مستغنی ہیں۔ یہ انسان اور روح انسان سے بہت پہلے پیدا ہو چکے تھے۔ پھر جب انسان کے جسم میں فرشتہ روح پھونکتا ہے مخلوق ہے تو روح جو اس کے ڈالنے سے پڑتی ہے کیسے قدیم ہو سکتی ہے۔

فرشتہ روح ازلی کو لے کر نہیں آتا بلکہ روح اس کے پھونکنے سے پیدا ہوتی ہے

ان غلطی کھانے والوں کا خیال ہے کہ فرشتہ قدیم اور ازلی روح کے ساتھ بھیجا جاتا ہے اور وہ روح انسان کے جسم میں ڈالتا ہے جس طرح کپڑا دے کر کوئی کسی کو کسی کے پاس بھیجے اور اس کپڑے کو پہنا دے۔ لیکن یہ زبردست گمراہی اور دھوکہ ہے۔ بلکہ روح فرشتے کے پھونکنے سے پیدا ہوتی ہے جیسے جسم منی سے پیدا ہوتا ہے اور غذا سے اس کی پرورش ہوتی ہے۔ پتہ چلا کہ روح کا مادہ فرشتے کے پھونکنے سے ہے اور جسم کا مادہ رحم میں منی ڈالنے سے ہے۔ ایک آسمانی مادہ ہے اور ایک زمینی۔ کسی پر آسمانی مادہ غالب آجاتا ہے اور اس کی روح علوی' شریف اور فرشتوں میں رہنے سہنے کے قابل بن جاتی ہے اور کسی پر ارضی مادہ غالب آجاتا ہے اور اس کی روح سفلی' ذلیل اور ارواح سفل میں رہنے سہنے کے قابل بن جاتی ہے اس لیے فرشتہ رواح کا باپ ہے اور مٹی جسم کا باپ ہے۔

(۱۱) رحمۃ اللعالمین ﷺ نے فرمایا: روحیں جمع شدہ لشکر مخلوق ہی ہوتا ہے۔ اس حدیث کے

راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ' حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا' حضرت سلمان فارسی' حضرت ابن عباس' حضرت ابن مسعود' حضرت علی رضوان اللہ علیہم اجمعین اور حضرت عمرو بن عبسہ ہیں۔ (۱۲) روح وفات' قبض' روک لینے اور چھوڑ دینے سے ضعف ہوتی ہے اور یہ مخلوق کی شان ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اللہ یتوفی الانفس الخ (اللہ موت کے وقت روحیں اٹھا لیتا ہے اور جو مری نہیں انہیں نیند کے وقت اٹھا لیتا ہے۔ پھر انہیں روک لیتا ہے جن پر موت کا فیصلہ کر چکا ہے اور دوسری ارواح مقررہ مدت تک کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔ اس آیت میں انفس سے قطعی طور پر مراد روحیں ہیں۔ ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم ایک مرتبہ رات میں رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر پر روانہ ہوئے۔ آپ سے راستے میں ٹھہرنے کی درخواست کی گئی' فرمایا: اگر تم سو گئے تو پھر ہمیں نماز کے لیے کون جگائے گا؟ حضرت بلالؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ میں جگاؤں گا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے پڑاؤ ڈال دیا۔ لوگ سو گئے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ اپنی سواری سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ ان کی آنکھ بھی لگ گئی۔ پھر سورج کا کچھ حصہ نکل آیا تھا کہ رحمۃ للعالمین ﷺ کی آنکھ کھل گئی۔ پوچھا بلال تم نے خوب جگایا۔ بولے اللہ کی قسم! ایسی نیند تو مجھے کبھی نہیں آئی جیسی آج آئی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ نے جب تک چاہا تمہاری روحیں روکے رکھیں اور جب چاہا انہیں لوٹا دیا۔ (بخاری و مسلم)

اس لیے روح مقبوضہ وہ روح ہے جسے اللہ تعالیٰ موت و نیند کے وقت اٹھا لیتا ہے پھر مرنے کے وقت اٹھائی جانے والی روح لوٹائی نہیں جاتی۔ ملک الموت میت کے سرہانے آ کر بیٹھتا ہے اور اس کے جسم سے روح قبضے میں کر لیتا ہے اور بہشت یا دوزخ کے کفن میں لپیٹا ہے پھر آسمان پر لے کر چڑھتا ہے راہ میں ملنے والے فرشتے اس کی تعریف یا برائی کرتے ہیں۔ پھر روح رب کے روبرو پیش کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں اپنا فیصلہ صادر فرماتا ہے۔ پھر ارض کی طرف واپس کر دی جاتی ہے اور مردے اور اس کے کفن کے درمیان داخل ہو جاتی ہے۔ پھر قبر میں منکر نکیر سوال کرتے ہیں اور بطور نتیجے کے عذاب یا ثواب ہوتا ہے۔ یہی روح سبز پرندوں کے پیٹوں میں رکھ دی جاتی ہے اور جنت سے کھاتی پیتی ہے۔ اس پر صبح و شام آگ پیش کی جاتی ہے۔ یہی تصدیق و تکذیب کرتی ہے' یہی اطاعت و نافرمانی کرتی ہے' یہی امارہ' لوامہ اور مطمئنہ ہے اسی پر عذاب و ثواب ہوتا ہے۔ یہی خوش نصیب و بدنصیب ہوتی ہے' یہی روکی اور چھوڑی جاتی ہے' یہی صحت مند و بیمار ہوتی ہے' یہی لذت اندوز و الم ناک ہوتی ہے اسی کو خوف و شرمندگی ہوتی ہے۔ یہ تمام مخلوق ہی کی صفتیں ہیں۔

رحمۃ للعالمین ﷺ سوتے وقت یہ دعا پڑھتے کرتے تھے:

اللھم انت خلقت نفسی الخ۔ ''اے اللہ! تو نے ہی میری رواح پیدا کی اور تو ہی اسے اٹھائے گا''۔ اس کی موت وزندگی تیرے ہی اختیار میں ہے پھر اگر تو اسے روک لے تو اس پر رحم فرما۔ اور اگر چھوڑ دے تو اپنے نیک بندوں کی طرح اس کی حفاظت کر۔ اللہ تعالیٰ جسموں کی طرح روحوں کا بھی پیدا کرنے والا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ما اصاب من مصیبۃ فی الارض ولا فی انفسکم الخ۔ ''جو کچھ مصیبت دنیا میں اور تمہاری جانوں میں آتی ہے وہ قبل اس کے ایک کتاب میں کہ ہم مصیبت پیدا کریں لکھی ہوئی ہے۔'' کچھ کے نزدیک نبراھا میں ضمیر زمین کی طرف آتی ہے اور کچھ کے نزدیک انفسکم کی طرف۔ ظاہر ہے کہ قریب انفسکم ہی ہے۔ اس لیے ضمیر کا جانوں کی طرف لوٹنا زیادہ بہتر ہے۔ اور تینوں کی طرف اگر لوٹا دی جائے تو بھی بہتر ہے۔ لیکن روح کیسے قدیم اور خالق سے مستغنی ہوسکتی ہے؟ جبکہ اپنی ایک ایک ضرورت میں اپنے خالق کی محتاج ودست نگر ہے نہ صرف اس کی ذات بلکہ اس کے افعال وصفات بھی رب کے ہی پیدا کیے ہوتے ہیں اس کی ذات کا تقاضا عدم ہے اسے تو اپنے نفع ونقصان۔ موت وحیات اور زندگی بعد الموت پر بھی قدرت نہیں وہ اتنی ہی نیکیاں کماتی ہے جتنی اللہ تعالیٰ نے اسے عطا کی ہیں اور انہی برائیوں سے بچتی ہے جن سے اللہ تعالیٰ اُسے بچاتا ہے۔ یہ دنیا اور آخرت میں اللہ ہی کی ہدایت سے فیض یاب ہوتی ہے۔ اسی کی توفیق واصلاح سے درست وصحیح رہتی ہے اسی کی تعلیم سے علم حاصل کرتی ہے اور اس کے ڈالے ہوئے علم سے آگے نہیں بڑھتی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کیا پھر شکل وصورت بنائی اور بری اچھی باتیں اس کے دل میں ڈالیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہی روحوں کا اور ان کے اچھے غلط کاموں کا خالق ہے روح نہ خود غیر مخلوق ہے جیسا کہ بعض جاہل کہتے ہیں اور نہ اپنے افعال کی خالق ہے جیسا کہ دوسرے نادانوں کا خیال ہے۔ یہ بات یقینی ہے کہ اگر روح قدیم وغیر مخلوق ہوتی تو بالذات اپنے وجود وصفات وکمال میں مستغنی ہوتی۔ حالانکہ قدم قدم پر محتاج ہے اور یہ احتیاج اس کی ذات سے ہے۔ کسی دوسری وجہ سے نہیں۔ جیسے اس کا رب بالذات بے نیاز ہے اور یہ ذاتی استغنا ہے۔ کسی دوسری وجہ سے نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قدامت وربوبیت میں اس کی ہمہ گیر سلطنت میں ان کے قدسی کمالات میں اور اس کے استغنا میں کوئی شریک نہیں۔ غرضیکہ جسموں کی طرح حدوث وتخلیق کے نشانات روحوں پر بھی جھلکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یا ایھا الناس انتم الفقراء الخ۔ ''اے لوگو! تم اللہ کے محتاج ہو اور اللہ ہی بے نیاز اور لائق

تعریف ہے۔" یہ خطاب صرف جسموں ہی سے نہیں ہے بلکہ جسموں کے ساتھ ساتھ روحوں سے بھی ہے۔ اور اللہ کے اس ہمہ گیر استغنا میں کوئی شریک نہیں۔ اس سے بھی زیادہ واضح دلیل سنئے ارشاد باری تعالیٰ ہے: فلو لا اذا بلغت الحلقوم الخ "یعنی اگر تم غلام و مقہور اور اپنے عملوں کا بدلہ دیئے جانے والے نہیں ہو تو جب روحیں حلق میں آ کر اٹک جائیں تو انہیں جسموں میں واپس کر کے تو دکھاؤ"۔ اس سے کیا یہ معلوم نہیں ہوتا کہ روحوں کے مالک کون ہیں؟ اور مالک ان سے حساب لے کر ان کے اعمال کا بدلہ دے گا۔

اس لیے ہم نے اوپر جتنے روح کے احکام و حالات بتائے ہیں اور موت کے بعد ان کی برزخی ٹھہرنے کی جگہیں بتائی ہیں وہ سب بتا رہے ہیں کہ روح مخلوق و مملوک ہے قدیم نہیں۔ روحوں کا مخلوق ہونا بالکل اچھی طرح واضح ہے۔ دلائل کا محتاج نہیں۔ اگر گمراہ صوفی اور بدعتی اور قرآن و حدیث کو غلط سمجھنے والے نہ ہوتے تو ہمیں دلیلوں کی ضرورت نہیں تھی۔ مگر لوگوں نے اپنی غلط سمجھوں کے باوجود روحوں پر ایسی گفتگو کی جو صاف بتا رہی ہے کہ وہ روحوں کے بارے میں بالکل بھی نہیں جانتے۔ ایک کم عقل کا انسان بھی ایسی صاف بات کا انکار نہیں کر سکتا جس پر نہ صرف اس کی ذات وصفات اور افعال و جوارح گواہی دے رہے ہوں بلکہ آسمان و زمین اور اللہ کی تمام مخلوق گواہی دیتی ہو اللہ کے ماسوا ہر چیز اپنے مخلوق ہونے پر کئی طرح سے گواہ ہے انکار کرنے والوں کے اندر ہی بہت سے دلائل موجود ہیں۔

روح کو غیر مخلوق کہنے والوں کے دلائل

اس فرقہ کے جتنے دلائل ہیں قرآن کی محکم آیتوں کو چھوڑ کر متشابہ آیتوں سے لیے ہوئے ہیں۔ جو ہر گمراہ اور بدعتی فرقے کا طریقہ کار ہوتا ہے۔ قرآن پاک کی شروع سے آخر تک محکم آیتیں بتا رہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی خالق و موجد ارواح ہے۔

قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّی کا جواب

انہوں نے قل الروح من امر ربی سے جو روح کے غیر مخلوق ہونے پر دلیل دی ہے اس کا دار و مدار اس پر ہے کہ امر سے مراد طلب ہے جس کے مقابلہ میں نہی آتی ہے۔ جبکہ ایسا نہیں ہے یہاں امر سے مراد مامور ہے اور امر بہ معنی مامور عربی زبان میں بہت زیادہ استعمال کیا جاتا ہے۔ خود قرآن پاک میں بے شمار جگہ استعمال کیا گیا ہے اتی امر اللہ "اللہ کا مقرر کردہ عذاب آ گیا" لما جاء امر ربک "جب آپ کے رب کا مقرر کردہ عذاب آ گیا" وما امر الساعۃ الا کلمح البصر۔

"قیامت کا مقرر کردہ وقت فوراً آجائے گا" اسی طرح لفظ خلق مخلوق کے مطلب میں آتا ہے۔ اس آیت میں کسی صورت سے بھی روح کی قدامت و غیر مخلوقیت کی دلیل نہیں۔ اس آیت کی کچھ سلف نے تفسیر یہ کی ہے کہ روح اللہ کے حکم سے مخلوق کے جسموں میں آئی۔ اور اس کی قدرت سے وہاں ٹھہر گئی یہ تفسیر اس صورت میں ہے جب کہ آیت والی روح سے انسانی روح مراد ہو۔ لیکن اس میں بھی اختلاف ہے کہ یہاں روح سے مراد انسانی روح ہے۔ یا کوئی خاص روح مراد ہے۔ تقریباً تمام سلف کا اتفاق ہے کہ یہاں روح سے مراد وہ روح ہے جو قیامت کے دن فرشتوں کے ساتھ کھڑی ہوگی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: یوم یقوم الروح و الملائکۃ صفا "یعنی جس دن روح فرشتوں کے ساتھ قطار باندھ کر کھڑی ہوگی" یہ روح سب سے بڑا فرشتہ ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ رحمۃ اللعالمین ﷺ کے ساتھ ساتھ مدینہ کے کالے پتھروں والے علاقہ سے گزر رہا تھا اور آپ لکڑی سے ٹیک لگا کر چل رہے تھے۔ پھر ہم چند یہودیوں کے پاس سے گزرے۔ انہوں نے آپس میں کہا کہ آؤ آپ سے روح کے بارے میں پوچھیں کسی نے کہا نہیں۔ کہیں ایسی بات نہ بتا دیں جس سے تمہیں دکھ ہو۔ لیکن یہودی بولے ہم پوچھ ہی لیتے ہیں۔ چنانچہ ایک یہودی نے کھڑے ہو کر۔ ابوالقاسم! یہ روح کیا ہے؟ آپ خاموش ہو گئے۔ میں نے پہچان لیا کہ آپ پر وحی اتر رہی ہے۔ آخر میں ٹھہر گیا۔ پھر جب وحی کھل گئی تو آپ نے یہ آیت پڑھ کر سنائی۔ (بخاری وغیرہ)

یہ بات ظاہر ہے کہ یہودیوں نے انسانی روح کے بارے میں نہیں پوچھا تھا۔ بلکہ اس روح کے بارے میں سوال کیا تھا جس کا حال وحی کے بغیر معلوم نہیں ہو سکتا تھا۔ مطلب کہ اس روح کے بارے میں سوال تھا جو اللہ کے پاس ہے اور جس سے لوگ واقف نہیں ہیں انسانی روح غیب میں سے نہیں۔ اکثر مذہب والوں نے اس پر گفتگو کی ہے۔ اگر انسانی روح کے بارے میں جواب مان لیا جائے تو جواب نبوت کی خبروں میں سے نہیں بنتا۔

ایک شبہ کا جواب

اگر کوئی کہے کہ ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ قریش نے ایک مرتبہ عقبہ بن ابی معیط کو اور عبداللہ بن ابی امیہ کو مدینہ کے یہودیوں کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تحقیق کے لیے بھیجا۔ انہوں نے یہودیوں سے کہا کہ ہم میں ایک شخص نبوت کا دعویٰ کرتا ہے۔ اور وہ نہ ہمارے دین پر ہے اور نہ تمہارے دین پر۔ یہودیوں نے پوچھا اسے کون مانتے ہیں؟ یہ بولے: غلام کمزور نچلے طبقے کے اور غریب لوگ مانتے ہیں۔ اعلیٰ طبقے کے شرفاء اور معزز حضرات نہیں مانتے۔ یہودی بولے کہ نبی کے ظہور کا وقت تو آ گیا ہے

اورتم اس شخص کے جو حالات بتا رہے وہ بھی انہیں حالات سے دوچار ہوگا۔ ہم تمہیں تین سوال بتاتے ہیں اس سے جا کر پوچھو۔ اگر انہوں نے بتا دیے تو سچا ہے ورنہ جھوٹا ہے۔

اس سے روح کے بارے میں سوال کرو جو آدم (علیہ السلام) میں پھونکی گئی تھی۔ اگر وہ یہ جواب دے کہ روح اللہ سے ہے تو کہو اللہ جہنم میں ایسی چیز کو کس طرح ڈال سکتا ہے جو اس سے ہے۔ آخر آپ نے اس کے بارے میں جبرئیل امین علیہ السلام سے پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی "یعنی روح اللہ کی مخلوق ہے اللہ سے نہیں ہے" اس سے پتہ چلا کہ انسانی روح مراد ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس جیسی سند دلیل کے قابل نہیں۔ کیونکہ یہ روایت سدی کی تفسیر میں ابو مالک سے ہے۔ اور اس میں کئی چیزیں نہ ماننے والی ہیں۔ تمام کتب صحاح ومسانید میں اس قصے کا سیاق سدی کے سیاق کے خلاف ہے۔

اعمش اور مغیرہ بن ابراہیم سے وہ علقمہ سے اور وہ ابن مسعودؓ سے بیان کرتے ہیں کہ رحمۃ اللعالمین ﷺ یہودیوں کی ایک جماعت کے قریب سے گزرے میں آپ کے ساتھ تھا۔ یہودیوں نے آپ سے روح کے سلسلہ میں سوال کیا۔ آپ خاموش ہو گئے۔ میں نے سوچا آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے۔ پھر یہ آیت اتری "یسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی وما اوتوا من العلم الا قلیلا۔" "یہودی آپ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ آپ فرما دیں روح میرے رب کی ماموریں میں سے ہے اور تھوڑا سا ہی علم یہودیوں کو دیا گیا ہے"۔ (ابن مسعودؓ کی یہی قرآءت ہے۔)

یہودیوں نے کہا: تورات میں بھی یہی جواب ہے۔ (جریر بن عبدالحمید وغیرہ) اس کے ہم معنی ابن عباسؓ کی روایت ہے۔ ان روایتوں سے سدی والی حدیث کا کمزور ہونا معلوم ہو گیا اور یہ بھی کہ یہ قصہ مدینہ کا ہے۔ مکہ کا نہیں۔ کیونکہ اس حدیث میں اور ابن مسعودؓ کی حدیث میں وضاحت ہے کہ سوال مدینہ میں کیا گیا تھا۔ اگر مکہ مکرمہ میں ہو چکا ہوتا تو آپ وحی کا انتظار نہ کرتے۔ اور فوراً جواب دے دیتے کیونکہ مکہ میں پہلے ہی سے اس کا جواب آپ کو معلوم ہو چکا تھا۔

ابن عباسؓ کی روایات پر تبصرہ

اس آیت کی تفسیر میں ابن عباسؓ سے سخت مختلف روایتیں آئی ہیں۔ یہ تضاد یا تو راویوں کی جانب سے ہے یا خود ابن عباسؓ ہی کے اقوال میں تضاد ہے۔ اب ہم ان متضاد روایتوں کا بیان کرتے ہیں۔

ابن عباسؓ کی سدی کی روایت تو گزر ہی چکی ہے۔

دوسری روایت

دوسری روایت داؤد بن ابی ہند عکرمہ سے اور وہ ابن عباسؓ سے جو روایت کرتے ہیں وہ اس کے خلاف ہے۔ خود داؤد کی اس روایت میں تضاد ہے چنانچہ مسروقؒ و ابراہیمؒ یحییٰ بن زکریاؒ سے اور وہ داؤد سے روایت کرتے ہیں کہ محمد بن نصر مروزی اس طرح بیان کرتے ہیں۔ اسحق یحییٰ بن زکریا داؤد۔ عکرمہ۔ ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ قریش نے یہودیوں سے کہا کہ ہمیں کچھ دو تا کہ ہم اس شخص سے سوال کریں تو انہوں نے کہا روح کے بارے میں سوال کرو۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی پہلی روایت کے اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کے مخالف ہے۔

تیسری روایت

ہشیم۔ ابو بشر۔ مجاہد۔ ابن عباسؓ آپ بیان کر دیں کہ روح اللہ کے امر میں سے ایک امر ہے۔ اور اللہ کی مخلوق میں سے ایک مخلوق ہے۔ اور اس کی انسانی شکلوں کی طرح صورتیں ہیں۔ آسمان سے جو فرشتہ اترتا ہے اس کے ساتھ ایک روح ضرور ہوتی ہے۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہ روح انسانی روح کے علاوہ ہے۔

چوتھی روایت

چوتھی روایت عبدالسلام بن حرب۔ خصیف۔ مجاہد۔ ابن عباسؓ سے ہے (آیت کی تفسیر میں) روح قرآن میں بمنزلہ لفظ کن ہے۔ آپ وہی جواب دیں جو آپ کے رب نے سنا دیا ہے۔ پھر یہی روایت طریق خصیف سے عکرمہ سے اور عکرمہ ابن عباسؓ سے بیان کرتے ہیں۔ کہ آپ چار چیزوں کی تفسیر بیان نہیں کیا کرتے تھے۔ رقیم غسلین، روح اور وسخر لکم ما فی السموات و ما فی الارض جمیعا منہ

پانچویں روایت

جویبر۔ ضحاک۔ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ یہودیوں نے رحمۃ للعالمین ﷺ سے روح کے بارے میں سوال کیا۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قل الروح من امر ربی. ''یعنی روح میری مخلوق میں سے ایک مخلوق ہے۔'' وما اوتیتم من العلم الا قلیلا ''یعنی اگر تم سے تمہاری

ذاتوں کی تحقیق کے بارے میں سوال کیا جائے اور طعام وشراب کے آنے اور جانے کے راستوں سے پوچھا جائے تو تم انہیں بھی اچھے طریقہ سے نہ بتا سکو گے۔"

چھٹی روایت

عبدالغنی بن سعید۔ موسیٰ بن عبدالرحمٰن' ابن جریج' عطاء ابن عباسؓ اور مقاتل ضحاک' ابن عباسؓ (آیت کی تفسیر میں) ایک مرتبہ قریش کا اکٹھ ہوا اور اس میں یہ فیصلہ ہوا کہ چونکہ محمد (ﷺ) جھوٹے نہیں ہیں اور انہوں نے ہم میں صدق وامانت کے ساتھ زندگی گزاری ہے اس لیے یہودیوں کے پاس وفد بھیج کر آپ کے بارے میں ان سے تحقیق کرو۔ وہ ان کی بشارت دیا کرتے تھے اور بہت زیادہ سے ان کا ذکر کرتے تھے ان کی نبوت کے مدعی تھے اور ان کی مدد کرنے کی امید رکھتے تھے۔ اور انہیں یقین تھا کہ وہ ان کی طرف ہجرت کر کے آئیں گے۔ اور وہ ان کے انصار بنیں گے۔ چنانچہ اس وفد نے یہودیوں سے آپ کے بارے میں پوچھا۔ یہودیوں نے کہا ان سے تین باتیں پوچھ کر دیکھو۔ ان سے روح کے بارے میں سوال کرو۔ تورات میں صرف لفظ روح آیا ہے۔ اس کی تفسیر وضاحت نہیں ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔ "یعنی روح میرے رب کی مخلوق میں سے ہے۔"

قرآن میں روح کے مختلف معنی آئے ہیں

(۱) روح بمعنی وحی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وکذالک اوحینا الیک روحا من امرنا. "اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے آپ پر وحی اتاری" یلقی الروح من امرہ علی من یشاء من عبادہ. "اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں جس پر چاہتا ہے اپنے حکم سے وحی اتار دیتا ہے۔"

(۲) قوت وثبات اور نصرت وحمایت۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وایدھم بروح منہ "اللہ نے اپنی طاقت سے ان کی تائید فرمائی۔"

(۳) حضرت جبرئیل امین۔ ارشاد خداوندی ہے: نزل بہ الروح الامین علی قلبک. "اسے حضرت جبرئیل علیہ السلام لے کر آپ کے قلب پر اترے"۔ پھر ارشاد ہوتا ہے:

من کان عدو الجبریل الخ "جو جبرئیل کا دشمن ہے تو جبرئیل ہی نے یہ قرآن اللہ کے حکم سے آپ کے دل میں اتارا ہے۔ ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قل نزلہ روح القدس "آپ فرمادیں اسے روح القدس نے اتارا ہے۔"

(۴) وہ روح جس کے بارے میں یہودیوں نے آپ سے پوچھا تھا اور انہیں جواب دیا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے ہے۔ کہا جاتا ہے یہ وہی روح ہے جو مندرجہ ذیل دونوں آیتوں میں ذکر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یوم یقوم الروح و الملائکۃ صفا ''جس دن روح اور فرشتے قطار باندھے کھڑے ہوں گے۔'' تنزل الملائکۃ و الروح فیھا ''شب قدر میں فرشتے بمعہ روح کے اپنے رب کے حکم سے اترتے ہیں۔''

(۵) حضرت مسیح علیہ السلام۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: روح منہ ''آپ اللہ کی روح ہیں''

انسانی روح کے بارے میں قرآن میں نفس کا لفظ استعمال کیا گیا ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یا ایتھا النفس المطمئنۃ ''اے اطمینان والی روح'' ولا اقسم بالنفس اللوامہ ''قابل ملامت روح کی قسم'' ان النفس لامارۃ بالسوء ''روح تو برائی ہی کی طرف کھینچتی ہے۔'' اخرجوا انفسکم ''اپنی روحیں نکالو'' ونفس وما سواھا ''روح اور روح کو ٹھیک کرنے والے کی قسم'' کل نفس ذائقۃ الموت ''ہر روح موت کا ذائقہ چکھنے والی ہے۔''

روح انسانی کے لیے حدیث میں لفظ نفس بھی آیا ہے اور لفظ روح بھی ہر حال روح کا اللہ کے امر سے ہونا اس کی قدامت وغیرہ مخلوقیت پر دلالت نہیں کرتا۔

اللہ کی طرف روح کی نسبت کی وضاحت

اللہ تعالیٰ کی طرف دو طرح کی نسبتیں پائی جاتی ہیں۔ عوارض وصفات کی نسبت۔ جیسے علم، قدرت، کلام، سمع، بصر یہ صفاتی نسبت کہلاتی ہے۔ مطلب یہ کہ علم، کلام، ارادہ، قدرت اور حیات وغیرہ اللہ کی صفتیں ہیں۔

اور غیر مخلوق ہیں۔ اسی میں چہرہ، ہاتھ وغیرہ داخل ہیں۔ دوسری نسبت جواہر و اعیان کی ہے جو اللہ تعالیٰ سے بالکل مختلف ہیں۔ جس طرح بیت ناقہ، عبد، رسول اور روح یہ مخلوق کی خالق کی طرف نسبت ہے۔ اور تشریفی نسبت کہلاتی ہے۔ جیسے کسی چیز کو بنانے والے کی طرف اس کی عمدگی اور پائیداری ظاہر کرنے کے لیے منسوب کر دیا کرتے ہیں۔ اس نسبت میں منسوب اور منسوب الیہ کی ذاتوں میں مباینت

ہوتی ہے۔مثال کے طور پر بیت اللہ کہہ دیا گیا۔اگرچہ اس دنیا میں ہر گھر اللہ ہی کا ہے یا اللہ کی اونٹنی کہہ دیا گیا۔جبکہ ہر اونٹنی اللہ ہی کی ہے۔یہ نسبت اللہ کی محبت کو اور منسوب کے شرف واحترام کو چاہتی ہے۔ برخلاف اس کے اللہ کی ربوبیت کی طرف عام نسبت خلق وایجاد کو چاہتی ہے۔اس لیے عام نسبت ایجاد کو اور خاص نسبت اختیار وپسندیدگی کو چاہتی ہے اور جسے اللہ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا ہے چن لیتا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وربک یخلق مایشاء و یختار ''آپ کا رب جسے چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور چن لیتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ کی طرف روح کی نسبت کس قسم کی ہے؟

اللہ تعالیٰ کی طرف روح کی نسبت خاص اور جوہری نسبت ہے عام اور عرضی نہیں۔اس نکتہ کو یاد رکھئے۔انشاءاللہ بہت سی گمراہیوں سے لوگ جن میں پھنس گئے ہیں بچ جائیں گے۔

ایک اور شبہ کا جواب

اگر کہا جائے کہ ونفخت فیہ من روحی ''اور میں نے اس میں اپنی روح پھونکی'' اس میں اللہ تعالیٰ نے روح پھونکنے کی نسبت اپنی طرف کی ہے۔جس طرح خلقت بیدی ''میں نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا'' میں پیدا کرنے کی نسبت اپنی طرف کی ہے۔اس لیے ایک مستند حدیث میں ان دونوں میں فرق کیا گیا ہے کہ لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آ کر کہیں گے کہ آپ انسانوں کے باپ آدم ہیں۔آپ کو اللہ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا۔آپ کے جسم میں اپنی روح پھونکی آپ کو اپنے فرشتوں سے سجدہ کرایا۔اور آپ کو اپنی تمام چیزوں کے نام سکھائے۔اس حدیث میں حضرت آدم علیہ السلام کی چار خصوصیات بیان فرمادیں۔اگر فرشتے نے روح پھونکی ہوتی تو پھر یہ خصوصیت باقی نہیں رہتی اور آپ بھی حضرت مسیح علیہ السلام بلکہ تمام قسم کے انسانوں کی طرح ہوتے۔کیونکہ ان میں فرشتے نے روح پھونکی۔تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس مقام کی وجہ سے ایک فرقہ قدامت روح کا ماننے والا ہے اور ایک فرقہ نے سکوت اختیار کیا۔دونوں قرآن پاک کی مراد سمجھنے سے قاصر رہے۔جبکہ اللہ کی طرف یہ نسبت نسبت تشریفی ہے۔اور نفخ کی نسبت حکم والی نسبت ہے۔جیسے بادشاہ کہے میں نے محل بنایا۔اللہ تعالیٰ نے ایک جگہ حضرت مریمؑ کے بارے میں فرمایا کہ ہم نے اپنی روح ان میں پھونکی (یعنی فرشتے کو روح پھونکنے کا حکم دیا) دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ان کی طرف فرشتہ بھیجا اور اس نے روح پھونکی۔ (مطلب یہ کہ فرشتے نے ہمارے حکم سے روح پھونکی)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح اللہ کیوں کہا جاتا ہے؟

جب یہ فیصلہ ہو چکا کہ روح پھونکنے والا فرشتہ ہے تو پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح اللہ کیوں کہا جاتا ہے؟ اور کیا حضرت آدم علیہ السلام میں بھی فرشتے ہی نے روح پھونکی یا براہ راست اللہ تعالیٰ شانہ نے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام کی روح کو اپنی طرف منسوب فرمایا ہے۔ پتہ چلا کہ اس میں اہمیت وشرف ہے مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تمام روحوں میں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح خاص طور سے منتخب کی ہے اور فرشتے کے اختیار میں نہیں چھوڑی۔ اس لیے یہ روح بمنزلہ باپ کے ہے کیونکہ باپ حمل کا سبب بنتا ہے اور یہ روح بھی حمل کا سبب بنی۔ اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام کی روح کو بھی اپنی طرف منسوب فرمایا ہے۔ معلوم ہوا کہ اس میں اہمیت وشرف ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نہ تو عیسیٰ علیہ السلام کی طرح صرف ماں سے پیدا ہوئے اور نہ دوسرے انسانوں کی طرح ماں باپ سے۔ بلکہ بن ماں باپ کے پیدا ہوئے اور عام اولاد آدم علیہ السلام کی طرح فرشتے نے ان میں روح نہیں پھونکی۔ ورنہ آدم کی خصوصیت باقی نہیں رہتی۔ بلکہ اللہ نے ان کی مٹی میں روح پھونکی۔ اس پر دلیل قائم ہے) رہا یہ سوال کہ اللہ نے براہ راست روح پھونکی ان میں سے ہر ایک دعویٰ دلیل کا محتاج ہے۔

ہاتھ سے پیدا کرنے اور روح پھونکنے میں فرق

ہاتھ سے پیدا کرنے اور روح پھونکنے میں یہ فرق ہے کہ ہاتھ غیر مخلوق ہے اور روح مخلوق ہے۔ اور پیدا کرنا اللہ کا کام ہے۔ اور روح پھونکنا کیا اللہ کے ان کاموں میں سے ہے جو اس کے ساتھ قائم ہیں یا ایک مفعول ہے۔ ان مفعولات میں سے جو اللہ کے ساتھ قائم نہیں بلکہ اس سے بالکل علیحدہ ہیں۔ اس کے لیے دلیل کی ضرورت ہی نہیں۔ اس کے برخلاف حضرت مریم علیہا السلام والا نفخ اللہ کا ایک مفعول ہے۔ اور اللہ نے اپنی طرف منسوب اس لیے فرمایا ہے کہ اس کے حکم سے مکمل ہوا بہر حال حضرت آدم علیہ السلام والا نفخ خواہ اللہ کا فعل ہو یا مفعول ہر حال میں روح منفوخ مخلوق وغیر قدیم ہے۔ اور یہی مخلوق روح اور روح آدم کا مادہ ہے۔ اس لئے ان کی روح بھی بدرجہ اولیٰ حادث و مخلوق ہوگی اور ہے۔

☆☆☆

اٹھارہواں حصہ

روحیں پہلے پیدا ہوئیں یا جسم

روحیں پہلے پیدا ہوئیں یا جسم؟ اس کے جواب میں شیخ الاسلام نے دو مشہور اقوال نقل کیے ہیں۔

شیخ الاسلام کا جواب

محمد بن نصر مروزی اور ابو محمد بن حزم تقدم خلق ارواح کے ماننے والے ہیں بلکہ ابن حزم نے تو اس پر اجماع بھی نقل کیا ہے۔ اب ہم دونوں فرقوں کی دلیلیں بیان کر کے درست مسئلہ بیان کرتے ہیں۔

مروزی اور ابن حزم تقدم خلق ارواح کے قائل ہیں۔

تقدم خلق ارواح کے دلائل

پہلی دلیل

(۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ولقد خلقنا کم ثم صورنا کم الخ ''ہم نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہاری شکلیں بنائیں پھر ہم نے فرشتوں سے آدم کو سجدہ کرنے کے لیے کہا''۔ کہتے ہیں ثم ترتیب و تاخیر کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ خلق سجدۂ آدم پر مقدم ہے۔ اور یہ یقینی طور پر معلوم ہے کہ بدن بعد میں پیدا ہوتے ہیں۔ پتہ چلا کہ خلق سے خلق ارواح مراد ہے۔

دوسری دلیل

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۲) واذ اخذ ربک من بنی آدم الخ ''اور جب تمہارے رب نے آدم کی پیٹھ سے ان کی

اولاد نکالی اور اس پر ان کو گواہ بنایا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے کہا کیوں نہیں"

صاف ظاہر ہے کہ یہ اقرار روحوں سے لیا گیا تھا۔ کیونکہ اس وقت جسم نہیں تھے۔ حضرت عمرؓ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا گیا فرمایا: میں نے سنا رحمۃ اللعالمین ﷺ سے بھی اس کے بارے میں پوچھا گیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔ پھر ان کی پشت پر اپنا سیدھا ہاتھ پھیرا۔ اور اس سے ان کی تمام اولاد نکالی۔ اور فرمایا میں نے انہیں جہنم کے لیے پیدا کیا۔ یہ جہنم والوں جیسے عمل کریں گے۔ اور میں نے انہیں جنت کے لیے پیدا کیا۔ اور یہ جنت والوں جیسے عمل کریں گے۔ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ پھر اعمال کی ضرورت نہیں۔ فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی کو جنت کے لیے پیدا کرتا ہے تو اس سے جنت والوں جیسے عمل کراتا ہے۔ حتیٰ کہ اس کا خاتمہ اچھے عمل پر ہو جاتا ہے اور اسے اس کی وجہ سے جنت میں داخل کر دیتا ہے اور جب کسی کو جہنم کے لیے پیدا کرتا ہے تو اس سے جہنم والوں جیسے عمل کراتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا خاتمہ برے عمل پر ہو جاتا ہے۔ اور اسے اس کی وجہ سے جہنم میں داخل کر دیتا ہے۔ (موطا امام مالکؒ) حاکم فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مسلم کی شرط پر ہے۔ حاکم کی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والی مرفوع روایت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کر کے ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا تو ان کی پشت سے تمام روحیں جو قیامت تک آنے والی ہیں چیونٹیوں جیسی نکل آئیں پھر اللہ نے ان میں سے ہر ایک کی پیشانی پر نور کی چمک رکھی۔ پھر انہیں آدم علیہ السلام کے سامنے لائے۔ آدم علیہ السلام نے پوچھا اے رب! یہ کون ہیں؟ فرمایا: یہ تمہاری اولاد ہے۔ پھر آدم علیہ السلام ان میں سے ایک شخص کی پیشانی پر نور دیکھ کر حیران ہو کر بولے اے رب! یہ کون ہیں؟ فرمایا یہ تمہارے بیٹے داؤد (علیہ السلام) ہیں۔ جو آخری قوموں میں ہوں گے پوچھا ان کی عمر کتنی ہے؟ فرمایا: "ساٹھ سال" بولے انہیں میری عمر میں سے چالیس سال اور دے دیجئے۔ فرمایا: پھر تو لکھ کر مہر لگا دی جائے گی اور تبدیلی نہیں ہوگی۔ پھر جب حضرت آدم علیہ السلام کی عمر پوری ہو گئی تو ملک الموت ان کے پاس آیا۔ فرمایا: ابھی تو میری عمر کے چالیس سال باقی ہیں فرشتے نے فرمایا: وہ تم نے اپنے بیٹے داؤد (علیہ السلام) کو نہیں دے دیئے تھے؟ رحمۃ اللعالمین ﷺ نے فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے انکار کیا۔ اس لیے ان کی اولاد میں بھی یہی عادت ہے۔ یعنی آپ بھول گئے اور آپ کی اولاد میں بھی بھول جانے کی عادت ہے۔ اور آپ سے غلطی ہو گئی اس لیے آپ کی اولاد میں بھی غلطی کی عادت ہے۔ (ترمذی حسن صحیح)

امام احمدؒ بھی یہ حدیث ابن عباسؓ سے بیان کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں جب قرض والی آیت اتری

تو رحمۃ اللعالمین ﷺ نے فرمایا کہ سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام مکرے تھے۔ محمد بن سعد نے یہ زیادہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی عمر کے پورے ہزار سال کر دیئے اور حضرت داؤد علیہ السلام کے پورے سو سال برقرار رکھے۔ حاکم کی ابی والی حدیث میں اسی آیت کی تفسیر ہے کہ اللہ نے اس دن قیامت تک دنیا میں آنے والوں کو جمع فرما دیا اور روحیں بھی پیدا کر دیں۔ پھر ان کی صورتیں بنائیں اور ان سے وعدہ لیا وہ بولے اور انہوں نے اللہ کی ربوبیت کا پکا وعدہ کیا۔ اللہ نے فرمایا: میں اس پر سات آسمانوں کو اور سات زمینوں کو شاہد بناتا ہوں اور تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو بھی کہ قیامت کے دن یہ نہ کہہ دینا کہ ہم تو بالکل بے خبر تھے۔ خبردار میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرنا میں تمہارے پاس رسول بھیجوں گا۔ جو تمہیں یہ عہد و میثاق یاد دلائیں گے اور تم پر اپنی کتابیں بھی اتاروں گا سب نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ہی ہمارے رب اور ہمارے معبود ہیں۔ آپ کے سوا ہمارا کوئی رب نہیں ان کے سامنے ان کے باپ آدم علیہ السلام لائے گئے۔ آپ نے اپنی اولاد میں امیر و غریب اور خوب صورت و بدصورت سب دیکھے۔ اور کہا اے رب! تیرے بندوں میں برابری ہوتی (تو کیا اچھا ہوتا) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مجھے شکر محبوب ہے۔ اور ان میں انبیاء علیہ السلام چراغوں کی طرح دیکھے۔ انبیائے کرام سے رسالت کا عہد لیا گیا۔ جیسا کہ اس آیت واذ اخذنا من النبیین الخ "جب ہم نے نبیوں سے عہد لیا" سے ثابت ہے۔

میثاق ازل کئی آیتوں سے ثابت ہے

میثاق ازل مندرجہ آیتوں فاقم وجھک للدین حنیفا الخ "اپنی ذات یکسو ہو کر دین کے لیے قائم کر لیجئے یہ دین (توحید) اللہ کی پیدائش ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا اور اللہ کی پیدائش میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ ھذا نذیر من النذر الاولی "یہ بھی پہلے ڈرانے والوں کی طرح ایک ڈرانے والی بات ہے" وما وجدنا لاکثرھم من عھد "ہم نے اکثر لوگوں کے لیے عہد نہیں پایا اور اکثر لوگوں کو نافرمان پایا" سے ثابت ہے۔ میثاق والی روحوں میں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بھی روح تھی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ روح حضرت مریمؑ کے پاس بھیجی جب کہ وہ اپنے گھر والوں سے علیحدہ ہو کر مشرق کی طرف ایک جگہ چلی گئی تھی۔ پھر وہ روح ان کے منہ کے اندر داخل ہو گئی۔ (اس کی سند درست ہے (ہشام بن حکیم بن حزام سے روایت ہے کہ ایک شخص نے سوال کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا ابتدائی عمل ہوتے ہیں یا تقدیر ہے؟ فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی اولاد نکالی ان سے

عہد لیا۔ پھر لپ بھر کر انہیں ڈال کر فرمایا کہ یہ جنتی اور یہ جہنمی ہیں۔ جنتیوں کو اہل جنت جیسے اعمال آسان ہوں گے۔ اور دوزخیوں کو اہل دوزخ جیسے (اسحٰق بن راہویہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب اللہ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا (آگے آدم علیہ السلام کی پیدائش کا بیان ہے۔ پھر فرماتے ہیں) تو حضرت آدم علیہ السلام سے پوچھا۔ کہ میرے کس ہاتھ کو پسند کرتے ہو جس سے میں تمہیں تمہاری اولاد دکھاؤں۔ کہا اپنے رب کا سیدھا ہاتھ پسند کرتا ہوں اور میرے رب کے دونوں ہاتھ سیدھے ہی ہیں۔ پھر اللہ نے اپنا سیدھا ہاتھ کھول دیا۔ جس میں قیامت تک دنیا میں آنے والی تمام اولاد تھی۔ تندرست اپنی تندرستی پر اور بیمار اپنی بیماری پر اور انبیاء علیہم السلام اپنی ہیئت پر تھے کہا: آپ نے سب کو بھلائی کیوں نہیں بخشی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ میرا شکر ادا کیا جائے۔ (اسحٰق بن راہویہ عبداللہ بن سلام سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا پھر اپنے ہاتھ سے اشارا کر کے مٹھیاں بند کر کے فرمایا اے آدم! دونوں ہاتھوں میں سے کسی ایک ہاتھ کو منتخب کر لو۔ کہا میں نے اپنے رب کے سیدھے ہاتھ کو چن لیا اور اس کے دونوں ہاتھ سیدھے ہی ہیں آخر اللہ نے اسے کھول دیا تو اس میں ان کی اولاد تھی۔ پوچھا یہ کون ہیں؟ ارشاد ہوا یہ دنیا میں قیامت تک آنے والی تمہاری جنتی اولاد ہے۔ ان کے بارے میں میں جنت کا فیصلہ کر چکا ہوں۔ (محمد بن نصر)

رحمۃ اللعالمین ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا تو اس سے دنیا میں قیامت تک آنے والی روحیں باہر آ گئیں۔ (اسحاق)

ابن عباسؓ والے قول میں معمان (عرفۃ) کا لفظ بھی ہے۔ ابن عمرؓ کی تفسیر میں ہے کہ جیسے کنگھی سے بالوں کی اندرونی چیزیں باہر آ جاتی ہیں۔ اسی طرح اللہ نے آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی اولاد باہر نکالی۔ ابن عباسؓ والے ایک قول میں ہے کہ اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام کے سیدھے کندھے کو تھپتھپایا۔ جس سے ہر جنتی سفید و صاف روح باہر نکل آئی۔ فرمایا: یہ جنتی ہیں۔ پھر بائیں کندھے کو تھپتھپایا۔ جس سے ہر دوزخی سیاہ روح نکل آئی۔ فرمایا: یہ جہنمی ہیں۔ پھر ان سے ایمان و معرفت کا عہد لیا۔ ابن مسعودؓ اس آیت کی تفسیر میں چند صحابہؓ سے بیان فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے نکالا تو آسمان سے اترنے سے پہلے اللہ نے آدم علیہ السلام کی پشت پر سیدھی طرف ہاتھ پھیر کر اس سے موتیوں کی طرح سفید و شفاف چیونٹیوں کی طرح ان کی اولاد نکالی اور شان

بے نیازی سے فرمایا: جہنم میں چلے جاؤ۔ قرآن میں اصحاب یمین واصحاب شمال سے یہی مراد ہے۔ پھر ان سے عہد لیا اور پوچھا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے کہا کیوں نہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کو فرمانبردار و نافرمان دونوں دیدیئے پھر آپ نے اور فرشتوں نے کہا ہم گواہ ہیں قیامت کے دن ایسے نہ کہنا کہ ہم تو اس عہد سے بے خبر تھے یا ایسے نہ کہنا کہ پہلے سے ہمارے باپ دادا شرک پر قائم تھے اور ہم ان کی اولاد تھے۔ (ہم نے جس مذہب پر اپنے بزرگوں کو پایا وہی مذہب اختیار کرلیا) اس لیے ایسا شخص کوئی نہیں جسے یہ پتہ نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کا رب ہے اور کوئی ایسا مشرک نہیں جو یہ نہ کہتا ہو کہ ہم نے اپنے بزرگوں کو اس طریقہ پر پایا۔ ان آیتوں و اذا خذ ربک من بنی آدم الخ' وله اسلم من فی السموات والارض طوعا و کرها. اور فلله الحجة البالغة الخ میں یہی بیان ہے یعنی یوم میثاق کا بیان ہے۔ (سدی)

محمد بن کعب قرظی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ سب روحوں نے اجسام پیدا کیے جانے سے پہلے اللہ پر ایمان لانے کا اور اس کی معرفت کا اقرار کیا تھا۔ عطاء فرماتے ہیں کہ میثاق کے وقت روحیں حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے نکالی گئی تھیں پھر پشت میں واپس کردی گئیں ضحاک فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جس دن آدم کو پیدا کیا تھا۔ اسی دن ان کی پشت سے قیامت تک دنیا میں تمام آنے والی روحیں چیونٹیوں کی طرح نکال کر ان سے اپنی ربوبیت کا وعدہ لے لیا تھا۔ اور فرشتے شاہد بن گئے تھے۔ پھر اللہ نے سیدھے ہاتھ کی مٹھی میں لے کر فرمایا کہ یہ جنتی ہیں اور دوسرے ہاتھ کی مٹھی میں لے کر فرمایا تھا کہ یہ جہنمی ہیں۔

ازل کے سلسلے میں سوال

یحییٰ (غیر ابن سعید) فرماتے ہیں کہ میں نے ابن مسیبؒ سے ازل کے سلسلے میں پوچھا فرمایا: ایک درست حدیث سن لیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کر کے انہیں ایسی ایسی عزت کے قابل باتیں دکھائیں جو اپنی کسی مخلوق کو نہیں دکھائیں۔ آپ کو دنیا میں قیامت تک آنے والی روحیں دکھائیں پھر اگر کوئی یہ دعویٰ کرے کہ ان میں زیادتی یا کمی کردے گا۔ وہ جھوٹا ہے۔ اگر ستر آدمی اس دعویٰ پر اکٹھے ہو جائیں تو مجھے ان کی بھی فکر نہیں۔ ابو العالیہ (وله اسلم من فی السموات) "یعنی آسمان و زمین والے تمام خوشی و ناخوشی اللہ کے فرمانبردار ہو گئے" کی تفسیر میں فرماتے ہیں یعنی ازل والے میثاق کے دن سب نے رب کی توحید کا وعدہ کرلیا۔ اسحٰق فرماتے ہیں کہ اس دن اور اس وقت سب نے توحید کا

اقرار کیا۔ کیونکہ اللہ نے اس اقرار کی خبر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی سے خطاب فرماتا ہے جو خطاب کو سمجھے بھی اور جواب بھی وہی دیتا ہے جو سوال کو سمجھتا ہے۔ اس لیے روحوں کا جواب دینا اس بات کا ثبوت ہے کہ انہوں نے اللہ کے خطاب کو سمجھا اور سمجھ کر اس کے سوال کا جواب دیا اور سب نے اس کی توحید کا وعدہ کر لیا۔

تیسری دلیل

رحمۃ اللعالمین ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں سے ان کی روحیں دو ہزار سال پہلے پیدا کیں۔ پھر جن میں پہچان ہوگی ان میں محبت و موافقت رہتی ہے اور جن میں پہچان نہیں ہوئی ان میں اختلاف رہتا ہے۔ (ابن مندۃ)

تقدم خلق ارواح کو نہ ماننے والوں کے دلائل

یہ کہتے کہ ہم مخالف گروہ کا جواب دو طرح سے دیتے ہیں۔

دلیل نمبرا

ہم قرآن سے ثابت کرتے ہیں کہ تقدیم خلق ارواح نہیں پھر ان کے دلائل کا جواب دیں گے۔

(۱) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یا ایھا الناس انا خلقنا کم من ذکر و انثی ''اے لوگو! ہم نے تمہیں مرد و عورت سے پیدا کیا'' صاف واضح ہے کہ خطاب انسان سے ہے۔ پتہ چلا کہ انسان کا مجموعہ ماں باپ کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ اور انسان کا مجموعہ جسم و روح ہے۔

دلیل نمبر۲

دلیل نمبر۲ میں اس سے بھی زیادہ تفصیل والی آیت سن لیں: یا ایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم الخ ''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان سے بہت سے مردوں اور عورتوں کو پھیلا دیا'' واضح ہے کہ تمام نوع انسان کی پیدائش ان کی اصل کی پیدائش کے بعد ہے۔

ایک شبہ کا جواب

اگر کوئی کہے کہ اس سے تقدم خلق ارواح کی نفی لازم نہیں آتی مانا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد

تمام انسان پیدا ہوئے لیکن ان کے جسم پیدا ہوئے روحیں نہیں جیسا کہ اوپر کی دلیلوں سے ثابت ہو چکا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان شاء اللہ ہم بیان کرنے والے ہیں کہ اوپر کی دلیلوں میں سے کوئی دلیل بھی تقدیم خلق ارواح پر دلالت نہیں کرتی۔ گر ان دلائل کو صحیح مان لیا جائے تو زیادہ سے زیادہ ان سے یہ پتہ چلتا ہے کہ خالق ارواح نے ارواح کی شکلیں بنائیں ان کی پیدائش ان کی عمروں اور ان کے عملوں کا اندازہ کیا اور وہ صورتیں ان کے مادہ سے نکالیں پھر انہیں اسی مادے میں واپس کر دیا اور مقررہ وقت پر ہر شخص کے پیدا ہونے کا وقت مقرر فرمایا۔ یہ پتہ نہیں ہوتا کہ ان کی تخلیق مستقل پیدائش تھی کہ اس کے بعد روحیں زندہ رہ کر عالم و ناطق ہوں اور کسی خاص مقام پر رہتی ہوں۔ پھر وہاں سے ایک دوسرے کے بعد اپنے اپنے اجسام میں بھیجی جاتی ہوں مثال کے طور پر کہ ابن حزم نے کہا ہے۔ کیا آثار اپنی طاقت سے زیادہ بوجھ اٹھا سکتے ہیں ہاں اللہ تعالیٰ اپنے اپنے وقت پر تقدیر سابق کے مطابق انہیں پیدا کرتا رہتا ہے جیسا کہ تمام مخلوق میں اس کی عادت ہے کہ اللہ نے ان کے اندازے مدتیں صفات و ہئیات مقرر فرما دی ہیں۔ پھر انہی کے مطابق ان کا وجود خارجی ہوتا ہے۔ اور ان میں اس اندازے سے بال کے برابر فرق نہیں ہوتا۔ اس لیے اوپر والی دلیلیں سابق تقدیر پر دلالت کرتی ہیں اور کچھ اس پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مثالیں اور شکلیں نکالیں اور سعید و شقی کو علیحدہ علیحدہ کر دیا۔ لیکن ان سے خطاب کرنا انہیں بلوانا ان سے اقرار ربوبیت کرانا اور ان کا عبودیت کی گواہی دینا اس سلسلے میں سلف سے جس نے یہ باتیں مانی ہیں وہ آیت کے ظاہری مفہوم سے مانی ہیں۔ ورنہ یہ آیت ان پر دلالت نہیں کرتی۔ بلکہ ان کے برخلاف معانی پر دلالت کرتی ہے۔

موطا کی حدیث کا جواب

موطا والی حدیث کو ابو عمر منقطع روایت بتاتے ہیں۔ مسلم بن یسار کی ملاقات حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں اور اس حدیث میں ان دونوں کے درمیان نعیم بن ربیعہ ہیں اور وہ بھی اس سند کے ساتھ قابل دلیل نہیں نیز یہ مسلم بن یسار لاپتہ ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ مدنی ہیں بصری نہیں۔ ابن ابی خثیمہ فرماتے ہیں کہ میں نے یحیٰ بن معین سے مالک کی یہ حدیث پڑھی انہوں نے ہاتھ سے مسلم بن یسار کے بارے میں لکھا کہ یہ مشہور نہیں ہیں۔ پھر یہ روایت ابو عمر نسائی کے طریقہ پر بیان کرتے ہیں۔ جس میں مسلم و عمر کے درمیان نعیم بن ربیعہ ہیں اور حمزۃ کے طریقہ پر بیان کرتے ہیں اس میں بھی دونوں کے درمیان نعیم ہیں۔ ابو عمر و فرماتے ہیں نعیم کا نام جس نے لکھا ہے وہ حجت نہیں اور جس نے انہیں بیان نہیں

کیا وہ حافظہ والے ہیں۔ وہی زیادتی قابل قبول ہوتی ہے جو حافظ اور راویوں کے حالات کو جاننے والے کی طرف سے ہو۔ بہرحال اس حدیث کی سند درست نہیں کیونکہ مسلم و نعیم دونوں حمل محمل میں غیر مشہور ہیں۔ ہاں اس کے معنی بہت سی سندوں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ اور صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت سے ثابت ہیں۔ یعنی ان حدیثوں سے جو سابق تقدیر پر دلالت کرتی ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا جواب

ابوصالح کی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث اولاد آدم کے استخراج پر اور چیونٹیوں کی صورتوں میں تمثیل پر دلالت کرتی ہے اور اس پر بھی کہ بعض چمکدار تھیں اور بعض تاریک۔ اس میں یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اجسام سے پہلے روحیں پیدا کر دی ہیں اور کسی خاص جگہ انہیں ٹھہرا دیا ہے۔ پھر اس روح کا جسم پیدا کر کے وہ روح اس جسم میں بھیج دیتا ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ نے ہر روح کے لیے ایک خاص جسم مقدر فرما دیا ہے اور وہ روح اسی جسم میں بھیجی جاتی ہے۔

ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث کا جواب

ابی بن کعبؓ والی حدیث رحمۃ اللعالمین ﷺ سے نہیں اور درست بھی نہیں۔ اگر صحیح ہو تو زیادہ سے زیادہ ابی کا قول ہے۔ اس سند سے بہت سی منکر چیزیں مرفوع و موقوف آئی ہیں ابوجعفر رازی کو علم میں پختہ بھی کہا گیا ہے اور کمزور بھی۔ علی بن مدینی نے انہیں پختہ کہا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ یہ غلط ملط کر دیتے ہیں۔ ابن معین نے بھی ثقہ کہا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ ان کی حدیثیں لکھی جاتی ہیں۔ مگر یہ غلطیاں بھی کرتے ہیں۔ امام احمدؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث میں مضبوط نہیں اور یہ بھی کہا ہے کہ صحیح حدیث بیان کرنے والے ہیں۔

فلاس کے نزدیک خراب ذہن کے ہیں۔ ابوزرعہ کے نزدیک انہیں بہت زیادہ وہم ہوتا ہے۔ اور ابن حبان فرماتے ہیں کہ مشاہیر سے منکر باتیں روایت کرنے میں منفرد ہیں۔ اس حدیث میں ایک منکر بات یہ بھی ہے کہ ان ارواح میں سے جن سے عہد لیا گیا تھا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح بھی تھی۔ پھر اللہ نے وہ روح حضرت مریم علیہا السلام کی طرف بھیجی اور وہ ان کے منہ میں داخل ہو گئی۔ حالانکہ جو روح حضرت مریم علیہا السلام کی طرف بھیجی گئی تھی وہ عیسیٰ علیہ السلام کی روح نہ تھی بلکہ اس روح نے عیسیٰ علیہ السلام کی روح ان میں پھونکی تھی اور وہ حاملہ ہو گئی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فارسلنا الیها روحنا

الخ "پھر ہم نے ان کی طرف اپنی روح" بھیجی اور وہ ان کے سامنے ایک پورا آدمی بن کر ظاہر ہوئی اور کہا کہ میں تم سے اپنے مہربان اللہ کی پناہ مانگتی ہوں۔ اگر تمہیں اللہ کا ڈر ہے۔ کہا میں (فرشتہ) تمہارے رب کا بھیجا ہوا ہوں تا کہ تمہیں ایک پاکیزہ بچہ دوں ظاہر ہے کہ اگر روح مسیح ہوتی تو کبھی اس طرح مریمؑ سے اپنی طرف سے خطاب نہ کرتی۔ جبکہ اسی ابوجعفر کی حدیث کی ایک سند میں ہے کہ مسیح کی روح نے مریمؑ سے خطاب کیا اور وہی آپ کی طرف بھیجی گئی تھی۔

میثاق ازل کے بارے میں چار باتیں غور کے قابل ہیں

(۱) اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم علیہ السلام کی صورتیں اور مثالیں نکالیں اور نیکوں بروں کو تندرستوں اور بیماریوں کو علیحدہ علیحدہ کیا۔ (۲) اس وقت ان پر دلیل قائم کی اور اپنی ربوبیت پر انہیں گواہ بنایا اور ان پر فرشتوں کو گواہ بنایا۔ (۳) واذا اخذ ربک الخ کی یہی تفسیر ہے۔ (۴) اللہ نے روحوں کو نکال کر ایک جگہ پر ان سے وعدہ لیا اور انہیں پیدا کر چکا اور اپنے اپنے وقت پر ان کے جسموں میں بھیجتا رہتا ہے۔

پہلی بات

پہلی بات مرفوع وموقوف احادیث سے ثابت ہے۔

دوسری بات

دوسری بات کچھ مفسروں نے واذا اخذ الخ سے نکالی ہے اور اس کی تفسیر قرار دی ہے اور نقل کرنے والوں میں سے اکثر مفسروں کا یہی قول ہے ابواسحٰق فرماتے ہیں یہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان چیونٹیوں جیسی روحوں کو عقل اور سمجھ عطا فرمائی ہو مثال کے طور پر فرمایا قالت نملة الخ ایک چیونٹی نے کہا اے چیونٹیوں اپنے اپنے بلوں میں گھس جاؤ۔ اور اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے پہاڑ و پرندے کام میں لگا دیئے تھے جو آپ کے ساتھ تسبیح (اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا) کیا کرتے تھے۔

ابن انباری سے روایت ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں اہلحدیث واکابر اہل علم کا یہی قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پشت آدم اور پشت اولاد آدم سے چیونٹیوں کی طرح اولاد نکالی۔ اور ان سے وعدہ لیا کہ اللہ تعالیٰ ان کا خالق اور وہ اس کی مخلوق ہیں اور انہیں عقل اور سمجھ عطا فرمائی۔ انہوں نے یہ بات مان لی اور اس کا وعدہ کرلیا۔ جیسے خطاب کے وقت پہاڑ کو عقل وشعور بخش دیا گیا تھا۔ اور اونٹ کو بھی کہ اس نے سجدہ

کیا اور کھجور کے درخت کو بھی جبکہ اسے بلایا گیا تھا کہ اس نے سن کر حکم کی تعمیل کی۔

جرجانی سے۔۔آیت وحدیث میں کوئی تضاد نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جب انہیں پشت آدم سے نکالا تو انہیں پشت اولاد آدم سے بھی نکالا۔ کیونکہ اولاد اولاد آدم بھی اولاد آدم ہی سے ہے۔ پھر فرمایا کہ کہیں قیامت کے دن ایسے نہ کہنے لگو کہ ہم اس وعدے سے بے خبر تھے۔ پھر فرشتے اس وعدے پر شاہد بن گئے اس سے پتہ چلا کہ حدیث میں جو یہ تفسیر آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے شاہد بننے کو کہا پھر وہ شاہد بن گئے درست ہے کچھ کا خیال ہے کہ یہ میثاق روحوں سے لیا گیا تھا جسموں سے نہیں کیونکہ روحوں ہی کو سوجھ بوجھ ہے انہیں ہی ثواب ملتا ہے اور انہی پر عذاب ہوتا ہے جسموں کو سوجھ بوجھ نہیں وہ تو مردہ ہیں۔

اسحٰق بن راھویہ کا بھی یہی خیال ہے انہوں نے فرمایا کہ یہی قول ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا ہے۔

اسحٰق سے روایت ہے کہ اہل علم کا اتفاق ہے کہ اجسام سے قبل روحوں سے اقرار ربوبیت کرایا گیا۔

جرجانی سے روایت ہے کہ ان کی دلیل ولا تحسبن الذین قتلوا الخ ہے (جو اللہ کی راہ میں مارے گئے انہیں مردہ نہ سمجھنا بلکہ وہ زندہ ہیں۔ جبکہ ان کے جسم مٹی میں مل کر مٹی بن گئے اور ان کا نام و نشان تک بھی نہیں رہا۔ اور روح کو روزی دی جاتی ہے اور وہ خوش ہوتی ہیں۔ روحیں ہی لذت و الم اور خوشی اور غم کو محسوس کرتی ہیں اور ان میں پہچاننے اور نہ پہچاننے کا شعور ہے۔ اس کا نمونہ خواب میں موجود ہے۔ خواب دیکھنے کے بعد صبح کو جب انسان اٹھتا ہے تو اس کی طبیعت میں سرور و رنج کے اثرات ہوتے ہیں جن سے صرف روح کو واسطہ پڑتا ہے جسم کو نہیں۔ اس میثاق کا فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے پوری حجت فرما دی۔ خواہ دین کی آواز کسی کے کانوں میں پہنچے یا نہ پہنچے۔ پھر جن میں رسول آئے انہوں نے اپنی تبلیغ سے اس میثاق کو زیادہ پختہ کر دیا۔ ہاں اللہ تعالیٰ کسی سے اسی قدر اطاعت کا مطالبہ کرتا ہے جس قدر اس پر حجت قائم ہوئی ہے اور جس قدر اس میں صلاحیت ہے۔ اور جس قدر اسے دلائل عطا فرما دیئے ہیں نیز اللہ نے یہ بھی بیان فرما دیا کہ بالغ ہو کر کون کیا عمل کرے گا؟ اور نابالغوں کے حالات ہم سے پوشیدہ رکھے گئے۔ کیونکہ ہمیں پتہ ہے کہ اللہ عادل ہے۔ اپنے حکم میں زیادتی نہیں کرتا اور حکیم بھی ہے اس کی صفت میں تفاوت نہیں اور ہمہ گیر قدرت والا ہے۔

آیت کی تفسیر کا دوسرا رخ

دوسرے علماء کرام نے ان کے خلاف آیت کے معنی بتائے ہیں ہیں کہ وجودی ترتیب کے اعتبار

سے جب وہ اپنے اپنے باپوں کی پشتوں میں نطفے بنیں گے اور اللہ تعالیٰ انہیں پیدا فرمائے گا تو انہیں عقل وشعور دے کر اور اپنی نشانیاں دکھا کر اپنی ربوبیت کا ان سے اقرار کرائے گا۔ کیونکہ ان کے سامنے ایسی کھلی کھلی نشانیاں اور دلائل ہوں گے جن سے انہیں اپنے خالق ورب کو ماننا پڑے گا۔ چنانچہ دنیا کوئی نہیں جس میں اس کے رب کی کاریگری نہ ہو اور کاریگری گواہی نہ دیتی ہو کہ اللہ اس کا پیدا کرنے والا ہے اور اسی کا حکم اس میں کارفرما ہے۔ پھر جب وہ ان دلائل سے پہچان جائیں گے تو بمنزلہ گواہوں کے ہوں گے۔ جیسے دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے شاھدین علی انفسھم بالکفر اپنے اوپر کفر کے گواہ ہیں۔ یعنی بمنزلہ گواہوں کے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے یہ کب اقرار کیا تھا کہ ہم کافر ہیں جیسے تم کہو میرے اعضا تمہاری باتوں کی گواہی دیتے ہیں۔ یعنی میں تمہاری باتیں سمجھ گیا اگر میرے اعضا بولنے کی صلاحیت رکھتے اور ان سے گواہی طلب کی جاتی تو وہ بھی گواہی دیتے۔ توحید پر اللہ کی گواہی اسی جنس سے ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے شھد اللہ انہ لا الہ الا ھو اللہ گواہ ہے کہ اس کے سوا کوئی حق دار عبادت نہیں یعنی اللہ نے توحید الوہیت کو بتا دیا اور ظاہر فرما دیا ہے یہ بتا دینا بھی بمنزلہ شاہد کے ہیں۔ (ابن الانباری)

جرجانی نے اس میں یہ اضافہ کیا یعنی جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق پیدا کی اور ان میں اپنا مستقبل کا علم نافذ فرمایا کیونکہ جو بات مستقبل میں ظاہر ہونے والی ہے وہ بمنزلہ موجود کے ہے اور اللہ تعالیٰ کا علم تمام زمانوں میں یکساں ہے اور عربی میں مجازی طور پر حقائق منتظرہ کو وقوع کی جگہ پر رکھ دیا جاتا ہے۔

کیونکہ اس کے وقوع پر اللہ تعالیٰ کا علم سبقت کر چکا ہے یہ مجازی استعمال قرآن پاک میں کافی جگہ ہے حکم خداوندی ہے ونادی اصحب النار دوزخیوں نے پکارا یعنی پکاریں گے۔ ونادی اصحب الجنۃ جنت والوں نے پکارا یعنی پکاریں گے۔ و نادی اصحب الاعراف اعراف والوں نے پکارا یعنی پکاریں گے۔

اس مطلب کے اعتبار سے آیت کے یہ مطالب ہوئے کہ جب تمہارا رب اولاد آدم کو ان کے باپوں کی پشتوں سے نکالے گا اور عقل وشعور عطا فرما کر ان کے نفسوں پر ان سے گواہی لے گا۔ ہر بالغ سے جو اپنے اچھے برے کو سمجھتا ہے اور ثواب وعذاب اور وعدہ وعید کا شعور رکھتا ہے اللہ نے توحید کا میثاق لے لیا۔ کیونکہ عقل دی اس کے حدوث پر دلائل قائم کیے اس نے عقل سے سمجھا کہ میں نے اپنے آپ کو خود نہیں پیدا کیا اور نہ میں خود بخود پیدا ہو گیا۔ بلکہ کوئی نہ کوئی مجھے پیدا کرنے والا ہے جو علاوہ

میرے ہے اور بے مثل ہے۔ کیونکہ پیدا کرنے کی صلاحیت کسی مخلوق میں تو ہے نہیں اس لیے لامحالہ وہ اللہ ہے اگر انسان آرام کے زمانے میں نہیں سوچتا تو تکلیف کے زمانے میں تو ضرور ہی سوچتا ہے۔ جب وہ کسی مصیبت میں پھنسا ہوتا ہے تو اپنا سر آسمان کی طرف اٹھا کر آسمان کی طرف اپنی انگلی سے اشارا کرتا ہے اسے یقین ہے کہ اللہ آسمان کے اوپر ہے پھر جب عقل جس پر سمجھنا سمجھانا موقوف ہے اللہ کی معرفت کا ذریعہ ہے تو جو بھی بالغ ہو کر عقل وشعور کو پہنچ جائے گا۔ گویا اللہ نے اس سے وعدہ لے لیا۔ اب اس کے بارے میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس نے اقرار کر لیا اور توحید الوہیت قبول کر لی اور مسلمان ہو گیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ولله يسجد من في السموات والارض طوعا و كرها آسمان و زمین کا ہر ذی عقل خوشی سے یا ناخوشی سے اللہ ہی کے حضور سجدے میں پڑا ہوا ہے۔

مجازی معنی کی دلیل

یہ حدیث ان کی دلیل ہے کہ تین شخص مرفوع القلم ہیں بلوغت سے پہلے پہلے بچہ ہوشیار ہونے سے پہلے دیوانہ اور بیدار ہونے سے پہلے پہلے سونے والا اور یہ آیت بھی انا عرضنا الامانة الخ "ہم نے آسمان و زمین اور پہاڑوں پر امانت پیش کی سب نے اسے اٹھانے سے انکار کر دیا اور ڈر گئے اور انسان نے اٹھا لیا"۔ امانت سے یہاں وہی عہد مراد ہے چونکہ آسمان و زمین و پہاڑ کے پاس عقل نہیں ہے اس لیے ان میں بار امانت اٹھانے کی صلاحیت ہی نہیں تھی اور انسان میں عقل ہے اس لیے اس نے یہ بوجھ اٹھا لیا۔ عرب شاعری میں بھی مجازی مطلب استعمال کرتے ہیں مثال کے طور پر ضمن القنان لفقعس بثباتها۔ یعنی کوہ قنان فقعس کے لیے اپنی ثابت قدمی کی وجہ سے ضامن بن گیا۔ پہاڑ کی ضمانت یہ تھی کہ فقعس مشکل وقت میں اس میں جا چھپتا تھا نابغہ کا شعر ہے۔

كـاجـارف الـجـوران هـلـل ربـه　　　وجـوران منـهـا خـاشـع متضـائـل

میدان جوران کے پہاڑوں نے اپنے رب کی توحید کا اقرار کیا اور بعض ان میں سے جھکے ہوئے اور ذلیل ہیں۔ بہر حال آیت ان تقولوا يوم القيامة الخ ہماری اس تاویل کی تائید کرتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ یہ وعدہ ان سے اس لیے لیا گیا تاکہ قیامت کے دن یہ نہ کہیں کہ ہمیں پتہ نہیں تھا یہاں لاعلمی سے مراد یا تو قیامت کے دن سے لاعلمی مراد ہے یا معاہدے سے لاعلمی۔ قیامت کے بارے میں تو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کہیں یہ نہیں فرمایا کہ اللہ نے لوگوں سے حساب و زندگی بعد الموت کا وعدہ لیا تھا۔ ہاں ان پر عقیدہ رکھنے کا ذکر فرمایا ہے اور اگر میثاق مراد ہو تو اگر مخالف بقول بچوں اور نا تمام

بچوں سے بھی عہد لیا گیا ہے تو عہد کے بعد اس عمر تک جو نہیں پہنچے کہ ان سے غفلت ہو جائے ہو اور اس کا انکار کر دیں تو پھر وہ کیسے غفلت کا عذر پیش کر سکتے ہیں۔ اور جو چیز ان سے سرزد نہیں ہوئی اس پر کیسے سزا دی جا سکتی ہے؟ اور اس کا ذکر جو جائز نہیں اور نہ ظہور میں آئی محال ہے۔ (آگے شرک آباد کا عذر پیش کیا گیا) اگر اس شرک سے ان کا ذاتی شرک مراد ہے تو یہ بلوغت و اتمام حجت عق کے بعد قابل گرفت ہے۔ اور بچے مرفوع القلم ہیں۔ اگر باپ دادا کا شرک مراد ہے تو علماء کا اس پر اجماع ہے کہ کوئی کسی کے گناہوں پر نہیں پکڑا جائے گا۔

میثاق والی حدیث سے ہمارا یہ قول نہیں ٹکراتا

یہ قول ہمارا میثاق والی حدیث کے مخالف نہیں کیونکہ اس میں ماضی مضارع کے مطلب میں ہے۔ یہ میثاق میثاق انبیاء علیہم السلام کی طرح ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے و اذ اخذ اللہ میثاق النبین الخ اور جب اللہ نے نبیوں سے عہد لیا کہ میں تمہیں جو کتاب و حکمت دوں پھر تمہارے پاس کوئی پیغمبر آئے جو تمہارے پاس والی چیزوں کی تصدیق کرتا ہو تو تم اس پر ایمان لانا اور اس کی حمایت بھی کرنا۔ پوچھا کیا تم نے یہ اقرار کر لیا اور اس پر میرا عہد قبول کر لیا؟ بولے کہ ہم نے اقرار کر لیا۔ ارشاد ہوا: تو گواہ رہنا اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انبیاءؑ پر جو کتاب و حکمت اتاری اسے میثاق قرار دیا۔ جو بعد والی امتوں سے لیا گیا۔ یعنی اللہ نے آسمانی کتابوں کو قوموں کے لیے بمنزلہ میثاق قرار دے کر حجت قائم کی اور کتاب کی معرفت کو ان کا اقرار قرار دیا۔ میں کہتا ہوں اسی کے مطابق یہ آیت ہے: واذکرو انعمت اللہ علیکم و میثاقہ الذی و اثقکم بہ الخ اپنے اوپر اللہ کی نعمت و میثاق کو یاد کرو جب کہ تم نے اقرار کیا تھا کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا۔ یہ میثاق رسولوں پر میثاق ایمان و تصدیق ہے اس کی نظیر یہ آیت ہے: والذین یوفون بعھد اللہ ولا ینقضون المیثاق جو اللہ کا عہد پورا کرتے ہیں اور میثاق نہیں توڑتے۔ اسی طرح الم اعھد الیکم۔ الخ اے اولاد آدم کیا میں نے تم سے یہ عہد نہیں لیا تھا کہ شیطان کے پجاری نہ بننا کیونکہ وہ تمہارا صاف دشمن ہے۔ اور میری عبادت ہی کرنا۔ یہی راہ سیدھی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ عہد رسولوں کی زبانی قوموں سے لیا گیا تھا۔ اسی طرح و اوفوا بعھدی الخ تم میرا عہد پورا کرو میں تمہارا عہد پورا کروں گا اسی طرح واذ اخذ اللہ میثاق الذی الخ اور جب اللہ نے اہل کتاب سے میثاق کیا کہ تمہیں یہ کتاب ظاہر کرنی پڑے گی۔ خبردار اسے نہ چھپانا۔ اسی طرح واذ اخذنا من النبین الخ اور جب ہم نے

نبیوں سے ان کا میثاق لیا اور آپ سے اور نوح علیہ السلام سے اور ابراہیم علیہ السلام سے اور موسیٰ علیہ السلام سے اور عیسیٰ علیہ السلام سے اور ہم نے ان سب سے میثاق لیا۔ یہ میثاق انبیائے کرام علیہم السلام سے ان کے مبعوث ہونے کے بعد لیا گیا۔ جیسے ان کی امتوں سے انبیائے کرام علیہم السلام کے ذرانے کے بعد لیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس میثاق کو توڑنے والوں کی مذمت فرمائی۔ اور انہیں سزا دی۔ ارشاد فرمایا: فبما نقضهم ميثاقهم ہم نے میثاق توڑنے کی وجہ سے ان پر لعنت کی اور ان کے دل سخت کر دیے۔ یہ سزا اسی میثاق کو توڑنے کی وجہ سے ہے جو قوموں سے رسولوں کی زبانی لیا گیا تھا۔ اس آیت سے اس کی وضاحت ہوتی ہے و اذ اخذنا ميثاقكم الخ اور جب ہم نے تم سے عہد لیا اور تم پر کوہ طور اٹھایا کہ جو کچھ ہم نے دیا اسے مضبوط پکڑ لو۔ اور جو کچھ اس میں ہے اسے یاد کر لو۔ تاکہ تم گناہوں سے بچو۔ چونکہ یہ آیت اور اس کے نظائر مدنی ہیں۔ اس لیے میثاق یاد دلا کر اہل کتاب سے خطاب کیا گیا انہی سے یہ عہد لیا گیا تھا۔ کہ مجھ پر اور میرے رسولوں پر ایمان لانا۔

میثاق کا عام مفہوم

اعراف والی آیت مکہ والی سورت میں ہے اس لیے اس میں عام میثاق بیان کیا جو ان تمام لوگوں کو شامل ہے جنہوں نے اللہ کی توحید ربوبیت اور توحید الوہیت کا اور شرک کے حرام ہونے کا اقرار کیا یا ایسا میثاق ہے جس سے ان پر حجت قائم ہوتی ہے اور کوئی عذر قابل قبول نہیں رہتا۔ اور اس کی مخالفت سے عقوبت و ہلاکت حلال ہو جاتی ہے۔ اس لئے اس کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کیونکہ اللہ نے انسان کو اسی پر پیدا کیا ہے کہ بندے اس کا اقرار کریں کہ اللہ ہی ان کا خالق و مربی ہے اور وہ مخلوق پر پرورش یافتہ ہے۔ پھر یہ فطری عہد یاد دلانے کو رسول بھیجے اور شریعتیں مقرر فرمائیں۔

اس مفہوم پر آیت کی ترتیب کی دلالت

اس مفہوم پر آیت کی ترتیب کئی طرح سے دلالت کرتی ہے (۱) ارشاد باری تعالیٰ ہے: اولاد آدم سے عہد لیا۔ یہ نہیں فرمایا کہ آدم سے عہد لیا۔ ظاہر ہے کہ اولاد آدم علیہ السلام آدم کے علاوہ ہیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جو ان کی پشتوں سے نکالی تھی۔ یہ نہیں کہا پشت سے نکالی تھی۔ من ظهورهم من بنی آدم سے بدل بعض ہے یا بدل اشتمال ہے۔ مگر بدل اشتمال زیادہ موزوں ہے۔

(۳) ان کی اولادوں سے فرمایا: ان کی اولاد سے نہیں فرمایا۔ (۴) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ انہیں ان کی

ذاتوں پر گواہ بنایا۔ اس لیے ضروری ہے کہ گواہ اپنی گواہی یاد رکھیں۔ صاف ظاہر ہے کہ گواہ دنیا والی گواہی یاد رکھیں گے۔ دنیا میں آنے سے پہلے کی نہیں۔ (۵) بتایا گیا کہ اس گواہی کی مصلحت حجت قائم کرنا ہے تا کہ قیامت کی لاعلمی کا عذر پیش نہ کریں۔ اور حجت رسولوں ہی کے ذریعہ قائم ہوتی ہے۔ یا بذریعہ فطرت کے جس پر انسان پیدا ہوا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے رسلا مبشرین و منذرین الخ ہم نے رسول بھیجے جو خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے ہیں تا کہ رسولوں کے بعد لوگوں کے لیے اللہ پر حجت باقی نہ رہے۔

(۶) اس عہد کی یاد دہانی اس لیے ضروری ہے کہ قیامت کے دن بے خبری کا عذر نہ کریں۔ ظاہر ہے کہ اگر میثاق ازل مراد ہوتا تو اس سے تو سب بے خبر ہیں۔

(۷) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ایک حکمت یہ بھی ہے کہ باپ دادا کے شرک کا عذر پیش نہ کریں۔ یعنی بے خبری اور تقلید کا عذر پیش نہ کریں۔ کیونکہ بے خبر شعور سے محروم ہے اور مقلد غیر کے قدم بقدم چلتا ہے۔

(۸) ان کی طرف سے فرمایا پھر کیا آپ ہمیں باطل پرستوں کے افعال پر ہلاک کرتے ہیں یعنی اگر اللہ ان کے شرک و انکار پر انہیں پکڑ لیتا تو وہ یہ کہہ دیتے۔ مگر اللہ تعالیٰ انہیں رسولوں کی مخالفت و تکذیب پر پکڑے گا۔ اگر باپ دادا کی تقلید پر رسولوں کے ذریعہ حجت قائم کیے بغیر پکڑ لیتا تو باطل پرستوں کے افعال سے پکڑتا یا بے خبری کی حالت میں پکڑتا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ کی شان یہ نہیں کہ وہ کسی بستی کو ظلم سے بے خبری کی حالت میں پکڑ لے۔ پکڑ تو خبردار کیے جانے کے بعد ہی آتی ہے۔

(۹) اللہ تعالیٰ نے اپنی خلق و ربوبیت پر ہر شخص کو گواہ بنایا ہے اور قرآن میں کئی جگہ اس سے استدلال فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ولئن سالتھم. الخ اگر آپ ان سے پوچھیں کہ یہ آسمان و زمین کس نے بنائے تو اللہ ہی کو بتائیں گے۔ پھر اس اقرار کے باوجود توحید سے کون پھرے جاتے ہیں۔ قرآن حکیم میں اس طرح کی آیات بہت ہیں۔ یہی وہ حجت ہے جس کے مضمون پر لوگوں کو شاہد بنایا گیا ہے اور یہی حجت انہیں اللہ کے رسولوں نے یاد دلائی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: افی اللہ شک الخ کیا اللہ میں شک ہے جو آسمانوں کا اور زمین کا بنانے والا ہے۔

پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اپنے رسولوں کی زبانی یہی اقرار یاد دلایا ہے۔ پیدا ہونے سے پہلے

کسی سابق اقرار کو یاد نہیں دلایا اور نہ اس سے ان پر حجت قائم کی۔

(۱۰) اللہ تعالیٰ نے اس اقرار کو نشانی اقرار دیا۔ نشانی ایک بالکل واضح اور روشن دلیل ہوتی ہے جو اپنے مدلول کو اس طرح لازم ہوتی ہے کہ کبھی اس سے پیچھے نہیں رہتی۔ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی یہی شان ہوتی ہے کیونکہ وہ مطالب معینہ پر متعین دلیلیں ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وکذالک نفصل الآیات، اسی طرح ہم آیتوں کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ مطلب کہ اس تفصیل کی طرح ہم آیتوں کی تفصیل کرتے ہیں تاکہ لوگ کفر و شرک سے باز آ جائیں اور توحید و ایمان اختیار کر لیں۔ اور یہ آیتیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے تفصیل سے بیان فرمایا ہے وہی ہیں جنہیں قرآن کریم میں اپنی اپنی قسم کی مخلوق میں سے بیان فرمایا ہے۔

آیات کی اقسام

یہ آیات دو اقسام کی ہیں: (۱) آیات آفاقیہ اور (۲) آیات حسیہ۔

کچھ آیتیں تو لوگوں کی ذاتوں میں پائی جاتی ہیں اور کچھ ان کے ماحول میں (مثال کے طور پر اوپر آسمان نیچے زمین دائیں بائیں اللہ کی بے شمار مخلوق اور جسم کے اندر نظام اعضا۔ یہ تمام آیات آیات آفاقیہ اور حسیہ ہیں) یہ تمام آیتیں اللہ کے وجود و توحید پر رسولوں کی سچائی پر زندگی بعد الموت پر اور قیامت پر دلالت کرتی ہیں ان میں سے سب سے اہم دلیل خود انسان کی ذات ہے۔ اس کی ذات کا تقاضا ہے کہ کوئی اس کا خالق و مربی اور محسن و موجد ہو جس نے اسے عدم کے بعد وجود کا خلعت بخشا ہے۔ یہ محال ہے کہ کوئی حادث بلا محدث کے ہو۔ یا حادث خود اپنی ذات کا محدث ہو۔ اس لیے اس کے لیے ایک بے مثال موجد کی ضرورت ہے۔ یہی اقرار و مشاہدۂ فطرت ہے جس پر انسان پیدا کیا گیا ہے۔ کوئی کسی چیز نہیں۔ اور آیت و اذا خذ ربک الخ رحمۃ اللعالمین ﷺ کی ایک حدیث کے مطابق ہے کہ ہر بچہ اپنی فطرت پر پیدا ہوتا ہے اور اس آیت کے بھی فاقم وجھک للدین حنیفا۔ الخ یک سو ہو کر اپنی ذات اس دین پر قائم رکھو۔ یہ دین اللہ کا ہے جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی پیدائش میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ یہ سیدھا دین ہے لیکن علم سے اکثر لوگ محروم ہوتے ہیں۔ کچھ مفسرین نے یہی آخری قول ذکر کیا ہے۔ زمخشری وغیرہ نے اور کچھ نے پہلا قول ذکر کیا ہے اور ابن جوزی واحدی اور ماوردی وغیرہ نے دونوں اقوال بیان کیے ہیں۔

ایک شبہ کا جواب

حسن بن یحییٰ جرجانی سے روایت ہے کہ اگر کوئی کہے کہ یہ قول اس حدیث کے مخالف ہے جس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کی پشت سے روحیں نکال کر اور ان سے اپنی توحید کا اقرار لے کر انہیں پھر پشت آدم علیہ السلام میں لوٹا دیا کیونکہ اگر بلوغت و عقل کے بعد والا میثاق مراد ہے تو پشت آدم علیہ السلام میں واپس کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہماری تاویل کے مطابق ماضی مضارع کے معنی میں ہے۔ یعنی لوٹا دے گا۔ مطلب مرنے کے بعد انسان پھر مٹی میں مل جاتا ہے جس سے پیدا ہوا تھا۔ کیونکہ آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا ہوئے اور مٹی ہی میں لوٹا دیے گئے۔ پھر جب ان کی اولاد مٹی میں واپس کر دی گئی تو گویا آدم ہی میں اور ان کی پشت ہی میں لوٹا دی گئی۔ اگر اس حدیث کا ظاہری معنی مراد ہو تو یہ قرآن پاک سے ٹکراتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور جب آپ کے رب نے اولاد آدم سے یعنی ان کی پشتوں سے ان کی اولاد نکالی۔ اس آیت میں حضرت آدم علیہ السلام کا ذکر نہیں بلکہ ان کی اولاد کا ذکر ہے اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے آدم علیہ السلام کی پشت پر ہاتھ پھیر کر ان کی تمام اولاد نکالی۔ اب ان دونوں دلائل میں موافقت کی یہی صورت ہے جو ہم نے اوپر بیان کی ہے۔

جرجانی کا بیان

جرجانی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ اس آیت کی تفسیر میں جو کچھ رحمۃ اللعالمین ﷺ سے اور سلف صالح سے نقل ہے وہی زیادہ قابل قبول اور صحیح ہے۔ مزید برآں ہمارے کچھ سنی اصحاب نے اس قول کو ماننے والوں کی تردید میں کچھ اور مطلب بیان کیا ہے۔ عبارت میں اس کا احتمال نکلتا ہے اور آسانی کے ساتھ تعصب سے بالا ہو کر مجاز کے طور پر اس کا بھی امکان ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عہد لینے کی خبر دی اور لفظ اذ جواب چاہتا ہے۔ چنانچہ اس کا جواب قـالـوا بلی ہے۔ اس جواب پر آ کر جملہ ختم ہو جاتا ہے۔ پھر دوسری خبر کی شروعات کی جاتی ہے کہ قیامت کے دن مشرک کیا کہیں گے؟ چنانچہ بتایا جاتا ہے کہ وہ کہیں گے شـهـدنـا یعنی ہم گواہی دیتے ہیں جیسا کہ حطیئة نے کہا شهد الـحطیـئة عین یلقی ربه۔ حطیئة جب اپنے رب سے ملے گا تو گواہی دے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ تم قیامت کے دن یہ ضرور کہو گے کہ ہم اس سے یعنی حساب سے اور شرک و کفر پر پکڑ سے بالکل بے خبر تھے۔ پھر اس کے ساتھ اور خبر لائی او تـقـولـوا الـخ یا یہ کہو گے کہ ہم سے پہلے

ہمارے باپ دادا نے شرک کیا۔ اور ان کے بعد ہم ان کی اولاد تھے۔ مطلب انہوں نے شرک کیا اور ہمیں بچپنا میں اسی شرک پر آمادہ کیا۔ چنانچہ ہم ان کے قدم بہ قدم چل پڑے۔ اس لیے ہم بے قصور ہیں۔ کیونکہ ہم تو ان کے پیچھے پیچھے تھے اگر گناہ ہے تو ان کا ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: انا وجدنا آباؤنا علی امة الخ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقے پر پایا۔ اور ہم انہی کے آثار کی اقتدا کرتے رہے۔ آگے پھر ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے: کیا تو ہمیں باطل پرستوں کے فعل پر پکڑتا ہے۔ مطلب ان کا یہ فعل ہے کہ انہوں نے ہمیں شرک پر اٹھایا۔ اس صورت میں پہلا قصہ تمام مخلوق کی طرف سے میثاق کی خبر دینے کے سلسلے میں ہے اور دوسرا قصہ قیامت کے دن مشرکوں کے عذروں کے سلسلے میں ہے۔

مخالف نے جو قرآن وسنت کے ٹکراؤ کا دعویٰ کیا تھا اس کے جواب میں فرمایا کہ قرآن نے پورا قصہ بیان نہیں کیا اور حدیث میں وہ زیادتی ہے جسے قرآن چھوڑ گیا تھا۔ اگر رحمۃ للعالمین ﷺ اس زیادتی کے علاوہ کچھ اور بیان فرماتے تو اس صورت میں بھی دونوں میں ٹکراؤ نہ ہوتا۔ بلکہ وہ زیادتی کسی فائدے پر مشتمل ہوتی۔ اگر الفاظ بالذات مختلف ہوں مگر مآل سب کا ایک ہی ہو۔ تو ان سے ٹکراؤ نہیں پیدا ہوتا۔ مثال کے طور پر قرآن پاک میں انسان کی تخلیق کے سلسلے میں کہیں تو کہا گیا ہے کہ وہ مٹی سے پیدا ہوا۔ کہیں کہا گیا کہ خمیر والی کیچڑ سے پیدا ہوا' کہیں کہا گیا ہے کہ چپٹنے والی کیچڑ سے بنا اور کہیں کہا گیا ہے کہ ٹھیکرے کی طرح کھنکھناتی ہوئی مٹی سے بنا۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام الفاظ مختلف ہیں اور ان کے مطالب بھی مختلف ہیں۔ مگر ان سب کا مرجع ومآل ایک ہی ہے یعنی مٹی اور مٹی ہی کے مختلف صفات ہیں۔ جو مختلف آیات میں استعمال ہوئے ہیں۔

آیت وحدیث کا تقابل

آیت وحدیث کا تقابل اسی نقطہ نگاہ سے کیجئے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے: واذا اخذ ربک من بنی آدم من ظھورھم ذریتھم. حدیث نبوی: ان اللہ مسح ظھر آدم فاستخرج منہ ذریتہ ان دونوں کے مآل کے اعتبار سے ایک ہی مطلب ہیں۔ مگر حدیث میں آدم کی پشت پر ہاتھ پھیرنا آیت سے زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا آدم علیہ السلام کی پشت پر ہاتھ پھیرنا اور ان کی اولاد نکالنا بعینہٖ آدم علیہ السلام کی اولاد کی پشتوں پر ہاتھ پھیر کر ان کی اولاد کا نکالنا ہے کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ تمام اولاد آدم آدم علیہ السلام کی پشت سے نہیں لیکن چونکہ پہلا طبقہ آدم کی پشت سے ہے۔ پھر دوسرا طبقہ پہلے

طبقہ کی پشتوں سے ہے۔ اسی طرح سلسلے وار ہے۔ اس لیے جائز ہے کہ تمام کو آدم کی پشت ہی کی طرف منسوب کر دیا جائے۔ کیونکہ سب آدم کی فرع ہیں اور آدم علیہ السلام سب کی اصل ہیں۔ اب جس طرح اللہ کے فرمان کے مطابق یہ کہنا جائز ہے کہ اولادِ آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد نکالی گئی۔ اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ اس کی جگہ یہ کہہ دیا جائے کہ آدم علیہ السلام کی پشت سے اولاد نکالی گئی اور اس کا برعکس بھی جائز ہے یعنی الفاظ آیت کی جگہ الفاظ حدیث کا اور الفاظ حدیث کی جگہ الفاظ آیت کا رکھنا جائز ہے۔ کیونکہ اصل و فرع ایک ہی چیز ہے۔ اس کے علاوہ جب اللہ تعالیٰ نے اضافت کے ساتھ ذریت آدم کہا تو دو احتمال پیدا ہوئے کہ خبر یا تو ذریت آدم سے دی جا رہی ہے یا آدم سے۔ مثال کے طور پر فظلت اعنـاقهـم لهـا خـاضعين. ”پھر ان کی گردنیں اس کے آگے جھک گئیں“ اعناق کی اضافت ضمیر کی طرف ہے بظاہر جھکنے کی خبر گردنوں کی طرف سے دی جا رہی ہے۔ گردن والوں کی طرف سے نہیں۔ مگر لفظ خاضعین اعناق کے لیے استعمال نہیں ہوتا کیونکہ اس کے لیے خاضعات استعمال ہوتا ہے اسی طرح اس مصرع میں کـمـا شرقت صدر القناة من الدام ”جیسے خون سے نیزے کا اوپر والا حصہ چمک اٹھا“۔ یہاں صدر مذکر ہے اور شرقت مونث ہے۔ کیونکہ صدر کی اضافت قناۃ کی طرف ہے غرضیکہ جزء بول کر کل اور کل بول کر جزء مراد لیا جا سکتا ہے۔

یہ تمام آثار اجسام سے پہلے مستقل پیدائش ارواح پر دلالت نہیں کرتے۔ زیادہ سے زیادہ یہ بتاتے ہیں کہ روحوں کی صورتیں اور مثالیں چیونٹیوں کی شکلوں میں پیدا کی گئیں اور ان سے اقرار لے کر پھر انہیں ان کی اصل کی طرف واپس کر دیا گیا۔ اگر حدیث درست ہو تو اس سے سابق تقدیر اور سابق شقاوت و سعادت کا علم ہوا۔

آیت سے استدلال کا جواب

ولـقـد خـلـقـنـا كـم ثم صورنا كم الخ سے استدلال بظاہر غلط ہے کیونکہ اس میں ہماری پیدائش و تصویر پر آدم کو سجدے کا حکم مرتب کیا گیا ہے۔ اور اسی مجموعے سے خطاب ہے جو روح و جسم سے مرکب ہے اور یہ مجموعہ آدم کی پیدائش سے بعد کا ہے۔ اسی لیے یہاں ابن عباس رضی اللہ عنہ نے پہلے کم کی تفسیر آدم سے اور دوسرے کم کی تفسیر اولاد آدم سے کی ہے۔ مجاہد بھی یہی فرماتے ہیں کہ پہلے کم سے مراد آدم ہیں اور ثم بمعنی واؤ ہے اور صورنا کم مطلب آدم علیہ السلام کی پشت میں۔ عربی میں لفظ جمع سردار وغیرہ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے تم قوم کے سردار کو مارو اور کہہ دو کہ میں نے تم کو مارا

مطلب تمہارے سردار کو مارا۔ ابوعبید نے مجاہد ہی کا قول پسند کیا ہے۔ اس لیے کہ بعد میں آدم کو سجدے کا حکم اولادِ آدم کی پیدائش سے پہلے کا ہے۔ اور لفظ ثم مہلت و ترتیب کو چاہتا ہے اس لیے جس نے خلق و تصویر سے رحموں میں اور اولادِ آدم کی پیدائش مراد لی ہے اس نے ترتیب میں ثم کا حکم پیش نظر رکھا ہے۔ البتہ اخفش کے قول کے اعتبار سے ثم یہاں بہ معنی واؤ ہے لیکن زجاج فرماتے ہیں کہ یہ غلطی ہے۔ خلیل و سیبویہ اور مستند اہل علم اس کی اجازت نہیں دیتے۔ ابوعبید فرماتے ہیں کہ مجاہد نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالی نے اولادِ آدم کو آدم کی پشت سے پیدا کیا۔ پھر اس کے بعد سجدے کا حکم دیا۔ حدیث سے جیسا کہ ثابت ہے کہ انہیں چیونٹیوں کی طرح پشت آدم علیہ السلام سے نکالا۔

قرآن خود اپنی آیات کا مفسر ہے

میں کہتا ہوں کہ قرآن خود اپنی آیات کا مفسر ہے۔ اس آیت کی مثال ملاحظہ کریں:

یا ایھا الناس ان کنتم الخ "اے لوگو! اگر تمہیں موت کے بعد کی زندگی میں شک ہے تو ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا۔ پھر نطفے سے پیدا کیا"۔ یہاں مٹی سے حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش مراد ہے۔ کیونکہ مٹی ہی ان کا مادہ ہے مگر خطاب حاضرین سے ہے اس لیے اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم نے تم کو یعنی تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا۔ دیگر مثالیں ملاحظہ ہوں: و اذ قلتم یا موسی الخ "جب تم نے یعنی تمہارے بزرگوں نے کہا" و اذ قتلتم نفسا اور جب تم نے یعنی تمہارے بزرگوں نے ایک شخص کو مار ڈالا "و اذا خذ میثاقکم" اور جب تم میں سے یعنی تمہارے بزرگوں سے عہد لیا۔ قرآن حکیم میں یہ بہت استعمال ہے کہ حاضرین سے خطاب ہے اور مراد ان کے بزرگ ہیں۔ اسی پر اس آیت ولقد خلقناکم الخ کو قیاس کرلو۔ ہم نے تمہیں پیدا کیا یعنی تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو۔ کبھی ذکر شخص سے ذکر نوع بھی مراد ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے ولقد خلقنا الانسان الخ ہم نے انسان (آدم) کو مٹی کے خلاصے سے پیدا کیا۔ پھر اسے (نوع انسان کو) نطفے سے جو ایک محفوظ جگہ ہے پیدا کیا۔

روحیں جسموں سے دو ہزار سال پہلے پیدا ہوئیں "حدیث" کا جواب

اس حدیث کی سند درست نہیں کیونکہ اس میں عتبہ بن سکن ہیں جو امام دارقطنی کے نزدیک متروک ہیں اور ارطاۃ بن منذر ہیں جن کے بارے میں ابن عدی کہتے ہیں کہ ان کی کچھ حدیثیں غلط ہیں۔

آدم علیہ السلام کی پیدائش کا آغاز اور تاخر خلق ارواح سے دلائل

حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کا اس طرح آغاز ہوا کہ اللہ کے حکم سے حضرت جبرئیل امین زمین سے ایک مٹھی مٹی لائے پھر اس سے خمیر بنایا گیا اور وہ کیچڑ جیسی ہوگئی۔ پھر اس سے آدم کا پتلا بنایا گیا پھر اس میں روح پھونک دی گئی۔ جب روح داخل ہوئی تو گوشت و پوست اور خون سب کچھ بن گیا۔ اور حضرت آدم علیہ السلام زندہ ہو گئے اور بولنے لگے۔ صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت سے ثابت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنی مرضی سے چیزیں پیدا کر کے فارغ ہو گیا تو عرش پر رونق افروز ہو گیا۔ ابلیس کو پہلے آسمان والے فرشتوں میں شامل کر لیا گیا اور اس سے پہلے یہ ان فرشتوں کا رئیس تھا جنہیں جن کہا جاتا ہے۔ انہیں جن اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ جنت کے محافظ ہیں۔ ابلیس بمعہ اپنے ماتحت فرشتوں کے جنت کا محافظ تھا۔ اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اللہ نے مجھے فرشتوں پر جو سرداری دی ہے ضرور مجھ میں کوئی نہ کوئی خوبی ہے۔ اس کے اس غرور و تکبر کی اللہ تعالیٰ کو خبر ہو گئی۔ پھر اللہ نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین پر نائب بنانے والا ہوں۔ فرشتوں نے پوچھا: اے رب! وہ جانشین کیسا ہوگا؟ اور وہ زمین پر کیا کریں گے؟ ارشاد ہوا کہ اس کی اولاد زمین پر فتنہ مچائے گی۔ آپس میں ایک دوسرے سے حسد کریں گے اور ایک دوسرے کو قتل کر ڈالیں گے۔ بولے: اے رب! کیا آپ زمین پر مفسد و خونریز پیدا کریں گے؟ ہم آپ کی حمد و تسبیح اور تقدیس کرتے رہتے ہیں۔ ارشاد ہوا جو مجھے معلوم ہے تمہیں معلوم نہیں (یعنی شیطان کا حال مجھے معلوم ہے تم نہیں جانتے) پھر اللہ نے حضرت جبرئیل امین کو زمین سے مٹی لانے کے لیے کہا زمین بولی میں اللہ کی پناہ مانگتی ہوں کہ تم مجھ سے مٹی لے جاؤ۔ آخر جبرئیل خالی ہاتھ لوٹ آئے اور عرض کیا کہ اے رب! زمین نے مٹی لینے سے آپ کی پناہ مانگی۔ میں نے آپ کا نام سن کر مٹی نہیں لی۔ پھر میکائیل کو بھیجا وہ بھی زمین کی پناہ سن کر خالی ہاتھ واپس آ گئے پھر ملک الموت کو بھیجا زمین نے ان سے بھی یہی کہا۔ مگر انہوں نے یہ جواب دیا کہ مجھے اللہ کی پناہ کہ اس کے حکم کی تعمیل کیے بغیر لوٹ جاؤں چنانچہ وہ مختلف مقامات کی تھوڑی تھوڑی سی مٹی لے کر سب کو ملا کر رب کی طرف بڑھے چونکہ مٹی مختلف قسم کی سرخ سفید اور سیاہ لی گئی تھی اسی وجہ سے اولاد آدم مختلف ہے۔ پھر اسے چپکنے والی چکنی گیلی مٹی بنایا گیا۔ پھر فرشتوں سے کہا گیا کہ میں اس کیچڑ سے انسان پیدا کرنے والا ہوں۔ پھر جب میں اسے درست کر دوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو اس کے آگے سجدے میں گر پڑنا۔ پھر آدم علیہ السلام کا پتلا اللہ نے اپنے ہاتھ سے بنایا کہ اگر شیطان غرور و تکبر کرے تو اللہ تعالیٰ اس سے کہہ سکے کہ میں نے تو

اسے اپنے ہاتھ سے بنایا۔ پھر تو کیوں غرور کرتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کا پتلا بنا کر چالیس سال تک چھوڑے رکھا۔ فرشتے یہ پتلا دیکھ کر ڈر گئے مگر سب سے زیادہ پریشانی ابلیس کو ہوئی جب یہ اس پتلے کے پاس سے گزرتا اور اسے بجا کر دیکھتا تو کھنکھناتی ہوئی مٹی کی طرح اس سے گونج دار آواز نکلتی۔ یہ اس سے کہتا کہ تیرے پیدا کرنے میں کوئی عظیم مصلحت کارفرما ہے۔ اور اس پتلے کے منہ میں گھس کر دبر سے نکل جاتا۔ پھر فرشتوں سے کہتا کہ اس پتلے سے کیوں مرعوب ہوتے ہو۔ تمہارا رب تو صمد (ٹھوس) ہے اور یہ کھوکھلا ہے۔ اگر میں اس پر غالب آ جاؤں گا تو اسے ہلاک کئے بغیر نہیں رہوں گا۔ پھر جب وہ وقت آیا جب اللہ تعالیٰ اس میں روح پھونکنا چاہتا تھا۔ تو اس نے فرشتوں سے کہا: جب میں اس میں اپنی روح پھونک دوں تو اسے سجدہ کرنا۔ پھر اللہ نے اس میں روح پھونکی تو سر میں روح کے پہنچتے ہی حضرت آدم علیہ السلام کو چھینک آئی۔ فرشتوں نے کہا الحمد للہ کہو۔ حضرت آدم علیہ السلام نے کہا الحمد للہ۔ اللہ نے جواب دیا۔ یرحمک ربک. تمہارا رب تم پر رحم فرمائے۔ آنکھوں میں روح آئی تو جنت کے پھل دیکھے۔ پیٹ میں آئی تو بھوک کی خواہش ہوئی اس سے پہلے کہ روح پیروں تک پہنچے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے جلدی سے جنت کے پھلوں کی طرف جانے کی کوشش کی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: انسان جلد بازی سے پیدا کیا گیا ہے۔ مکمل حدیث ہے (تفسیر ابو مالک و ابوصالح از ابن عباسؓ تفسیر مرۃ از ابن مسعودؓ از جماعۃ صحابہؓ) ابن زید کا بیان ہے کہ جب اللہ نے آگ پیدا کی تو اس سے فرشتوں پر سخت ہیبت طاری ہوئی اور پوچھنے لگے کہ اے رب یہ آگ کیوں پیدا کی اور کس کے لیے پیدا کی؟

ارشاد باری تعالیٰ ہوا: نافرمان مخلوق کے لیے اس وقت سوائے فرشتوں کے زمین پر کوئی مخلوق نہ تھی۔ بعد میں آدم پیدا کئے گئے اس کی دلیل یہ آیت ہے: ھل اتی علی الانسان حین۔ الخ بلا شبہ انسان پر ایک زمانہ گزرا ہے کہ اس کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کاش ! وہی زمانہ ہوتا۔ فرشتے بولے کیا ہم پر کوئی ایسا وقت بھی آنے والا ہے کہ ہم تیری نافرمانی کریں گے (کیونکہ ان کے سوا کوئی اور مخلوق تو تھی ہی نہیں) ارشاد ہوا ''نہیں'' میں زمین پر اپنی ایک مخلوق پیدا کرنا اور اپنا ایک نائب مقرر کرنا چاہتا ہوں۔ (آگے مطول حدیث ہے)

ابن اسحٰق کا بیان

ابن اسحٰق فرماتے ہیں: کہا جاتا ہے کہ اللہ نے آدم کا پتلا بنایا پھر اسے چالیس سال تک چھوڑے رکھا یہاں تک کہ وہ ٹھیکرے کی طرح کھنکھناتا ہوا ہو گیا۔ کہا جاتا ہے کہ جب روح سر میں داخل ہوئی تو

حضرت آدم علیہ السلام کو چھینک آئی اور انہوں نے الحمد للہ کہا (آگے مطول حدیث ہے)

جسم پیدا ہونے کے بعد روح پھونکنے سے پیدا ہوتی ہے

غرضیکہ حدیث وقرآن اور آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالٰی نے جسم پیدا کرنے کے بعد روح پھونکی۔ اور اس پھونکنے سے روح پیدا ہوئی۔ اگر جسم سے پہلے اور روحوں کے ساتھ روح ہوتی تو ملائکہ کو ان کی پیدائش پر حیرانگی ہوتی۔ نہ یہ پوچھتے کہ یہ آگ کس کے لیے پیدا کی گئی ہے کیونکہ وہ انسان کی روحوں کو دیکھتے اور یہ بھی انہیں معلوم ہوتا کہ ان میں مومن وکافر کی اچھی و بری روحیں موجود ہیں۔

دلیل نمبر (۲)

روح کا جسم کے بعد پیدا ہونا

چونکہ تمام کفار کی روحیں ابلیس کے تابع ہیں بلکہ جو لوگ تقدم خلق ارواح کے ماننے والے ہیں۔ ان کے خیال میں بھی تمام کافروں کی روحیں ابلیس کے کفر سے پہلے پیدا ہو چکی تھیں اور اللہ تعالٰی نے ابلیس پر کفر کا حکم جسم وروح آدم کی پیدائش کے بعد لگایا ہے۔ اس سے پہلے وہ کافر نہ تھا۔ تو اس سے پہلے ارواح کیسے کافر و مومن ہو سکتی ہیں جبکہ ابلیس اس وقت کافر نہ تھا ان میں کفر تو شیطان کے بہکانے اور پھسلانے سے ہی پیدا ہوا۔ پتہ چلا کہ کافر روحیں ابلیس کے کفر کے بعد پیدا ہوئیں۔ اگر ایسے کہا جائے کہ شروع میں ساری روحیں مومن تھیں پھر ابلیس کی وجہ سے مرتد ہو گئیں تو یہ علیحدہ بات ہے لیکن تقدم خلق ارواح کے دلائل اس کے خلاف ہیں۔

دلیل نمبر (۳)

تخلیق آدم کے بارے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ہے کہ آدمؑ جمعہ کے دن پیدا کیے گئے۔ اگر روحیں جسموں سے پہلے پیدا ہو چکی ہوتیں تو وہ ان تمام مخلوقات میں داخل ہوتیں جو چھ دن میں پیدا کی گئی تھیں چونکہ ان چھ دنوں میں تخلیق ارواح کی خبر نہیں دی گئی۔ اس لیے پتہ چلا کہ خلق ارواح اولاد آدم کی پیدائش کے تابع ہے۔ ان چھ دنوں میں صرف آدم کی پیدائش ہوئی اور ان کی اولاد کی پیدائش مشاہدہ کے مطابق ہر زمانے میں ہے۔ اگر روح کا بدن سے پہلے وجود ہوتا اور وہ زندہ اور علم و عقل والی اور بات کرنے والی ہوتی تو اسے کچھ تو دنیا میں آ کر اس جہان کی یاد ہوتی جہاں وہ ایک طویل

زمانہ گزار کر چکی ہے۔ کیونکہ یہ مشکل ہے کہ روح میں حیات علم نطق اور ادراک ہو اور وہ روحوں کی جماعت میں ایک لمبا عرصہ بھی گزارے۔ پھر جب بدن میں داخل ہو تو اسے اپنے ماضی کا ذرا سا حال بھی معلوم نہ ہو۔ جب جسم سے علیحدہ ہو کر اسے اپنے تمام تفصیلی حالات معلوم رہتے ہیں۔ جبکہ جسم میں آ کر اس کے کمالات میں بہت سی رکاوٹیں پیدا ہو جاتی ہیں تو اسے اس زمانے کے حالات جب کہ کوئی رکاوٹ بھی نہ تھی بدرجہ اولیٰ معلوم ہونے چاہئیں۔

ایک اور شبہ کا جواب

اگر یہ کہا جائے کہ جسمانی تعلقات و مصروفیات روح کو ماضی کے حالات کے شعور سے روکتے ہیں۔ تو ہم کہتے ہیں خیر تفصیلی حالات کے شعور سے مانع ہوں تو ہوں لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کچھ بھی یاد نہ رہے۔ واضح ہے کہ یہ تعلقات جسمانی اسے ابتدائی حالات کے شعور سے روکنے والے نہیں تو اس سے پہلے کے حالات سے کس طرح روکتے ہوں گے۔

دلیل نمبر (۴)

اس کے علاوہ اگر روح جسم سے پہلے موجود ہوتی تو علم حیات نطق اور عقل سے متصف ہوتی پھر جب اس کا جسم سے تعلق پیدا ہوتا تو اس کی وہ تمام صفات چھین لی جاتیں۔ پھر اس میں علم و عقل آہستہ آہستہ آتی۔ اگر یہ بات مان لی جائے تو عجیب بات ہے کہ ابتدا میں روح مکمل عقل والی ہو پھر عقل سے بالکل خالی ہو جائے اور پھر آہستہ آہستہ عقل حاصل کرے اس پر نہ عقلی دلیل ہے نہ نقلی اور نہ وجدانی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: واللہ اخرجکم من بطون امھاتکم الخ اللہ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے نکالا کہ تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔ اور اس نے تمہیں کان' آنکھیں اور دل دیئے تا کہ تم اس کا شکر کرو تو پتہ چلا کہ جس حالت پر ہم پیدا کئے گئے ہیں یہی ہمارا اصلی حال ہے اور علم و عقل' قوت و طاقت بعد میں آتی ہے۔ اس سے پہلے ہم کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔ کیونکہ ہمارا وجود ہی نہ تھا۔ کہ ہم میں عقل و شعور ہوتا۔

دلیل نمبر (۵)

اس کے علاوہ اگر روحیں جسموں سے پہلے ہوتیں اور اچھی بری بھی ہوتیں تو ان کے لیے اعمال سے

پہلے اچھائی اور برائی ثابت ہوتی جبکہ ان میں اچھائی اور برائی جسم میں آ کر اچھے برے اعمال سے پیدا ہوتی ہے۔

روح کی پیدائش کے متعلق رحمۃ اللعالمین ﷺ کا بیان

اگر کہا جائے کہ تقدیری اچھائی اور برائی ثابت تھی تو ہم تقدیر کا انکار نہیں کرتے۔ اگر کوئی ایسا ثبوت ہے کہ روحیں سب کی سب ایک وقت میں پیدا کر دی گئیں۔ پھر ایک جگہ ٹھہرا دی گئیں اور ان کو حیات و نطق بھی بخش دیا گیا۔ پھر وقت وقت پر اپنے اپنے زمانے میں اپنے اپنے جسموں میں بھیجی جاتی ہیں تو اسے سب سے پہلے ہم ماننے کو تیار ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ لیکن پیدائش و شرع کے سلسلے میں وہی خبر قابل قبول ہے جو رحمۃ اللعالمین ﷺ نے دی ہو۔ ظاہر ہے کہ رحمۃ اللعالمین ﷺ نے روح کے بارے میں اس قسم کی کوئی خبر نہیں دی۔ ہاں یہ خبر دی ہے کہ انسان کی پیدائش ماں کے رحم میں چالیس دن تک تو نطفہ کی شکل میں رہتی ہے۔ پھر چالیس دن تک جما ہوا خون رہتا ہے۔ پھر چالیس دن تک گوشت کا لوتھڑا رہتا ہے پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرشتہ آ کر اس میں پھونک مار جاتا ہے پتہ چلا کہ تنہا فرشتے کے پھونک مارنے سے روح پیدا ہوتی ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ فرشتے کو روح دے کر بھیجا جاتا ہے۔ اور وہ جسم میں روح داخل کر دیتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ فرشتہ بھیجتا ہے جس کی پھونک سے روح پیدا ہوتی ہے۔

☆☆☆

انیسواں حصہ

نفس کی حقیقت

نفس کی حقیقت کیا ہے؟ کیا نفس جسم کا حصہ ہے؟ عرض ہے جسم ہے جو
جسم کے ساتھ رہتا ہے اور جسم میں رکھ دیا گیا ہے یا جوہر مجرد ہے نفس بعینہ کیا
روح ہے؟ یا روح سے مختلف سچائی ہے کیا ایک ہی نفس امارہ لوامہ اور مطمئنہ
ہے یا تین ہیں؟

ان مسائل پر بہت سے لوگوں نے لکھا ہے اور بڑی بڑی غلطیاں کرتے رہے ہیں اور ان کے بیانات میں بھی ٹکراؤ ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی اتباع کرنے والوں کو غلطیوں سے بچایا ہے اور ان کے بیانات قابل اعتماد ہیں ہم لوگوں کے اقوال نقل کر کے ان پر تبصرہ کرتے ہیں اور درست بات بتانے کی کوشش کرتے ہیں۔

ابوالحسن اشعری کا بیان

روح، نفس اور حیات میں اختلاف ہے اور اس میں بھی کہ روح زندگی ہے یا غیر زندگی اور روح جسم ہے یا غیر جسم؟

نظام کا قول

نظام کہتا ہے کہ روح جسم ہی کا نام ہے اور وہی نفس ہے اس کے نزدیک روح خود بخود زندہ ہے وہ کہتا ہے کہ حیات وقوت کے معنی حی قوی ہی کے ہیں اور دوسرے کہتے ہیں کہ روح عرض ہے۔

جعفر بن حرب کا قول

جعفر بن حرب کہتے ہیں کہ ہمیں پتہ نہیں کہ روح جوہر ہے یا عرض ہے؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ویسئلونک عن الروح الخ یہودی آپ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ آپ فرما دیں کہ روح میرے رب کی مخلوق میں سے ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں بتایا کہ روح کیا ہے جوہر ہے یا عرض؟ کہتا ہے میرے خیال میں جعفر نے یہ ثابت کیا ہے کہ حیات روح کے علاوہ ہے اور یہ بھی کہ حیات عرض ہے۔

جبائی کا قول

جبائی کے نزدیک روح جسم وغیر حیات ہے۔ اور حیات عرض ہے کیونکہ زبان میں کہا جاتا ہے کہ انسان کی روح نکل گئی۔ اس کے نزدیک روح اعراض میں داخل نہیں۔

کچھ حکماء کے اقوال

کچھ کے نزدیک روح اعتدال طبعی کا نام ہے ان کے نزدیک دنیا کی تمام چیزیں چار عنصروں آگ ہوا، پانی اور مٹی سے بنی ہیں۔ اور سب میں طبعی حرارت و برودت اور رطوبت و یبوست پائی جاتی ہے۔

کچھ فلسفیوں کے اقوال

کچھ کے نزدیک طبائع اربعہ کے علاوہ روح ہے۔ اور دنیا میں یہی طبائع اربعہ اور روح ہیں اور روح کے اعمال میں بھی اختلاف ہے۔ کچھ نے طبعی بتائے ہیں اور کچھ نے اختیاری۔

کچھ اطباء کے اقوال

بعض کے نزدیک روح وقوت خالص وصاف خون کا نام ہے جس میں کدورت و تعفن نہ ہو۔

کچھ دوسرے اطبا کے اقوال

کچھ کے نزدیک حرارت غریزی ہی حیات ہے۔ یہ تمام لوگ جن کے اقوال ہم نے روح کے سلسلے میں نقل کیے ہیں اصحاب طبائع کہلاتے ہیں۔ جو ثابت کرتے ہیں کہ حیات ہی روح ہے۔

اصم کی رائے

اصم حیات وروح کے لیے جسم کے علاوہ کچھ اور ثابت نہیں کرتا اور کہتا تھا کہ صاحب عقل وشعور جسم ہی ہے۔ جس میں لمبائی وچوڑائی وگہرائی پائی جاتی ہے اور جسے ہم مشاہدہ کرتے ہیں وہ کہتا تھا کہ نفس ہو بہو یہی بدن ہے کچھ اور نہیں۔

ارسطاطالیس کی رائے

ارسطاطالیس کے نزدیک نفس پر تدبیر ونشوونما اور بوسیدگی طاری نہیں ہوتی یہ ایک بسیط جوہر ہے اعمال وتدبیر کی جہت سے تمام عالم حیوانات میں پھیلا ہوا ہے یہ قلت وکثرت سے متصف نہیں ہوتا۔ یہ ذات واصل کے اعتبار سے تقسیم کے قابل نہیں اور دنیا کے ہر جاندار میں ایک ہی مطلب کے ساتھ ہے۔

ثنویہ کی رائے

ثنویہ یا مشائیہ کے نزدیک نفس ایک معنی ہے جو موجود ہے اور حدود وارکان اور طول وعرض وعمق والا ہے جو اس دنیا میں اپنے غیر کے لیے علیحدہ ہونے والا نہیں جس پر طول وعرض وعمق کا حکم جاری ہوا اور صفت حدونہایت میں دونوں اکٹھے ہو جاتے ہیں۔

دیصانیہ کی رائے

کچھ کے نزدیک نفس انہیں اوصاف سے متصف ہے جنہیں مندرجہ بالا لوگوں نے بیان کیا ہے گویا حدونہایت کے معنی سے لیکن اپنے غیر کے لیے علیحدہ ہونے والا نہیں۔ جو صفت حیوان سے موصوف نہ ہو۔ یہ دیصانیہ کہلاتے ہیں۔

جعفر بن مبشر کی رائے

جعفر بن مبشر کے نزدیک نفس جوہر ہے اور یہ جسم نہیں ہے جس میں نفس ہے اور نہ خود جسم ہے لیکن جوہر وجسم کے درمیان میں ہے۔

ابوالہذیل کی رائے

ابوالہذیل کے نزدیک نفس غیر روح ہے اور روح غیر حیات ہے اور حیات عرض ہے اس کے

نزدیک انسان انسان کے نفس اور روح کو خواب کی حالت میں چھین لیا جاتا ہے لیکن زندگی ختم نہیں ہوتی جس کا ثبوت اللہ یتوفی الانفس الخ ہے۔

جعفر بن حرب کی رائے

جعفر بن حرب کے نزدیک نفس جسم کے اعراض میں سے ایک عرض ہے۔ اور انسان کے آلات افعال (صحت و سلامتی اعضاء وغیرہ) میں سے ایک آلہ ہے۔ اور جواہر و اجسام کی کسی صفت سے موصوف نہیں۔

ابو بکر بن باقلانی کی رائے

کچھ کے نزدیک نفس وہ ہوا ہے جو سانس کے ذریعہ اندر باہر آتی جاتی ہے اور روح عرض ہے اور وہ صرف حیات ہے۔ اور نفس کے علاوہ ہے۔ ابو بکر بن باقلانی اور اس کے ماننے والوں کا یہی قول ہے۔

مشائین کی رائے

کچھ کے نزدیک نفس نہ جسم ہے نہ عرض ہے نہ نفس کسی جگہ میں ہے نہ اس کا طول عرض یا عمق ہے نہ کوئی رنگ ہے اور نہ اس کی تجزی ہے نہ عالم میں داخل ہے اور نہ اس سے خارج ہے نہ اس سے ملا ہوا ہے اور نہ اس سے مختلف ہے۔ یہ مشائین کا قول ہے اور یہی قول اشعری نے ارسطا طالیس سے نقل کیا ہے۔

ابن سینا کی رائے

کچھ کا خیال ہے کہ نفس کا جسم سے تعلق نہ تو پڑوس کی وجہ سے ہے نہ سکونت کی وجہ سے نہ چمٹنے کی وجہ سے صرف اس کے لیے تدبیر جسم ہے۔ ابن سینا وغیرہ کا یہی قول ہے۔ یہ قول سب سے گھٹیا اور صحت ناقابل اعتبار ہے۔

ابن حزم کی رائے

تمام اہل اسلام اور وہ مذاہب جو موت کے بعد زندگی کے ماننے والے ہیں کہتے ہیں کہ نفس ایک جسم ہے جس میں طول و عرض و عمق پایا جاتا ہے جو مکان والا ہے۔ حساس ہے متحیز ہے اور جسم میں متصرف ہے یہی ہمارا بھی قول ہے۔ روح و نفس ایک ہی چیز ہے۔ ابو عبد اللہ بن خطیب نے نفس کے بارے میں لوگوں کے مذاہب بتائے ہیں اور کہا ہے کہ جس کی طرف انسان اپنے قول میں سے اشارا کرتا ہے وہ یا تو

جسم ہوگا یا عرض ہوگا۔ یا لا جسم والا عرض ہوگا اگر جسم ہے تو یا تو یہی جسم ہوگا یا کوئی اور جسم ہوگا جو اس جسم کا ہم شریک ہوگا۔ یا اس سے خارج ہوگا اگر نفس جسم ہو اور اس جسم سے خارج ہو تو یہ قول کسی کا بھی نہیں۔ اور اگر یہی جسم ہو تو اکثر کا یہی مذہب ہے اور اکثر کلام والوں کے نزدیک پسندیدہ قول یہی ہے۔

ہمارا تبصرہ

جمہور سے بدعتی اور گمراہ گروہ مراد ہیں۔ جن کے اقوال رازی نے گنوائے ہیں۔ صحابہ کرامؓ تابعینؒ اور اہل حدیث کے اقوال کی رازی کو خبر بھی نہیں اور نہ اس کا یہ عقیدہ ہے کہ اس مسئلہ میں ان کے بھی اقوال ہیں۔ البتہ رازیؒ نے حسب عادت باطل اقوال نقل کر دیے اور جو صحیح قول تھا جسے قرآن و حدیث اور صحابہؓ کے اقوال کی حمایت حاصل تھی اس کی اسے خبر بھی نہیں۔ اور یہ قول جسے اس نے جمہور مخلوق کی طرف منسوب کیا ہے۔ کہ انسان یہی مخصوص بدن ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں اس موضوع پر سب سے زیادہ غلط قول ہے۔ جس قول پر تمام اہل عقل کا اتفاق ہے وہ یہ ہے کہ انسان بدن اور روح دونوں سے مرکب ہے کبھی انسان کسی قرینہ سے فقط جسم کو بھی کہہ دیتے ہیں اور کبھی صرف روح کو بھی۔

انسان کے مفہوم میں چار مختلف اقوال

انسان کے مفہوم میں چار اقوال ہیں: (۱) انسان صرف روح ہے (۲) صرف بدن ہے۔
(۳) دونوں کا مجموعہ ہے (۴) یا ان میں سے ہر ایک علیحدہ علیحدہ ہے۔
ان میں ناطق میں اور اس کے نطق میں بھی اختلاف ہے۔

روح کے متعلق امام رازی علیہ الرحمۃ کے چھ اقوال

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ اگر انسان کسی مخصوص جسم سے مراد ہو جو اس ظاہری بدن کے اندر موجود ہے تو اس قول کے ماننے والے اس جسم کی تعیین میں مختلف ہیں (۱) کچھ کے نزدیک اس جسم سے اخلاط اربعہ مراد ہیں جن سے یہ جسم پیدا ہوتا ہے۔ (۲) کچھ کے نزدیک یہ جسم خون ہے۔ (۳) کچھ کے نزدیک یہ جسم روح لطیف ہے جو دل سے پیدا ہو کر شریانوں کے ذریعہ تمام اعضا میں پھیلتی ہے۔
(۴) کچھ کے نزدیک یہ جسم روح ہے جو دل میں پیدا ہو کر دماغ کی طرف جاتی ہے اور حفظ و فکر و ذکر کی اچھی حالت سے موصوف ہوتی ہے۔ (۵) کچھ کے نزدیک یہ جسم دل میں ایک نا قابل تقسیم جزء ہے۔ (۶) کچھ کے نزدیک یہ ایک جسم ہے جو ماہیت میں اس جسم محسوس سے علیحدہ ہے اور وہ ایک علوی

نورانی لطیف جسم ہے جو زندہ اور حرکت کرتا ہے اور جو ہر اعضا میں جاری ہے جیسے گلاب میں عرق زیتون میں روغن اور کوئلہ میں آگ جاری ہوتی ہے۔ پھر جب تک ان اعضاء میں اس جسم لطیف سے پیدا شدہ آثار کی قبول کرنے کی صلاحیت رہتی ہے۔ یہ جسم لطیف ان اعضا میں گھسا ہوا رہتا ہے اور ان پر حس و ارادے کا فیضان کرتا رہتا ہے۔ اور جب یہ اعضاء غلیظ اخلاط کی وجہ سے خراب ہو جاتے ہیں اور روح کے آثار قبول کرنے کی صلاحیت کھو بیٹھتے ہیں تو روح بدن سے علیحدہ ہو کر روح کے جہان میں چلی جاتی ہے۔

چھٹا قول ہی صحیح ہے

اس موضوع پر یہی قول درست ہے اس کے سوا کوئی اور قول درست نہیں۔ اسی پر قرآن وسنت اجماع صحابہؓ عقلی اور وجدانی دلیلیں قائم ہیں۔ اب ہم اس قول کی تائید میں دلائل نقل کرتے ہیں۔

دلیل نمبرا

قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

اللہ یتوفی الانفس حین موتھا الخ ”اللہ موت کے وقت نفسوں کو اٹھا لیتا ہے اور جو نہیں مرے انہیں نیند میں اٹھا لیتا ہے پھر جن پر موت کا فیصلہ کر چکا ہے انہیں روک لیتا ہے اور دوسروں کو ایک مقررہ مدت کے لیے چھوڑ دیتا ہے اس میں اٹھانا' روکنا اور چھوڑ دینا تین دلیلیں ہیں۔“

دلیل نمبر ۴

ولو تری اذا لظالمون فی غمرات الخ کاش آپ دیکھتے۔ جب ظالم موت کی سختیوں میں ہوتے ہیں اور فرشتے اپنے ہاتھ پھیلانے والے ہوتے ہیں کہ اپنی جانیں نکالو۔ آج تمہیں ذلت والا عذاب دیا جائے گا۔ اس میں چار دلیلیں ہیں۔ روح لینے کے لیے فرشتہ کا ہاتھ پھیلانا' روح کا نکالنا اور اس کا نکل آنا' اس دن روح پر ذلت والا عذاب ہونا اور روح کا رب کے روبرو ہونا۔

دلیل نمبرا

وھو الذی یتوفا لم باللیل الخ وہی تمہیں رات کو اٹھا لیتا ہے اور اسے پتہ ہے جو کچھ تم نے دن میں کیا پھر وہ تمہیں دن میں اٹھا دیتا ہے تاکہ مقررہ معیاد پوری ہو جائے۔۔۔۔۔ یہاں تک کہ جب تم

میں سے کسی کو موت آتی ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اٹھا لیتے ہیں اور کوئی کمی نہیں چھوڑتے۔
اس میں تین دلیلیں ہیں: (۱) روحیں رات کو اٹھالی جاتی ہیں۔ (۲) انہیں دن میں جسموں میں واپس کر دیا جاتا ہے۔ (۳) اور موت کے وقت فرشتے انہیں مار ڈالتے ہیں۔

دلیل نمبر (۱۱)

یا ایتھا النفس المطمئنۃ اے مطمئن روح! اپنے رب کی طرف خوشی خوشی لوٹ جا رب بھی تجھ سے راضی ہے پھر میرے بندوں میں اور میری جنت میں داخل ہو جا۔
اس میں تین دلیلیں ہیں:
(۱) روح کا لوٹنا (۲) اس کا داخل ہونا (۳) اور اس کا راضی ہونا۔
سلف کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ موت کے وقت کہا جائے گا یا دونوں مواقع پر ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا یہ بات تم سے موت کے وقت فرشتہ کہے گا۔ زید بن اسلم کا قول ہے کہ روح کو تینوں مواقع پر جنت کی بشارت دی جاتی ہے ابو صالح فرماتے ہیں کہ خوشی خوشی لوٹنے کی بشارت موت کے وقت دی جاتی ہے اور جنت میں داخلے کی خوشخبری قیامت کے دن دی جائے گی۔

دلیل نمبر (۱۵)

جب روح قبض کی جاتی ہے اور اوپر چڑھتی ہے تو آنکھ اسے دیکھتی ہے۔ اس میں دو دلیلیں ہیں:
(۱) روح کا قبض کیا جانا (۲) اور آنکھ کا اسے دیکھنا۔

دلیل نمبر (۱۷)

حضرت خزیمہؓ کا بیان ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا جیسے رحمۃ اللعالمین ﷺ کے ماتھے پر میں سجدہ کر رہا ہوں۔ میں نے آپ کو خواب سنایا تو فرمایا کہ روح سے روح ملاقات کرتی ہے۔ پھر رحمۃ اللعالمین ﷺ نے اپنا سر اٹھا لیا اور میں نے آپ کی پیشانی پر اپنی پیشانی رکھ دی۔ (نسائی)
آپ نے بتایا کہ روحیں خواب میں ملتی ہیں۔ اوپر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان گزر چکا کہ خواب میں مردوں اور زندوں کی روحیں ملاقات کرتی ہیں۔ اور آپس میں ایک دوسری سے بات چیت کر لیتی ہیں پھر اللہ مردوں کی روحیں روک لیتا ہے۔

دلیل نمبر (۱۸)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ہے کہ رحمۃ اللعالمین ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری روحیں قبض کر لی تھیں اور اس نے جب چاہا انہیں تمہاری طرف لوٹا دیا۔ اس میں دو دلیلیں ہیں کہ روح قبض بھی کی جاتی ہے اور لوٹائی بھی جاتی ہے۔

دلیل نمبر (۲۰)

مومن کی روح پرندہ ہے جو جنت کے درختوں سے کھاتا ہے اس میں دو دلیلیں ہیں، روح کا پرندہ ہونا اور جنت کے درختوں پر اس کا اٹھنا بیٹھنا یا ان کے پھل کھانا۔

دلیل نمبر (۲۲)

فرمایا شہیدوں کی روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہیں جہاں چاہتی ہیں جنت میں کھاتی پھرتی ہیں اور قندیلوں میں جو عرش سے لٹکی ہوئی ہیں بسیرا کرتی ہیں۔ پھر تمہارے رب نے ان سے جھانک کر پوچھا کیا خواہش ہے؟ اس میں چھ دلیلیں ہیں۔ روح کا پرندے کے پیٹ میں ہونا اس کا جنت میں چگنا، اس کا جنت کے پھل کھانا، اور جنت کی نہروں کا پانی پینا۔ قندیلوں میں بسیرا کرنا اللہ تعالیٰ کا ان سے بات چیت کرنا اور ان کا جواب دینا اور ان کا دنیا میں واپس آنے کی خواہش کرنا۔ پتہ چلا کہ ان میں رجوع کی صلاحیت ہے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب

اگر یہ کہا جائے کہ تمام صفات پرندے کی ہیں۔ روح کی نہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مقصود روح ہے جو پرندے میں رکھ دی گئی ہے بلکہ ابو عمر کی پسندیدہ روایت (ارواح الشہداء کطیر) پر یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

دلیل نمبر (۲۹)

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ہے کہ ایک دفعہ میں غابہ میں اپنے کھیتوں پر گیا۔ رات ہو گئی میں عبداللہ بن عمرو بن حرام کی قبر کے پاس ٹھہر گیا۔ میں نے قبر سے قرآن پاک کی بہترین قرآءت اپنے کانوں سے سنی۔ رحمۃ اللعالمین ﷺ نے فرمایا یہ عبداللہ ہیں۔ تمہیں کیا معلوم نہیں کہ اللہ نے ان

کی روحیں قبضے میں کر کے زبرجد یا قوت کی قندیلوں میں رکھ دیں۔ پھر انہیں جنت کے درمیان لٹکا دیا۔ رات کو ان کی روحیں لوٹا دی جاتی ہیں پھر صبح کو اسی جگہ چلی جاتی ہیں جہاں ٹھہری ہوئی ہیں۔ اس کی چار دلیلیں ہیں: روحیں قندیلوں میں ہیں' روحیں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل بھی ہوتی ہیں۔ روحیں قبروں میں قرآن پڑھتی ہیں اور باتیں کرتی ہیں اور روحیں ایک مکان میں رہتی ہیں۔

دلیل نمبر (۲۳)

براء بن عازب والی حدیث جو اوپر گزر چکی ہے اس میں بیس دلیلیں ہیں موت کے فرشتہ کا روح سے رب کی طرف واپس جانے کا خطاب جو ارباب عقل وفہم سے ہی کیا جاتا ہے۔ روح سے یہ کہنا کہ اپنے رب کی بخشش ورضا کی طرف جا۔ روح کا مشک کے منہ سے پانی کے قطرے کی طرح باہر آنا' روح کو ملک الموت کے ہاتھ میں نہ رہنے دینا اور فرشتوں کا ان سے فوراً لے لینا۔ روح کو جنت کا کفن دیا جانا اور اسے جنت کی خوشبو میں بسانا' روح کو آسمان پر چڑھا کر لے جانا۔ روح سے مشک سے بھی زیادہ اچھی خوشبو کا پھوٹ پڑنا۔ روح کے لیے آسمانوں کے دروازے کھولے جانا۔ روح کو آسمان کے تمام مقرب ملائکہ کا رخصت کرنا۔ اللہ کے حکم سے روح کو زمین کی طرف لوٹایا جانا۔ روح کا جسم میں واپس آنا' کافروں کی روح قبض کرتے وقت اس کے ساتھ رگوں اور پٹھوں کا بھی کھنچ جانا۔ اس سے خراب بدبو کا نکل پڑنا۔ اس کی روح کو آسمان سے پھینک دیا جانا' اور زمین پر گرنا۔ ملائکہ کا اچھی روحوں کو مبارکباد دینا' اور بری روحوں سے بیزار ہونا' منکر نکیر کا اٹھا کر بٹھانا اور سوال کرنا' اگر سوال سیدھا روح سے ہے تو صاف ظاہر ہے اور اگر جسم سے ہے تو تب ہے جب اس کی روح آسمان سے لوٹ کر آ جائے' روح کو رب کے پاس لے کر جانا کہا جاتا کہ اے رب یہ تیرا فلاں بندہ ہے۔ رب کا حکم ہوتا کہ میں نے اس کے لیے جو نعمتیں تیار کی ہیں انہیں اسے دکھا دو۔ اور روح کا اپنا جنتی یا جہنمی ٹھکانا دیکھنا۔ ملائکہ کا روح پر نماز پڑھنا۔ جیسے انسانی جسم پر نماز پڑھتے ہیں روح کا قیامت تک اپنا جنتی یا جہنمی ٹھکانا دیکھنا جب کہ جسم کا نام ونشان بھی باقی نہیں رہتا۔

دلیل نمبر (۵۴)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ہے کہ جب مومن کی روح نکلتی ہے تو اس سے مشک سے بھی زیادہ پیاری خوشبو پھوٹ پڑتی ہے فرشتے اسے لے کر جاتے ہیں اور آسمان کے نیچے والے

ملائکہ کے پاس سے گزرتے ہیں اور اس کا اس کے اچھے اچھے اعمال سے ان سے تعارف کراتے ہیں۔ اور نام بتاتے ہیں یہ فرشتے لانے والے فرشتوں کو معہ روح کے مبارکباد دیتے ہیں۔ پھر ان سے روح لے کر اس دروازے سے آسمان پر چڑھتے ہیں جس سے اس کے عمل چڑھا کرتے تھے۔ اور روح آسمانوں میں سورج کی طرح جگمگاتی جاتی ہے یہاں تک کہ عرش تک پہنچ جاتی ہے اور جب کافروں کی روح کو لے کر چڑھتے ہیں تو فرشتے پوچھتے ہیں یہ کون ہے؟ یہ اس کے برے عمل بتا کر کہتے ہیں کہ فلاں بن فلاں ہے۔ وہ بیزار ہو کر کہتے ہیں واپس لے جاؤ چنانچہ روح سب سے نیچے کی زمین کی طرف واپس کر دی جاتی ہے۔ اس کے دس دلائل ہیں۔ روح کا نکلنا' اس سے خوشبو کا پھوٹنا' ملائکہ کا اسے لے کر چلنا' ملنے والے ملائکہ کا اسے مبارکباد دینا' اسے لے لینا' اسے لے کر اوپر چڑھنا' آسمانوں کا اس کی روشنی سے چمک اٹھنا' روح کا عرش تک پہنچنا' ملائکہ کا یہ پوچھنا کہ یہ کون ہے؟ یہ سوال جوہر اور مستقل ذات کے بارے میں ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ اسے سب سے نیچے والی زمین کی طرف واپس کر دو۔

دلیل نمبر (٦٤)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے کہ جب مومن کی روح نکلتی ہے تو اسے دو ملائکہ لے کر آسمان کی طرف چڑھتے ہیں آسمان والے کہتے ہیں یہ پاکیزہ روح ہے جو زمین سے آئی ہے اے روح تجھ پر بھی اللہ کی رحمت ہو اور اس جسم پر بھی جو تجھ سے آباد تھا۔ پھر مشک کا ذکر ہے پھر اسے رب کے پاس لے کر چڑھتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اسے پچھلی مقررہ مدت تک لوٹا دو۔ اس میں چھ دلیلیں ہیں۔ دو فرشتوں کا لینا' لے کر آسمان کی طرف چڑھنا' فرشتوں کا یہ کہنا کہ یہ پاکیزہ روح زمین سے آئی ہے' فرشتوں کا اس پر نماز پڑھنا' اس کی بو کا پاکیزہ ہونا اور اسے لے کر اللہ کی طرف جانا۔

دلیل نمبر (٧١)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے جس میں دس دلائل ہیں۔ روح کا پاکیزہ ہونا' یا گندے جسم میں ہونا' اس جگہ حال جو محل دونوں ہیں۔ فرشتوں کا یہ کہنا کہ اے روح! نکل آ۔ تو تعریف قابل ہے اسے راحت و روزی کی بشارت دینا' یہ بشارت اس مقام کی ہے جس کی طرف روح جسم سے نکل کر جا رہی ہے۔ آسمان تک مسلسل ان بشارتوں کا قائم رہنا۔ روح کے لیے آسمان کا دروازہ کھلوانا۔ اس سے یہ کہنا کہ تعریفوں کی حالت میں جنت میں داخل ہو جا۔ روح کا اس آسمان تک پہنچ جانا جس میں

اللہ ہے۔ کافر کی روح کے لیے یہ کہنا کہ مذمت کی حالت میں لوٹ جا۔ اس کے لیے آسمان کا دروازہ نہ کھلنا۔ اسے زمین کی طرف چھوڑ دینا۔ پھر اس کا قبر میں لوٹ آنا۔

دلیل نمبر (۸۱)

رحمۃ اللعالمین ﷺ نے فرمایا روحیں جمع شدہ لشکر ہیں پھر جن میں تعارف ہو جاتا ہے ان میں موافقت ومحبت پیدا ہو جاتی ہے اور جن میں نہیں ہوتا ان میں اختلاف رہتا ہے اس میں روحوں کو جمع شدہ لشکر بتایا گیا ہے اور لشکر جواہر و ذوات پر قائم ہیں۔ پھر کہا گیا کہ ان میں تعارف وعدم تعارف ہوتا ہے جو جواہر کے صفات ہیں۔ ظاہر ہے کہ لشکر اعراض نہیں ہوتے اور نہ ان کی یہ حالت ہوتی ہے کہ عالم میں نہ داخل ہوں نہ خارج ہوں اور نہ ان کا جزو وکل ہوتا ہے۔

دلیل نمبر (۸۲)

حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث گزر چکی ہے کہ روحیں آپس میں ملتی ہیں اور گھوڑوں کی طرح اچھی اور بری ہوتی ہیں۔

دلیل نمبر (۸۳)

ابن عمرؓ کی حدیث میں ہے کہ روحیں دو دن کے فاصلے سے مل لیتی ہیں جبکہ پہلے کبھی ایک دوسرے کو دیکھا بھی نہیں ہوتا۔

دلیل نمبر (۸۴)

وہ آثار ہیں جو ہم آدم کی پیدائش کے سلسلے میں بیان کر چکے کہ جب روح حضرت آدم علیہ السلام کے سر میں داخل ہوئی تو انہیں چھینک آئی اور الحمدللہ کہا۔ پھر جب آنکھوں میں پہنچی تو جنت کے پھل دیکھ لیے پھر جب پیٹ میں پہنچی تو بھوک لگ گئی۔ ابھی نیچے پیروں میں پہنچی بھی نہ تھی کہ اٹھ کھڑے ہوئے اور یہ کہ روح کے داخل ہوتے وقت بھی تکلیف ہوتی ہے اور باہر نکلتے وقت بھی۔

دلیل نمبر (۸۵)

وہ آثار ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کا روحوں کو نکالنے کا اور اچھوں بروں کو علیحدہ کرنے کا اور نور وظلمت میں تفاوت کا اور چراغوں کی طرح انبیائے کرام کی روحوں کا بیان ہے۔

دلیل نمبر(۸۶)

تمیم داری والی حدیث کہ مومن کی روح اللہ تعالیٰ کے سامنے پہنچ کر سجدہ ریز ہوتی ہے اور تمام فرشتے اسے بشارت دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ موت کے فرشتے سے فرماتا ہے کہ میرے بندے کی روح کو لے جا کر اس اس جگہ رکھو۔

دلیل نمبر(۸۷)

وہ آثار ہیں جو ہم نے مستقر ارواح کے بارے میں بیان کیے ہیں اور اس میں لوگوں کا اختلاف ہے اور اس اختلاف کے ضمن میں اجماع سلف کا بیان کہ موت کے بعد روح کے لیے مستقر ہے یعنی اس کی تعیین میں اختلاف ہے۔

دلیل نمبر(۸۸)

رحمۃ اللعالمین ﷺ نے بتایا کہ لوگوں کے جسم قبروں میں پیدا ہوں گے پھر جب صور پھونکا جائے گا تو ہر روح اپنے جسم میں داخل ہوگی۔ پھر جب وہ اس میں داخل ہوگی تو زمین پھٹ جائے گی اور لوگ قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ صور والی حدیث میں ہے کہ حضرت اسرافیل علیہ السلام روحوں کو آواز دیں گے تو تمام روحیں آ جائیں گی۔ مومنوں کی روحیں نورانی ہوں گی اور کافروں کی تاریک۔ آپ روحوں کو صور میں رکھ لیں گے۔ پھر اس میں پھونک ماریں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میری عزت کی قسم ہر روح اپنے اپنے جسم میں واپس چلی جائے۔ بالآخر روحیں صور سے شہد کی مکھیوں کی طرح باہر نکلیں گی جن سے آسمان و زمین کی درمیانی فضا بھر جائے گی اور ہر روح اپنے جسم کے پاس جا کر اس میں داخل ہو جائے گی۔ پھر اللہ کے حکم سے زمین پھٹ جائے گی اور لوگ قبروں سے نکل کر اپنے رب کی طرف دوڑنے لگیں گے۔ بلانے والے کی طرف بھاگ پڑیں گے اور ہر قریب کی جگہ سے منادی کی آوازیں سنیں گے۔ پھر سب کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے۔ ظاہر ہے کہ اللہ کے رسول نے اس کی خبر دی۔ جو بالکل سچی خبر ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے لیے دوسری روحیں پیدا نہیں کرے گا۔ بلکہ یہ وہی روحیں ہوں گی جنہوں نے دنیا میں رہ کر اچھائی یا برائی کی تھی۔ اللہ تعالیٰ ان کے جسم پیدا کر کے انہیں ان میں واپس کر دے گا۔

دلیل نمبر (۸۹)

اللہ تعالیٰ کے سامنے قیامت کے دن روح و جسم دونوں جھگڑا کریں گے حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ قیامت کے دن لوگوں میں لڑائیاں ہوں گی یہاں تک کہ روح جسم سے لڑے گی۔ روح کہے گی کہ اے رب میں تیری روح تھی۔ تو نے مجھے اس جسم میں داخل کر دیا تھا۔ میرا کوئی قصور نہیں' جسم کہے گا کہ اے رب! میں ایک جسم تھا جسے تو نے پیدا کیا تھا اور یہ آگ جیسی روح مجھ میں داخل ہو گئی تھی۔ اس کی وجہ سے میں اٹھتا بیٹھتا کھڑا ہوتا اور آتا جاتا تھا میرا کوئی گناہ نہیں کہا جائے گا کہ میں تم دونوں میں فیصلہ کیے دیتا ہوں ایک اندھا اور ایک معذور دونوں ایک باغ میں جاتے ہیں۔ معذور اندھے سے کہتا ہے کہ مجھے پھل نظر آ رہے ہیں اگر میرے پاؤں ہوتے تو میں انہیں توڑ لیتا۔ اندھا کہتا ہے میں تجھے اپنے کندھے پر اٹھائے لیتا ہوں چنانچہ معذور کو اپنے کندھے پر بٹھا لیتا ہے پھر معذور پھل توڑ لیتا ہے اور دونوں کھا لیتے ہیں بتاؤ کس کا قصور ہوا بولے دونوں کا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ تم نے خود اپنا فیصلہ کر لیا۔

دلیل نمبر (۹۰)

دو احادیث و آثار ہیں جو عذاب و ثواب قبر کے بارے میں ہیں۔ ظاہر ہے کہ جسم تو مٹی میں شامل ہو کر بے نام و نشان ہو جاتا ہے اور عذاب و ثواب قیامت تک قائم رہتے ہیں۔ پتہ چلا کہ روح برزخ کے عذاب و ثواب سے براہ راست متاثر ہوتی ہے۔

دلیل نمبر (۹۱)

شہیدوں کی روحوں سے جب یہ پوچھا گیا کہ کیا خواہش ہے؟ تو عرض کیا ہماری روحیں جسموں میں واپس کر دی جائیں تاکہ ہم پھر آپ کے راستے میں مارے جائیں۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ سوال و جواب ایسی ذاتوں سے ہے جو زندہ سمجھدار اور صاحب گویائی ہیں۔ جن میں دنیا میں جانے کی اور اپنے جسموں میں داخل ہونے کی صلاحیت ہے اور ایسی روحوں سے جو جنت میں چکتی پھرتی ہیں پوچھا گیا تھا ان کے جسم تو کبھی کے مٹی کی نذر ہو چکے تھے۔

دلیل نمبر (۹۲)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ وغیرہ سے ثابت ہے کہ مومنوں کی روحیں برزخ میں جہاں چاہتی ہیں آتی جاتی ہیں اور کافروں کی روحیں سجین میں بند ہیں۔

دلیل نمبر (۹۳)

معراج کی شب کو رحمۃ اللعالمین ﷺ نے حضرت آدم علیہ السلام کے اردگرد روحیں دیکھیں اور ایک مخصوص جگہ مشاہدہ کیا۔

دلیل نمبر (۹۴)

آپ نے آسمانوں میں حسب مراتب انبیائے کرامؑ کی روحیں دیکھیں اور انہوں نے آپ کو خوش آمدید بھی کیا اور دعائیں بھی دیں۔ حالانکہ ان کے جسم زمین میں تھے۔

دلیل نمبر (۹۵)

آپ نے بچوں کی روحیں حضرت خلیل اللہ کے اردگرد دیکھیں۔

دلیل نمبر (۹۶)

برزخ میں آپ نے روحوں پر ہر طرح کا عذاب دیکھا' جیسا کہ بخاری کی سمرۃ والی حدیث میں بیان ہو چکا ہے جبکہ ان کے جسم کبھی کے بے نام ونشان ہو چکے تھے۔

دلیل نمبر (۹۷)

اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ شہید اپنے رب کے پاس زندہ ہیں۔ کھاتے پیتے ہیں خوش ہیں اور اپنے بھائیوں کے دل خوش کن حالات سن کر خوش ہوتے ہیں یہ صفات بھی روحوں کی ہیں کیونکہ اجسام تو قیامت کے دن پیدا ہوں گے۔

دلیل نمبر (۹۸)

ابن عباسؓ کی حدیث ہے جو اوپر گزر چکی ہے ہم اسے یہاں بھی بیان کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں تاکہ پتہ چل جائے کہ اس حدیث سے لادینوں اور بدعتیوں کے بہت سے اقوال کی نفی ہوتی ہے فرماتے ہیں کہ ایک دن رحمۃ اللعالمین ﷺ تشریف رکھتے تھے کہ اتنے میں آپ نے یہ آیت ولو تری اذا لظالمون فی غمرات الموت الخ پڑھ کر فرمایا اس کی قسم! جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے کوئی شخص دنیا سے اپنا ٹھکانا جنتی یا جہنمی دیکھنے کے بغیر فوت نہیں ہوتا۔ مرتے وقت اس

کے پاس فرشتوں کی دو لائیں زمین سے آسمان تک ہوتی ہیں۔ ان کے چہرے سورج کی طرح چمکیلے ہوتے ہیں بس فوت ہونے والا ہی انہیں دیکھتا ہے اگرچہ تم اسے اپنی طرف دیکھتا ہوا پاتے ہو ملائکہ کے ہاتھ میں کفن وخوشبو ہوتی ہے اگر مرنے والا مومن ہوتا ہے تو فرشتے اسے جنت کی خوشخبری دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے سکون والی روح! اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت کی طرف نکل۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے وہ عزت کی چیزیں تیار کر رکھی ہیں جو دنیا اور جو اس دنیا میں ہے اس سے سے بہتر ہیں۔ فرشتے مسلسل اسے بشارت دیتے رہتے ہیں۔ اور اس کے حق میں ماں سے بھی زیادہ شفیق ومہربان ہوتے ہیں۔ پھر اس کی روح ہر ناخن اور جوڑ کے اندر سے نکالتے ہیں۔ جس جز سے روح کھینچی جاتی ہے وہ مردہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہ کام ان کے لیے آسان ہے اگرچہ تمہارے لیے مشکل ہے۔ آخرکار روح حلق تک آ جاتی ہے۔ اور جیسے بچہ رحم سے باہر آتے وقت ڈرتا ہے اس سے کہیں زیادہ روح جسم سے باہر آتے وقت ہچکچاتی ہے۔ پھر حاضرین ملائکہ میں سے ہر فرشتہ اس روح کو قبض کرنے کا ارادہ کرتا ہے لیکن موت کا فرشتہ قبض کرنے پر حاکم ہے وہی قبض کرتے ہیں۔ پھر آپ نے آیت قل یتوفا کم ملک الموت الذی وکل بکم. الخ ”آپ فرمادیں تمہیں موت کا فرشتہ مارتا ہے جو تم پر متعین ہے“ پڑھی پھر موت کا فرشتہ اسے سفید کپڑے میں لپیٹتا ہے۔ پھر اسے سینے سے لگاتا ہے اور ماں سے بھی زیادہ پیار کرتا ہے پھر اس سے مشک سے بھی زیادہ پیاری خوشبو بکھرتی ہے۔ فرشتے یہ پاک خوشبو سونگتے ہیں۔ اور اس کے پاس آ کر کہتے ہیں کہ اس پاک خوشبو اور پاک روح کو مبارک ہو۔ اے اللہ! اس روح پر اپنی رحمت بھیج۔ اور اس جسم پر بھی جس سے یہ نکل کر آئی ہے۔ پھر اسے لے کر چڑھتے ہیں۔ اس سے مشک سے بھی زیادہ پیاری خوشبو نکلتی ہے۔ فرشتے اس پر نماز پڑھتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔ ان کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں پھر یہ روح جس آسمان سے گزرتی ہے اسی کے فرشتے اس پر نماز پڑھتے ہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے پاک روح مبارک ہو۔ فرشتو! اسے جنت میں لے جا کر اس کا جنتی ٹھکانا اور عزت کی وہ تمام چیزیں دکھا دو۔ جو میں نے اس کے لیے تیار کر رکھی ہیں۔ پھر اسے زمین کی طرف لے جاؤ۔ کیونکہ میں فیصلہ کر چکا ہوں کہ میں نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا ہے اسی میں لوٹاؤں گا اور دوسری بار اسی سے پیدا کروں گا۔ اس کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے روح جس کی بہ نسبت جنت سے نکلتے ہوئے زیادہ شرماتی ہے اور کہتی ہے کہ مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟ کیا اسی جسم کی طرف جس میں میں تھی؟ فرشتے کہتے

ہیں ہم تو اللہ کا حکم ماننے والے ہیں۔ اور تمہیں بھی حکم ماننے کے بغیر چارہ نہیں۔ چنانچہ فرشتے اسے اتار لاتے ہیں۔ اتنی دیر میں لوگ غسل وکفن سے فارغ ہو جاتے ہیں۔ پھر فرشتے روح کو جسم وکفن میں داخل کر دیتے ہیں۔ اس حدیث کے ہر ایک لفظ پر غور فرمایئے تا کہ ناحق خیالات کی پول کھل جائے۔

دلیل نمبر (۹۹)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ مومن کی موت کے وقت اس کے پاس دو فرشتے بھیجے جاتے ہیں جن کے ہاتھوں میں جنت کے پھل اور کفن ہوتا ہے۔ روح اسی کفن میں قبض کی جاتی ہے اس سے اتنی پیاری خوشبو آتی ہے کہ ایسی خوشبو کبھی کسی نے سونگھی نہیں۔ یہاں تک کہ اسے اللہ تعالیٰ کے پاس لایا جاتا ہے۔ فرشتے پہلے سجدہ کرتے ہیں۔ پھر روح سجدہ کرتی ہے پھر حضرت میکائیل علیہ السلام کو بلایا جاتا ہے اور ان سے کہا جاتا ہے کہ اس روح کو مومنوں کی روحوں میں لے جا کر رکھ دو جب تک میں اس کے متعلق میں تم سے قیامت کے دن نہ پوچھوں۔ صحابہ کرامؓ کے مختلف آثار سے ثابت ہوتا ہے کہ روح مومن عرش کے آگے نیند کی موت اور موت کی موت کے بعد سجدہ کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے جا کر روح کا بہترین سلام یہ ہے:

اللھم انت السلام و منک السلام تبارکت یا ذوالجلال والاکرام.

”اے اللہ تو سلامتی والا اور تجھی سے سلامتی ہے۔ اے جلال وعزت والے تو برکت والا ہے“

قاضی نورالدین کا بیان

قاضی نورالدین کا بیان ہے کہ میری خالہ بڑی نیک اور عبادت گزار تھیں۔ میں موت کے وقت ان کے پاس گیا مجھ سے پوچھنے لگیں کہ جب روح اللہ تعالیٰ کے سامنے جا کر کھڑی ہوتی ہے تو کس طرح سلام کرتی ہے؟ یہ سوال بڑا اہم تھا۔ میں نے غور کر کے یہ جواب دیا کہ **اللھم انت السلام الخ** کہتی ہے اچھا ہوا بے چاری فوت ہو گئیں۔ ایک دن میں نے اسے خواب میں دیکھا۔ فرما رہی ہیں اللہ تمہیں اچھا بدلہ دے۔ پہلے تو مجھ پر دبدبہ پڑ گیا اور پتہ نہیں چلا کہ کیا کہوں؟ پھر مجھے تمہارا بتایا ہوا کلمہ یاد آ گیا اور میں نے وہی کہہ دیا۔

دلیل نمبر (۱۰۰)

عوام کو بھی اس کا پتہ ہے کہ یہ روحیں مردوں کی روحوں سے خواب میں ملتی ہیں اور ان سے کچھ سوال

پوچھ لیتی ہیں اور وہ انہیں جو باتیں معلوم نہیں وہ بتاتی ہیں۔ پھر بیداری میں خواب ہو بہو ظاہر ہو جاتا ہے اس طرح کے واقعات بے شمار ہیں۔

دلیل نمبر (۱۰۱)

نیند کرنے والے کی روح پر خواب میں کچھ آثار طاری ہوتے ہیں اور جاگ کر انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتا ہے کہ اس روح نے روح پر اثر ڈالا تھا چنانچہ:

حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما پر تبرا اور اس کی سزا

بعض سلف کا بیان ہے کہ میرا ایک ہمسایہ حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہم کو گالیاں دیا کرتا تھا۔ ایک دن اس نے کچھ گالیاں دیں۔ میری اور اس کی ہاتھا پائی بھی ہو گئی۔ آخر میں گھر سے رنج میں ڈوبا ہوا گھر پہنچا میں نے دکھ کی وجہ سے کھانا بھی نہیں کھایا۔ اور سو گیا۔ رات کو خواب میں رحمۃ اللعالمین ﷺ کو دیکھا۔ میں نے آپ ﷺ سے شکایت کی کہ فلاں آپؐ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالیاں دیتا ہے۔ پوچھا کس کو میں نے کہا: حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو۔ آپؐ نے مجھے چھری دی کہ اس سے اس کا گلا کاٹ دو۔ چنانچہ میں نے چھری لے کر اور اسے لٹا کر خواب ہی میں ذبح کر دیا۔ میرا ہاتھ خون میں بھر گیا۔ میں نے چھری زمین پر رکھ دی اور زمین سے ہاتھ پونچھنے لگا۔ کہ آنکھ کھل گئی۔ سنا تو اس کے گھر سے رونے کی آواز آ رہی تھی۔ میں نے پوچھا یہ کیسی آواز ہے؟ لوگوں نے کہا: فلاں شخص اچانک فوت ہو گیا ہے۔ میں نے صبح آ کر اسے دیکھا تو ذبح کی جگہ نشان موجود تھا۔ (کتاب البستان)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو برا کہنے کا وبال

ایک قریشی شیخ کا بیان ہے کہ میں نے شام میں ایک شخص دیکھا جس کا آدھا چہرہ سیاہ تھا وہ اسے چھپا کر رکھتا تھا۔ میں نے اس کی وجہ پوچھی تو کہنے لگا: میں نے اللہ سے یہ وعدہ کر لیا تھا کہ مجھ سے اس کے بارے میں جو بھی سوال کرے گا ضرور بتا دوں گا میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بہت برا کہتا تھا۔ ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ مجھ سے کسی نے آ کر کہا تو ہی مجھے برا کہتا رہتا ہے پھر اس نے میرے منہ پر تھپڑ مارا صبح کو جو میں اٹھا تو جہاں تھپڑ پڑا تھا وہ جگہ سیاہ پڑ گئی تھی۔ اور اب تک سیاہ ہے۔ (کتاب المنامات)

ایک عورت کا واقعہ

صفیہ بنت شیبہ کا بیان ہے کہ میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھی اتنے میں آپ کے پاس ایک عورت آئی اس کے ہاتھ پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ یہ عورت کہنے لگی میں آپ کے پاس اپنے ہاتھ کی وجہ سے حاضر ہوئی ہوں۔ میرے والد ہاتھ کے کھلے تھے۔ ایک دن میں نے خواب میں حوض دیکھے جن پر لوگ اکٹھے ہیں اور ان کے ہاتھوں میں گلاس ہیں جو ان کے پاس آتا ہے اسی کو پانی پلاتے ہیں۔ میں نے اپنے والد کو بھی دیکھا۔ پوچھا امی جان کہاں ہیں؟ کہنے لگے: دیکھو وہ ہیں۔ میں نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ میں کپڑے کا ایک ٹکڑا ہے فرمایا: انہوں نے صرف یہی ٹکڑا صدقہ میں دیا تھا۔ اتنے میں لوگوں نے ایک گائے ذبح کی اور اس کی چربی پگھلا کر ان پر ملنے لگے۔ اور وہ شور مچا رہی ہیں ہائے پیاس! ہائے پیاس! میں نے گلاس بھر کر انہیں پانی پلا دیا۔ اوپر سے آواز آئی اسے کس نے پانی پلایا؟ اللہ تعالیٰ اس کا ہاتھ خشک کر دے۔ آخر میرا ہاتھ خشک ہو گیا۔ جو آپ کے سامنے ہے۔

سعید بن مسلمۃ کا بیان ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک عورت تھی بولی میں نے رسول اللہ ﷺ سے ان باتوں پر بیعت کر لی تھی کہ میں شرک سے چوری سے زنا سے اولاد کو قتل کرنے سے کسی پر الزام لگانے سے اور ہر گناہ سے بچوں گی۔ چنانچہ میں اس وعدہ پر اب تک قائم ہوں اللہ بھی اپنا وعدہ پورا کرے گا اور مجھے عذاب سے بچائے گا۔ پھر اس نے خواب میں ایک فرشتہ دیکھا اس نے کہا: تم تو بناؤ سنگھار کرتی ہو اور اسے ظاہر کرتی ہو نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتیں پڑوسن کو تکلیف دیتی ہو اور شوہر کا کہنا نہیں مانتی ہو پھر فرشتے نے اس کے چہرے پر پانچ انگلیاں رکھ کر کہا: ان پانچ گناہوں کے بدلے یہ پانچ ہیں۔ اگر تم اور گناہ کرو گی تو ہم اور زیادہ کر دیں گے۔ صبح کو آنکھ کھلی تو پانچوں انگلیوں کے نشان اس کے چہرے پر موجود تھے۔

یعقوب بن عبداللہ کا ایک خواب

عبدالرحمٰن بن قاسم صاحب مالک نے مالک سے سنا فرماتے تھے کہ یعقوب بن عبداللہ بن اشج بڑے نیک آدمی تھے۔ جس دن آپ کی شہادت ہوئی اس دن رات کو آپ نے خواب میں دیکھا۔ جیسے میں جنت میں داخل ہو گیا ہوں اور وہاں مجھے دودھ پلایا گیا ہے کسی نے کہا: اچھا قے تو کریے۔ چنانچہ قے کی تو دودھ باہر نکل آیا۔ پھر دن میں اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے۔ ابو القاسم فرماتے ہیں کہ آپ

سمندری جہاز پر ایسی جگہ تھے جہاں دودھ نہیں ملتا تھا۔ مالک کے سوا دوسرے لوگوں نے بھی یہ قصہ بیان کیا ہے کہتے ہیں آپ جس کشتی میں تھے وہاں نہ دودھ اور نہ کوئی دودھ دینے والا جانور تھا۔

نافع قاری کے منہ سے خوشبو مہکتی تھی

نافع قاری جب بات کرتے تو آپ کے منہ سے مشک کی خوشبو آیا کرتی تھی پوچھا گیا آپ خوشبو لگا کر آتے ہیں۔ فرمایا نہیں خوشبو کے تو میں قریب بھی نہیں جاتا ایک دفعہ میں نے رحمۃ اللعالمین ﷺ کو خواب میں دیکھا تھا کہ آپ میرے منہ کے پاس قرآءت فرمارہے ہیں۔ اسی وقت سے آج تک میرے منہ سے پڑھتے وقت خوشبو آتی ہے۔

ربیع بن رقاشی کا بیان

ربیع بن رقاشی کا بیان ہے کہ میرے پاس دو آدمی آکر بیٹھ گئے اور انہوں نے کسی کی چغلی کی۔ میں نے دونوں کو منع کر دیا۔ پھر کچھ دن کے بعد ان میں سے ایک آدمی نے آکر مجھ سے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک حبشی میرے پاس ایک پلیٹ لے کر آیا جس میں خنزیر کا بڑا موٹا گوشت تھا اور مجھ سے کہنے لگا کھا۔ میں نے کہا میں خنزیر کا گوشت کس طرح کھالوں؟ اس نے مجھے ڈانٹا آخر مجھے کھانا پڑا۔ فرماتے ہیں صبح کو جب اٹھا تو میرے منہ میں بدبو تھی جو دو ماہ تک لگاتار رہی۔ (کتاب الرؤیا)

علاء بن زیاد کا ایک خواب

علاء بن زیاد رات کو ایک معین وقت پر تہجد کے لیے اٹھا کرتے تھے۔ ایک رات گھر والوں سے کہا آج میں کچھ سستی محسوس کر رہا ہوں۔ فلاں وقت مجھے جگا دینا۔ مگر انہوں نے جگایا نہیں' کہتے ہیں: میں نے خواب میں دیکھا کہ کسی نے مجھ سے میرے ماتھے کے بال پکڑ کر کہا۔ اے علاء! اٹھو اور اٹھ کر اللہ کو یاد کرو۔ اللہ تجھے یاد رکھے گا۔ وہ بال آخری وقت تک کھڑے ہی رہے۔ یحییٰ بن بسطام فرماتے ہیں کہ ہم نے انہیں غسل دیا تو وہ بال کھڑے ہی دیکھے۔

ایک آدمی کا آدھا منہ کالا اور آدھا سفید تھا

محمد بن علی کا بیان ہے کہ ہم مسجد حرام میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں ایک شخص کھڑا ہوا جس کا آدھا منہ کالا اور آدھا سفید تھا۔ کہنے لگا: لوگو! مجھ سے نصیحت حاصل کرو میں حضرت ابوبکر صدیق و

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہم کو برا کہا کرتا تھا۔ ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ کسی نے آ کر میرے منہ پر تھپڑ مارا اور مجھ سے کہنے لگا: اے بے ایمان! کیا تو شیخین کو گالیاں دینے والا نہیں؟ نیند سے اٹھا تو میرا آدھا منہ کالا تھا جواب تک کالا ہے۔

محمد بن عبداللہ مہلبی کا خواب

محمد بن عبداللہ مہلبی کا بیان ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں فلاں کے چوبارے پر ہوں۔ رحمۃ اللعالمین ﷺ ایک ٹیلہ پر تشریف فرما ہیں اور آپ کے سامنے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کھڑے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! یہ مجھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو گالیاں دیتا ہے۔ آپ نے فرمایا: اسے یہاں لے آؤ' پھر اسے لایا گیا تو وہ عمانی تھا جو حضرت ابوبکر و حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو گالیاں دینے میں مشہور تھا۔ فرمایا: اس الٹا لٹاؤ' انہوں نے اسے لٹا دیا۔ فرمایا: اس کی گردن کاٹ دو۔ انہوں نے گردن کاٹ دی۔ آخر اس کی چیخوں سے میں جاگ گیا۔ میں نے سوچا کہ اسے خواب سناؤں ہو سکتا ہے توبہ کرے۔ جب میں اس کے گھر گیا تو رونے کی آواز سنی۔ پوچھا کیا بات ہے؟ لوگ کہنے لگے: کل رات کسی نے عمانی کی چارپائی پر اس کی گردن کاٹ دی۔ پھر میں نے نزدیک آ کر اس کی گردن دیکھی تو کان سے کان تک سرخ لائن دیکھی جیسے خون رکا ہوا ہو۔

مسجد نبویؐ کے ایک امام کا بیان

ابوالحسن مطلبی مسجد نبویؐ کے امام کا بیان ہے کہ میں نے مدینہ میں ایک حیرانی والی بات دیکھی ایک شخص حضرت ابوبکر و حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو گالیاں دیا کرتا تھا۔ ایک دن صبح کی نماز کے بعد ہمارے پاس ایک آدمی آیا جس کی دونوں آنکھیں نکل کر دونوں گال پر پڑی تھیں۔ ہم نے اس سے پوچھا' کہنے لگا: پچھلی رات میں نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کے سامنے ہیں اور حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی ہیں۔ حضرت ابوبکر و حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! یہ شخص ہمیں تکلیف دیتا اور گالیاں دیتا ہے پوچھا ابوالقیس تمہیں کس نے گالیاں بتائیں؟ میں نے کہا: انہوں نے یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی دو انگلیوں سے میری آنکھوں کی طرف اشارہ کیا اور کہا اگر تو جھوٹا ہو تو اللہ تیری آنکھیں پھوڑ دے۔ اور انگلیاں میری آنکھوں میں گھونپ دیں۔ اتنے میں میری آنکھ کھل گئی تو میری آنکھیں دونوں گال پر پڑی تھیں۔ یہ

آدمی رو رو کر توبہ کر رہا تھا۔

ایک عالم کا بیان

ایک عالم کا بیان ہے کہ ہمارے پاس ایک آدمی تھا جو لگاتار روزے رکھا کرتا تھا مگر روزہ دیر سے کھولا کرتا تھا۔ ایک دن اس نے خواب میں دیکھا کہ دو سیاہ فام آدمی اس کے بازو اور کپڑے پکڑ کر ایک شعلے والے تنور میں اسے ڈالنے کے لیے لے جاتے ہیں۔ وہ ان سے کہتا ہے مجھے اس میں کیوں ڈالتے ہو؟ کہتے ہیں اس لیے تو رسول اللہ ﷺ کی سنت کے خلاف کیا کرتا تھا۔ آپؐ نے تو جلدی روزہ کھولنے کا حکم دیا تھا مگر تو دیر کر کے کھولا کرتا تھا۔ اس کا چہرہ آگ کے شعلوں سے سیاہ ہو گیا تھا اور چہرے پر پردہ ڈالے رہتا تھا۔ کیا یہ حیرانگی والی بات نہیں کہ ایک آدمی خواب میں سخت بھوک، پیاس یا درد محسوس کرتا ہے اور کوئی خواب ہی میں اسے پانی پلا دیتا یا کھانا کھلا دیتا ہے یا دوا دے دیتا ہے پھر اس کی آنکھ کھلتی ہے تو بھوک، پیاس اور درد سب ختم ہو جاتا ہے۔ اس سلسلے میں لوگوں نے عجیب و غریب چیزیں دیکھیں ہیں۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر ایک نوکرانی کا جادو

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ایک نوکرانی نے ان پر جادو کر دیا تھا۔ ایک سندی نے کہا تم پر جادو ہے۔ فرمایا: کس نے کیا ہے؟ کہنے لگا: ایک نوکرانی نے جس کی گود میں بچہ تھا اور بچے نے اس پر پیشاب کر دیا تھا۔ آپ نے اس سے پوچھا۔ تو نے مجھ پر جادو کیا ہے؟ بولی: "ہاں" فرمایا: کیوں؟ کہنے لگی: اس لیے کہ آپ مجھے فوراً آزاد کر دیں۔ پھر حضرت عائشہؓ نے اپنے بھائی کو بلوا کر اسے فروخت کروا دیا۔ پھر حضرت عائشہؓ نے خواب میں دیکھا کہ کوئی آپ سے کہتا ہے کہ تین کنوؤں کا پانی ملا کر اس سے نہا لیجیے۔ پھر آپ نے ایسا کیا اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے اچھی ہو گئیں۔

خواب میں خلیل اللہ کے ہاتھ پھیرنے سے بینائی واپس آ گئی

سماک بن حرب کی بینائی ختم ہو گئی تھی آپ نے خواب میں خلیل اللہ کو دیکھا کہ آپ نے ان کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا ہے اور فرما رہے ہیں کہ فرات میں تین دن نہا لو۔ پھر انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اور بینائی واپس آ گئی۔

خواب میں بینائی واپس آنے کی دعا بتائی گئی

اسماعیل بن بلال حضرمی نابینا ہو گئے خواب میں کسی نے بتایا یا قریب یا مجیب یا سمیع الدعاء رد علی بصری پڑھ کر دم کر لو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور بینائی واپس آ گئی۔

آیۃ الکرسی میں ۳۶۰ رحمتیں ہیں

عبید اللہ بن ابی جعفر کا بیان ہے کہ مجھے ایک سخت قسم کی بیماری لگ گئی جس سے میں نے کافی دکھ اٹھایا۔ میں آیۃ الکرسی پڑھ کر دم کر لیا کرتا تھا۔ ایک رات خواب میں دیکھا میرے آگے دو آدمی کھڑے ہیں۔ اور ایک دوسرے سے کہتے ہیں: یہ ایسی آیت پڑھتا ہے جس میں تین سو ساٹھ رحمتیں ہیں۔ کیا اس غریب کو ان میں سے ایک رحمت بھی حاصل نہ ہوگی۔ پھر میری آنکھ کھل گئی۔ اسی دن سے بیماری میں کمی واقع ہونی شروع ہو گئی۔

عرق گلاب درد معدہ کے لیے مفید ہے

ایک نیک عورت کو معدہ کا درد ہو گیا۔ خواب میں دیکھا کوئی ان سے کہتا ہے: گلاب کا عرق استعمال کرو۔ پھر انہیں گلاب کے عرق سے شفا ہو گئی۔

وجع الرکبہ کا نسخہ

فرماتی ہیں: میں نے خواب میں دیکھا کہ کسی نے مجھے بتایا کہ ورق ستاے مکی، خالص شہد اور سیاہ چنوں کا پانی گھٹنوں کے درد کی مریضہ کو بتا دیا۔ اللہ نے اسے اسی سے شفا دے دی۔

فصد کا خیال خواب ہی سے پیدا ہوا

جالینوس کہتا ہے کہ مجھے فصد کا تصور خواب ہی نے دلایا۔ اس بارے میں میں نے دو بار خواب دیکھے جب کہ میں بچہ ہی تھا۔ اس کا بیان ہے کہ مجھے ایسے آدمی کا پتہ ہے جس نے خواب دیکھ کر فصد کھلوائی۔ اور اللہ تعالیٰ نے اسے اس درد سے جو اس کے پہلو میں تھا۔ شفا بخشی۔

گلقند و مصطگی رومی امراض معدہ میں مفید ہے

ابن خرازکا بیان ہے کہ ایک آدمی معدے کی بیماری میں مبتلا تھا۔ اور میرے زیر علاج تھا۔ علاج

کراتے کراتے رک گیا۔ ایک عرصہ کے بعد ملاقات ہوئی' میں نے اس کا حال دریافت کیا' کہنے لگا: میں نے خواب میں خاجیوں جیسا ایک آدمی دیکھا جو لاٹھی پر ٹیک لگا کر میرے سامنے کھڑا ہو گیا اور اس نے پوچھا کہ تمہیں معدے کی تکلیف ہے؟ میں نے کہا: "ہاں" کہنے لگا: گلقند و مصطگی استعمال کرو' پھر میں نے یہی دوا کچھ دن استعمال کی اور تندرست ہو گیا۔ یہ جالینوس تھا اس نے اس سلسلہ میں بے شمار واقعات ہیں' کچھ لوگ تو کہتے ہیں کہ طب کی شروعات ہی خوابوں سے ہوئی اور بے شک طب کے بہت سے مسائل خوابوں ہی سے لیے ہوئے ہیں اور کچھ تجربات اور قیاس کے مرہون منت ہیں اور اکثر ایسے بھی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے دل میں ڈال دیا ہے۔ اس سلسلے میں مزید وضاحت کے لیے تاریخ الاطباء اور کتاب البستان للقیروانی پڑھیں۔

دلیل نمبر (۱۰۲)

یہ آیت ان الذین کذبوا بآیتنا الخ جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں اور ان سے غرور کیا ان کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے۔ اس میں ثبوت ہے کہ مومنین کے لیے آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔ مطلب موت کے بعد ان کی روحوں کے لیے کھولے جاتے ہیں۔ جیسا کہ مشہور احادیث میں آیا ہے۔ کچھ اوپر بھی گزر چکیں۔ اس کے برعکس کفار کی روحوں کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے اور نہ ان کے جسموں کے لیے جنت کے دروازے کھلتے ہیں۔

دلیل نمبر (۱۰۳)

رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمانا کہ اے بلال! میں نے جنت میں اپنے پاس تمہاری کھنکھناہٹ سنی۔ تمہارے پاس کون سا عمل ہے؟ بولے: جب میرا وضو ٹوٹ جاتا ہے اور نیا وضو کرتا ہوں تو دو گنا وضو وادا کر لیتا ہوں۔ فرمایا اسی دوگانہ کا یہ اثر ہے۔ ظاہر ہے کہ آپؐ نے حضرت بلالؓ کی روح کی آہٹ سنی۔ جبکہ ان کا جسم تو زمین پر تھا اور وہ ابھی زندہ تھے۔

دلیل نمبر (۱۰۴)

تمام وہ احادیث و آثار ہیں جو قبروں کی زیارت کے ان پر خطاب کے ساتھ سلام کرنے کے قبر والوں کا سلام کرنے والوں کو پہچاننے وران کے سلاموں کا جواب دینے کے سلسلے میں ہیں اوپر ان کی طرف اشارہ گزر چکا۔

دلیل نمبر (۱۰۵)

اکثر مردوں کی روحوں کو اپنے رشتہ داروں سے شکایتیں ہیں کہ تمہارے فلاں فلاں کاموں سے ہمیں تکلیف ہوئی اور عزیزوں میں وہ عمل ان کی شکایات کے مطابق پایا جانا اور ان کا ازالہ کرنا۔

دلیل نمبر (۱۰۶)

روح اگر عرض یا جوہر مجرد ہوتی جو نہ خود جسم کے اندر ہوتی تو کہنے والوں کا یہ کہنا کہ ہم نکلے گئے کھڑے ہوئے آئے بیٹھے چلے داخل ہوئے اور واپس آئے وغیرہ بالکل غلط ہوتا کیونکہ اعراض و مجردات کے حق میں یہ صفات ممتنع ہیں۔حالانکہ ہر شخص جانتا ہے کہ یہ باتیں بالکل صحیح ہیں۔

ایک شبہ کا جواب

یہ نہ کوئی کہے کہ اس قسم کے دلائل لوگوں کے الفاظ و استعمالات پر موقوف ہیں جن میں حقیقت و مجاز دونوں کا خدشہ ہوتا ہے۔ہو سکتا ہے کہ یہاں مجازی معنی مراد ہوں۔مطلب میرا جسم باہر نکلا میرا جسم گیا وغیرہ وغیرہ کیونکہ ہمارے دلائل کی بنیاد عقل وفطرت کی شہادت پر ہے کہ وہ ان الفاظ کے موافق ہی لیتے ہیں کہ ہم آئے گئے مطلب یہ کہ اصل تو روح کا آنا جانا ہے اور بالتبع جسم کا۔

دلیل نمبر (۱۰۷)

جسم روح کی سواری ہے۔اور اس کا محل ہے اس کی دیکھ بھال روح کرتی ہے اس لیے جسم کا آنا جانا اور انتقال مکانی روح کی سواری کے قائم مقام ہے۔اگر روح میں انتقال مکانی وغیرہ کی صلاحیت نہ ہوتی تو اس کی مثال اس طرح جیسے کسی کی سواری گھر میں آتی جاتی ہے خود سوار نہیں جبکہ یہ حتمی اور بدیہی طور پر غلط ہے۔اور ہر شخص جانتا ہے کہ اس کی روح داخل و خارج ہوتی ہے اور جسم بالتبع داخل و خارج ہوتا ہے۔جسمانی آنکھیں جسم کو نکلتا ہوتا دیکھتی ہیں لیکن عقل و فکر کی آنکھیں روح کو آتا جاتا دیکھتی ہیں۔

دلیل نمبر (۱۰۸)

اگر روح عرض ہوتی تو ایک ہی وقت میں انسان ہزاروں روحیں بدل لیتا۔اصل میں انسان صرف روح کی وجہ سے انسان ہے جسم کی وجہ سے نہیں۔روح کو عرض ماننے کی صورت میں اب انسان اور ہوتا۔کچھ دیر کے بعد اور ہوتا۔غرضیکہ مختلف وقتوں میں مختلف انسان ہوتے۔جبکہ انسان ایک ہی ہے اور اگر

روح مجرد ہوتی اور اس کا تعلق جسم سے صرف تدبیری تعلق ہوتا اور جسم اس کا محل نہ ہوتا تو یہ بات جائز تھی۔ کہ اس کا تعلق ایک جسم سے ٹوٹ کر دوسرے جسم سے مل جاتا۔ جس طرح کسی مدبر کا تعلق ایک شہر سے ٹوٹ جاتا ہے اور دوسرے سے جڑ جاتا ہے۔ اس صورت میں ہمیں شک ہوتا کہ مثلاً زید کی یہ روح آیا پہلی روح ہے یا دوسری روح۔ یا زید ہے یا کوئی اور زید ہے۔ ظاہر ہے کہ اہل دانش کے نزدیک یہ بات صحیح نہیں ہے۔ اگر روح عرض یا مجرد ہوتی تو مندرجہ بالا شک پیدا ہو سکتا تھا۔

دلیل نمبر (۱۰۹)

ہر شخص اچھی طرح سے جانتا ہے کہ اس کی روح علم وفکر، حب وبغض رضا و ناراضی وغیرہ۔ احوال نفسانیہ سے متصف ہوتی ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ ان احوال کا موصوف عرض نہیں اور نہ جوہر مجرد ہے جو اس کے جسم سے جدا ہو اور جسم کے پڑوس میں نہ ہو۔ یہ بھی اسے یقین ہے کہ یہ ادراکات کسی ایسی چیز کے ہیں جو جسم کے اندر ہے۔ جیسے اسے یہ یقین ہے کہ سننا، دیکھنا، سونگھنا، چکھنا اور ٹٹولنا اور حرکات و سکنات اس سے قائم ہیں۔ اور اس کی روح کی طرف منسوب ہیں اور جو ہر روح جس سے یہ تمام باتیں وابستہ ہیں نہ عرض ہے اور نہ جوہر مجرد ہے کیونکہ عرض و جوہر مجرد سے یہ باتیں قائم نہیں ہوتیں۔ بلکہ ایسے ذی مکان جوہر سے قائم ہوتی ہیں جو عالم میں داخل ہے۔ اور ایک جگہ سے دوسری جگہ جا سکتا ہے اور یہ جسم کی صفت ہے جس میں روح ساری ہے۔ اور اس کی رگ رگ میں اس طرح تیر رہی ہے کہ اگر روح نکل جائے تو جسم صرف ایک بت اور بے جان ڈھانچہ رہ جائے۔

دلیل نمبر (۱۱۰)

اگر روح عرض ہوتی اور اس کا جسم سے صرف تدبیری تعلق ہوتا جیسے ناخدا کا کشتی سے اور اونٹ ہانکنے والے کا اونٹ سے تعلق ہوتا ہے تو جائز تھا کہ روح اس مخصوص جسم کی تدبیر چھوڑ کر کسی اور جسم کی تدبیر میں مصروف ہو جاتی جس طرح کا حال ناخداؤں کا ہے اس صورت میں مخصوص اجسام سے دوسرے اجسام کی طرف انتقال ارواح کی تجویز پیدا ہوتی ہے جو غلط ہے۔

ایک شبہ کا جواب

کوئی اگر کہے کہ روح وجسم کا اتحاد ہے یا روح کو اپنے جسم سے طبعی عشق ہے یا ذاتی شوق ہے اس لیے دوسرے اجسام کی طرف منتقل ہونا ممتنع ہے تو ہم یہ جواب دیں گے کہ ذی مکان وغیر ذی مکان

چیزوں میں اتحاد محال ہے اس کے علاوہ اگر روح جسم سے متحد ہو تو بدن کے فنا ہونے سے فنا ہو جایا کرتی۔ مزید براں اگر اتحاد کے بعد دونوں کو بقا ہو تو دو نہیں بلکہ ایک ہے۔ اور اگر دونوں کو فنا ہو اور تیسری چیز پیدا ہو جائے تو پھر کیسا اتحاد؟ اور اگر ایک کو زندگی مل جائے اور ایک کو موت تو پھر بھی اتحاد نہیں۔ روح کو جسم سے اس لیے عشق طبیعی ہے کہ روح اس کے واسطے سے لذت اندوز ہوتی ہے اور جب جسم حصول مطلب روح میں برابر ہوں تو ان کی نسبت روح کی طرف برابر ہوگی تو تمہارا یہ کہنا کہ مخصوص روح مخصوص جسم کی عاشق ہے غلط ہوا۔ مثال کے طور پر اگر کوئی پیاسا برابر کے گلاس دیکھے کہ ان میں سے ہر ایک گلاس سے اس کی غرض حاصل ہو سکتی ہے تو اسے کسی خاص گلاس سے محبت ہونا ممتنع ہے کیونکہ محبت کی وجہ ترجیح موجود نہیں۔

دلیل نمبر (۱۱۱)

اگر روح جوہر مجرد ہوتی اور نہ عالم میں داخل ہوتی اور نہ اس سے باہر نکلتی ہوتی بلکہ درمیان ہوتی اس طرح سے کہ نہ عالم سے جڑی ہوتی اور نہ جدا ہوتی اور نہ اس سے مبائن ہوتی اور نہ ہم پہلو ہی ہوتی تو بدیہی طور پر معلوم ہوتا کہ وہ اس صفت کے ساتھ موجود ہے کیونکہ انسان کا علم اس کی روح سے ہے اور روح کے صفات ہر معلوم سے زیادہ ہیں۔ انسان کی باقی معلومات علم بنفسہ کے تابع ہیں مگر یہ حتمی طور پر معلوم ہے کہ یہ غلط ہے کیونکہ تمام دنیا جانتی ہے کہ روح کا اس صفت کے ساتھ موجود ہونا محال عقلی ہے جس نے اپنی روح کے بارے میں اور اپنے رب کے بارے میں ایسا سوچا اس نے نہ اپنی روح کو پہچانا اور نہ اپنے رب کو پہچانا۔

دلیل نمبر (۱۱۲)

یہ جسم جو مشاہدے میں آتا ہے روح کے تمام صفات و ادراکات کا محل ہے خواہ کلی ادراکات ہوں یا جزئی اور حرکات ارادیہ پر قدرت کا بھی محل ہے تو واجب ہے کہ ان ادراکات و صفات کا حامل جسم ہو اور وہ چیز بھی جو اس میں ساکن ہے لیکن ان کا محل جوہر مجرد کو ماننا جو نہ عالم میں داخل ہو اور نہ خارج بالکل غلط ہے۔

دلیل نمبر (۱۱۳)

روح اگر جسمیت و مکان سے مجرد ہو تو اس کے فعل کا محل فعل کے اتصال پر موقوف ہونا ممتنع ہو۔

کیونکہ غیر متحیز کا متحیز سے ملا ہوا ہونا منع ہے۔ اگر ایسا ہو تو روح کا فعل براہ اختراع ہوا۔ اور فاعل و محل فعل کے درمیان ملاقات و اتصال کی ضرورت ہی نہیں رہی۔ پھر ہر شخص جسم کو چھوئے بغیر' جسم حرکت دینے پر قادر ہو۔ کیونکہ روح تمہارے خیال میں جس طرح تحریک اجسام پرائے چھوئے بغیر قادر ہے اسی طرح غیر کے جسم کی تحریک پر بغیر چھوئے قادر ہونی چاہیے۔ جبکہ یہ بالکل غلط ہے۔ پتہ چلا کہ روح تحریک پر قادر نہیں۔ جب تک محل حرکت کو یا محل سے ملے ہوئے جسم کو نہ چھوئے۔ اور ہر وہ چیز جو جسم سے ملی ہوئی ہو یا جسم سے ملے ہوئے جسم سے ملی ہوئی ہو جسم ہوتی ہے۔

ایک شبہ کا جواب

کوئی اگر کہے کہ یہ جائز ہے کہ نفس کی تاثیر اپنے خاص جسم کی تحریک میں اتصال سے مشروط نہ ہو۔ اور غیر کی تحریک میں اتصال سے مشروط ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب جسم تصرفات نفس کو بلا اتصال نفس کے قبول کر لیتا ہے تو اسے دوسرے اجسام کے تصرفات کو بھی بلا اتصال کے قبول کر لینے چاہئیں۔ کیونکہ اجسام قبول حرکت میں برابر ہیں۔ اور نفس کی نسبت سب کی طرف برابر ہے۔ کیونکہ جب نفس جسمیت و علاقہ جسمیت سے مجرد ہے تو اس کی ذات کی نسبت سب کی طرف برابر ہوئی۔ اور جب کسی فعل والی ذات کی نسبت سب کی طرف برابر ہو۔ اور اثر پذیر اجسام کی نسبت بھی اس فاعل کی طرف برابر ہو تو تاثیر اس کی سب کے ساتھ برابر ہوگی۔ پھر جب فاعل محل فعل کے اتصال سے بعض میں مستغنی ہے تو اس کا سب میں مستغنی ہونا ضروری ہوا۔ اور اگر بعض میں اتصال کا محتاج ہے تو پھر سب میں محتاج ہوگا۔

ایک اعتراض کا جواب

اگر کوئی کہے کہ نفس اپنے مخصوص جسم کا عاشق ہے دوسرے جسموں کا عاشق نہیں اس لیے اس کی تاثیر اپنے جسم میں بہت قوی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس شدید عشق کا تقاضا ہے کہ نفس کا تعلق اپنے جسم سے زیادہ ہو اور اس میں اس کا تصرف قوی ہو۔ لیکن دوسرے اجسام کی بہ نسبت اس کی ذات کے تقاضوں کا بدل جانا قطعی ناممکن ہے یہ دلیل انتہائی قوی ہے۔

دلیل نمبر (۱۱۴)

تمام ارباب عقل اس مسئلہ پر متفق ہیں کہ انسان یہی زندہ بولنے والا' کھانے پینے والا' نشوونما پانے والا' احساس اور اختیار و ارادے سے حرکت کرنے والا ہے۔ یہ صفتیں دو قسم کی ہیں۔ کچھ تو انسان کے جسم کی

ہیں اور کچھ روح کی۔ اگر روح جوہر مجرد ہو کہ نہ عالم میں داخل ہو نہ خارج اور نہ اس سے جڑی ہو اور نہ علیحدہ یا کچھ عالم میں ہو اور کچھ نہ عالم میں داخل ہو اور نہ خارج۔ تو اہل علم کے نزدیک یہ سب باتیں صحیح نہیں ہیں۔ بلکہ ان کے نزدیک پورا انسان بمعہ روح و جسم کے عالم میں داخل ہے جیسے یہ قول صحیح نہیں ہے کہ نفس قدیم وغیر مخلوق ہے کیونکہ اس صورت میں نصف انسان مخلوق ہوتا ہے اور نصف غیر مخلوق۔

ایک شبہ کا جواب

اگر کوئی یہ کہے کہ ہم مانتے ہیں کہ انسان وہی ہے جو تم نے بیان کیا۔ مگر ہم ایک جوہر مجرد ثابت کرتے ہیں جو انسان کا مدبر ہے جو مندرجہ بالا صفات سے متصف ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ جوہر مجرد انسان کے علاوہ کچھ اور ہے یا یہی انسان کی حقیقت ہے۔ پہلی صورت میں وہی بات آتی ہے کہ تم نے انسان کے نیچے اس کے علاوہ مدبر ثابت کیا جس کو تم نفس کہتے ہو۔ اور اس وقت گفتگو کا موضوع انسان کی حقیقت ہے۔ مدبر پر بحث نہیں۔ کیونکہ مدبر تو نہ صرف انسان کا بلکہ تمام کائنات عالم کا اللہ تعالیٰ ہے۔

دلیل نمبر ۱۱۵

جس بھی اہل علم سے سوال کیا جاتا ہے کہ انسان کیا ہے؟ تو وہ اسی جسم کی طرف اور یہ جسم جس سے قائم ہے اس کی طرف اشارا کرتا ہے اس کے دل میں کسی جداگانہ مجرد کا تصور بھی نہیں ہوتا۔ اور اس کا علم بدیہی ہے۔ جس میں شک و غلطی کی تھوڑی سی بھی گنجائش نہیں۔

دلیل نمبر ۱۱۶

اہل دانش جانتے ہیں کہ خطاب اسی جسم و روح سے ہوتا ہے اسی طرح بھلائی برائی عذاب وثواب اور ترغیب وترہیب کا مرجع یہی جسم وروح ہے۔ اگر کوئی شخص کہے کہ ان سب باتوں کا مرجع جوہر مجرد ہے تو اہل عقل اس پر ہنسیں گے اور اتفاق اسے اسے صحیح نہیں مانیں گے۔

مخالف فریق کے دلائل اور ان کے جوابات

دلیل نمبر ۱

اہل دانش بالاتفاق روح اور جسم کو نفس و جسم کہتے ہیں معلوم ہوا کہ روح جسم کے علاوہ ہے۔ اگر روح ہی جسم ہوتی تو پھر ان کی اس بات کے کوئی معنی نہ رہتے۔

دلیل نمبر ۲

زوردار دلیل ان کی سب سے یہ ہے کہ یہ قطعی طور پر معلوم ہے کہ موجودات میں کچھ ایسی چیزیں نہیں جو غیر قابل انقسام ہیں۔ مثال کے طور پر نقطہ جو ہر فرد بلکہ ذات واجب الوجود پس لازم ہے کہ ایسی چیزوں کا علم بھی غیر قابل انقسام ہو۔ اس سے ضروری ہوتا ہے کہ اس علم سے متصف جو علم کا محل ہے مطلب یہ کہ نفس بھی غیر قابل انقسام ہو۔ اگر نفس جسم ہوتا تو جسم کی طرح قابل انقسام ہوتا۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہہ دو کہ علوم کلیہ کا محل اگر جسم یا جسمانی ہو تو وہ علوم بھی منقسم ہو جائیں گے کیونکہ منقسم میں جو حال ہوگا وہ بھی منقسم ہوگا۔ حالانکہ علوم کا منقسم ہونا ممکن نہیں۔

دلیل نمبر ۳

اس میں شک نہیں کہ ذہنی صور کلیہ مجرد ہیں ان کا تجرد یا تو اخذ کرنے والے کی وجہ سے ہے یا اخذ کرلی کی وجہ سے ہے۔ پہلی صورت باطل ہے کیونکہ یہ صورتیں ایسے لوگوں سے لی ہوئی ہیں جن کی مقداروں میں بھی اختلاف ہے اور معین اوضاع میں بھی۔ پتہ چلا کہ ان میں تجرد اخذ کرنے کی وجہ سے ہے اور اس قوت عقلیہ کی وجہ سے ہے جس کا نام نفس ہے۔

دلیل نمبر ۴

قوت عاقلہ غیر متناہی افعال پر قادر ہے کیونکہ وہ غیر متناہی ادراکات پر قادر ہے اور قوت جسمانیہ غیر متناہی افعال پر قادر نہیں کیونکہ قوت جسمانیہ اپنے محل کے تقسیم ہو جانے کی وجہ سے تقسیم ہوتی ہے پھر جو چیز کچھ افعال پر قادر ہو لازمی اس سے کم ہوگی۔ جو تمام افعال پر طاقت رکھتی ہے اور بے شک اس سے قوی ہوگی جو کچھ پر قادر ہوگی اور متناہی پر متناہی کی زیادتی خود متناہی ہے۔

دلیل نمبر ۵

اگر قوت عاقلہ جسم میں حال ہو تو واجب ہے کہ وہ یا تو دائمی ادراک والی ہوگی یا ممتنع الادراک ہوگی اور دونوں صورتیں غلط ہیں۔ کیونکہ قوت عاقلہ کا ادراک جسم اگر عین وجود جسم ہے تو محال ہے اور اگر اس کے وجود کے کوئی صورت مساوی ہے اور وہ قوت عقلیہ میں (جو جسم میں حال ہے) حال ہے تو دو متماثل صورتوں کا اجتماع لازم آتا ہے جو محال ہے۔ معلوم ہوا کہ قوت عاقل اگر اپنے آلہ کا ادراک کرے تو یہ

معنی ہوگا کہ قوت عاقلہ کے نزدیک نفس آلہ حاصل ہے اس لیے ادراک کا دائمی رہنا واجب ہے اگر اسی قدر حصول ادراک میں کافی ہو اور اگر کافی نہ ہو تو کسی وقت میں پہچان نہیں ہوسکتی کیونکہ اگر کسی وقت میں پتہ ہو اور کسی وقت نہ ہو تو کسی ایسے فعل کی وجہ سے ہوگا جو مجرد حضور صورت آلہ پر زائد ہوگا۔

دلیل نمبر ۶

ہر شخص کو اپنے نفس کی پہچان ہوتی ہے اور پہچان کا مطلب ہے کہ معلوم کی ماہیت عالم کے سامنے حاضر ہو۔ پھر جب ہمیں اپنے نفس معلوم ہو گئے تو یا تو اس لیے معلوم ہوئے کہ ہماری ذاتیں ہماری ذاتوں کے سامنے موجود ہو گئیں یا اس لیے کہ ہماری ذاتوں کی مساوی صورتیں ہماری ذاتوں میں حاصل ہو گئیں۔ دوسری صورت غلط ہے ورنہ دو مثلوں کا اجتماع لازم آئے گا اس لیے پہلی صورت ثابت ہوئی کہ ہماری ذاتیں ہماری ذاتوں کے پاس موجود ہیں اور یہ صورت جب ہوسکتی ہے جب کہ روح ایک مستقل ذات ہو اور محل سے بے نیاز ہو کیونکہ اگر کسی محل میں حال ہوگی تو اس محل کے پاس حاضر ہوگی۔

دلیل نمبر ۷

ابوالبرکات بغدادی کی دلیل ہے کہ پارے کے سمندر کا اور یاقوت کے پہاڑ کا اور سورج اور چاند کا خیال ممکن ہے۔ یہ خیالی صورتیں معدوم نہیں کیونکہ قوت خیالیہ ان صورتوں کا تصور کرتی ہے اور ان میں آپس میں امتیاز کرتی ہے کبھی یہ خیالات اس قدر مضبوط ہو جاتے ہیں کہ مشاہدہ محسوس کی طرح ہو جاتے ہیں ظاہر ہے کہ عدم محض کے بس کا یہ کام نہیں اور یہ بھی ہمیں پتہ ہے کہ خارج میں ان کی کوئی حقیقت بھی نہیں۔ پتہ چلا کہ ان کا ذہنی وجود ہے اب ہم پوچھتے ہیں کہ ان خیالات کا محل یا تو جسم ہوگا یا جسم میں حال ہوگا۔ پہلی دو صورتیں غلط ہیں کیونکہ سمندر و پہاڑ کی صورتیں بہت بڑی ہیں اور دل و دماغ چھوٹے اجسام ہیں اور بڑی چیزوں کا چھوٹے جسموں میں چھپنا مشکل ہے پتہ چلا کہ ان خیالی صورتوں کا محل نہ جسم ہے اور نہ یہ جسمانی ہیں۔

دلیل نمبر ۸

اگر قوت عقلیہ جسمانی ہو تو ہمیشہ بڑھاپے میں کمزور ہو جانی چاہیے۔ جبکہ ایسا نہیں ہے۔

دلیل نمبر ۹

قوت عقلیہ اپنے افعال میں جسم سے بے نیاز ہے اور جو چیز ایسی ہو اسے بالذات جسم سے بے نیاز ہونا لازم ہے۔ جسم سے بے نیازی کی وجہ یہ کہ قوت عقلیہ اپنا ادراک کرتی ہے۔ اور یہ مشکل ہے کہ اس کے اور اس کے نفس کے درمیان کوئی آلہ ہو۔ کیونکہ بغیر اس آلہ کے بھی ادراک کرتی ہے۔ اس کے علاوہ قوت عقلیہ اس جسم کی پہچان بھی کرے گی جو اس کا آلہ ہے اور اس کے اور اس کے آلہ کے درمیان کوئی اور آلہ ہے نہیں' کیونکہ قوائے جسمانیہ (حواس خمسہ ظاہرہ و باطنیہ) مطلب یہ کہ قوت بصارت و سماعت اور قوت خیالی و وہم چونکہ جسمانی ہیں اس لیے ان کی ذاتوں کا ادراک ان پر قادر ہے کیونکہ یہ اپنی ذاتوں کا ادراک کرتے ہیں اور ان اجسام کا بھی ادراک کرتے ہیں جو انہیں اٹھائے ہوئے ہیں اگر عقل کی قوت جسمانی ہوتی تو اس کے لیے یہ تینوں کام مشکل ہوتے۔ اس کے علاوہ فعل کا منبع نفس ہے۔ اگر نفس اپنے وجود میں جسم سے متعلق ہوتا تو وہ افعال جسم کی شرکت کے بغیر حاصل نہ ہوتے مگر ایسا نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ عقل کی قوت جسم کی محتاج نہیں ہے۔

دلیل نمبر ۱۰

جسمانی قوت زیادہ کام کرنے سے تھک جاتی ہے اور کمزوری کے بعد بھاری کام نہیں کر سکتی۔ اس کی وجہ دراصل یہ ہے کیونکہ کام کی زیادتی کی وجہ سے جسمانی قوتوں کا مادہ تحلیل و ختم ہو جاتا ہے جس سے ان میں کمزوری آ جاتی ہے۔ برخلاف اس کے عقل کی قوت میں کام کی زیادتی کی وجہ سے کمزوری نہیں آتی پتہ چلا کہ وہ جسمانی نہیں۔

دلیل نمبر ۱۱

ہمیں معلوم ہے کہ سیاہی سفیدی کی الٹ ہے اور یہ بھی کہ ان دونوں کی ماہیت ہمارے ذہن میں حاصل ہے اور یہ بات بھی قطعی طور پر جانتے ہیں کہ اجتماع سواد و بیاض اور اجتماع حرارت و برودت (اجتماع ضدین) مشکل ہے۔ مگر یہ اجتماع قوت عقلیہ میں محال نہیں۔ معلوم ہوا کہ وہ جسمانی نہیں۔

دلیل نمبر ۱۲

اگر محل ادراک جسم ہو اور یہ بھی معلوم ہے کہ جسم تقسیم کے قابل ہے تو یہ بات ممتنع نہیں کہ جسم کے کچھ

اجزا سے اس کا جہل وابستہ ہو۔ اس صورت میں انسان بیک وقت عالم بھی ہوگا اور جاہل بھی۔ اور یہ مشکل ہے۔

دلیل نمبر ۱۳

جب کسی جسمانی مادے میں خاص نقوش پیدا ہو جائیں تو ان نقوش کی وجہ سے اس میں دیگر نقوش نہیں پیدا ہو سکتے۔ لیکن عقلی نقوش اسکے برعکس ہیں۔ کیونکہ جب روحیں تمام علوم وادراکات سے خالی ہوں تو انہیں کسی علم کا سیکھنا دشوار ہو۔ پھر جب وہ کچھ سیکھ لیں تو ان علموں کا حاصل ہونا دیگر علوم کے لیے مددگار ثابت ہوتا ہے۔ پتہ چلا کہ نقوش جسمانیہ مخالف ومتضاد ہیں اور نقوش ذہنیہ متعاون ومتوافق ہیں۔

دلیل نمبر ۱۴

روح اگر جسم ہو تو پاؤں ہلانے اور نفس کے حرکت کرنے میں بقدر حرکت وثقل جسم کے زمانہ ہو۔ کیونکہ نفس ہی جسم کا محرک ہے اور اسے حرکت پر آمادہ کرتا ہے پھر اگر پاؤں کی حرکت کی وجہ جسم ہو تو یا تو حرکت اسی میں حاصل ہوگی یا کہیں سے اس میں آئے گی تو وقت کی ضرورت ہوگی اور اگر اسی میں حاصل ہوگی تو اگر ہم اس حرکت کرنے والے حصے کو کاٹ ڈالیں تو پھر بھی اس میں حرکت باقی رہنی چاہیے۔ حالانکہ باقی نہیں رہتی۔ پتہ چلا کہ حرکت کہیں سے آئی تھی جس کا سلسلہ عضو کے کٹ جانے سے رک گیا۔

دلیل نمبر ۱۵

اگر نفس جسم ہوتا تو تقسیم کے قابل ہوتا اور اپنے کچھ اجزا کا ادراک کرتا اور کچھ کی پہچان نہ کرتا لیکن یہ مشکل ہے۔

دلیل نمبر ۱۶

اگر نفس جسم ہوتا تو اس کے داخل ہونے سے جسم کا بھاری ہونا لازمی تھا۔ کیونکہ خالی جسم کی شان ہے کہ جب اس میں کوئی چیز داخل ہو تو اسے بھاری بنا دے۔ مثلاً خالی مشک ہلکی ہوتی ہے اور جب اس میں پانی بھر جاتا ہے تو بھاری ہو جاتی ہے۔ لیکن معاملہ یہاں الٹ ہے جب روح جسم میں موجود ہوتی ہے تو وہ ہلکا ہوتا ہے اور جب نکل جاتی ہے تو بھاری ہو جاتا ہے۔

دلیل نمبر ۱۷

اگر روح جسم ہوتی تو یہ بھی دیگر اجسام کی طرح جسمانی صفات و کیفیات سے متصف ہوتی اور یہ معلوم ہے کہ کیفیات نفسانیہ فضائل ورذائل ہیں۔ جسمانی کیفیات نہیں پتہ چلا کہ روح جسم نہیں ہے۔

دلیل نمبر ۱۸

اگر روح جسم ہوتی تو تمام حواس سے یا کسی حاسہ سے پہچانی جاتی کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ کچھ اجسام تمام حواس سے پہچان لیے جاتے ہیں اور بعض بعض حواس سے۔ جبکہ روح کسی سے بھی نہیں پہچانی جاتی۔ یہ وہ دلیل ہے جسے جہم نے اللہ کا انکار کرنے والوں کے سامنے پیش کی تھی جنہوں نے کہا تھا کہ اگر اللہ موجود ہوتا تو کسی نہ کسی حاسہ سے پہچانا جاتا۔ جہم نے معارضہ میں روح پیش کی۔ یہ معارضہ اسی وقت درست ہو سکتا ہے جب روح جسم نہ ہو۔ ورنہ جسم کا ادراک تو کسی نہ کسی حاسہ سے ہو ہی جاتا ہے۔

دلیل نمبر ۱۹

اگر روح جسم ہوتی تو اس میں طول وعرض وعمق پایا جاتا۔ اسی طرح سطح وشکل بھی اور یہ مقادیر وابعاد مادہ ومحل ہی سے قائم ہوتے ہیں اگر روح کا مادہ ومحل روح ہو تو دو روحوں کا اجتماع لازمی ہوتا اور اگر روح نہ ہو تو روح کی ترکیب جسم وصورت سے لازم آتی ہے جو ایسے جسم میں ہو جس کی ترکیب جسم وصورت سے ہو۔ جس سے ایک انسان کا دو انسان ہونا لازم آتا ہے اور یہ مشکل ہے۔

دلیل نمبر ۲۰

جسم کی خصوصیت یہ ہے کہ تقسیم کو قبول کر لیتا ہے اور جسم کا چھوٹا جز بڑے جز کی طرح نہیں ہے۔ اس لیے اگر روح بھی تقسیم قبول کر لے تو اس کا ہر جز وا گر روح ہو تو لازمی ہے کہ ایک انسان کی بہت سی روحیں ہوں۔ اور اگر روح نہ ہو تو مجموعہ روح نہ ہوگا۔ جیسے اگر پانی کی بوند پانی نہ ہو تو اس کا مجموعہ بھی پانی نہ ہو گا۔

دلیل نمبر ۲۱

جسم اپنی حفظ وبقا اور قوام میں روح کا محتاج ہے۔ اسی وجہ سے روح کے علیحدہ ہونے کے بعد ختم ہو جاتا ہے۔ اگر روح بھی جسم ہو تو وہ بھی دوسری روح کی محتاج ہوگی۔ اس سے تسلسل لازم آتا ہے جو مشکل

ہے۔

دلیل نمبر ۲۲

اگر روح جسم ہو تو اس کا جسم سے تعلق اگر براہ راست مداخلت ہے تو اجسام کا تداخل لازم آتا ہے اور اگر براہ مجاورت ہے تو لازم آئے گا کہ ایک شخص دو جسموں والا ہے جن میں سے ایک جسم تو دکھائی دیتا اور دوسرا انہیں دکھائی دیتا۔

مندرجہ بالا تمام دلیلیں مغالطے ہیں ہم ہر ایک مغالطہ کا تفصیل سے جواب دیتے ہیں۔

مخالف فریق کے دلائل کے جوابات

دلیل نمبر ا کا جواب

تمہارا یہ کہنا کہ اہل دانش کا روح وجسم اور نفس وجسم پر اتفاق ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ دونوں جدا جدا ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ فلاسفہ اور متکلمین کی اصطلاح میں جسم کا مفہوم لغوی اور عرفی مفہوم سے عام ہے۔ کیونکہ فلاسفہ کے نزدیک جسم وہ ہے جس میں طول وعرض وعمق کی صلاحیت ہو۔ خواہ ہلکا ہو یا بھاری۔ اور دکھائی دیتا ہو یا نہ دکھائی دیتا ہو چنانچہ ہوا' آگ' پانی' دھواں' بھاپ' تارے وغیرہ سب اجسام ہیں لیکن عربی لغت میں ان میں سے کسی کو بھی جسم نہیں کہتے۔ لغوی کتابوں کو اور عربی اشعار کو چھان جائیے آپ کو کہیں بھی جسم کا یہ مفہوم نہیں ملے گا۔

جوہری سے روایت ہے کہ ابوزید کہتے ہیں کہ جسم جسد کو کہتے ہیں اور اسے جسمان اور جثمان بھی کہتے ہیں۔

اصمعی سے روایت ہے کہ جسم' جسمان' جسد اور جثمان شخص کو کہتے ہیں۔ جسم الشئ یہ چیز بڑی ہے' جسیم' جسام' ای عظیم یعنی عظیم ہے۔ اگر ہم نفس کو جسم کہتے ہیں تو باعتبار فلاسفہ کی اصطلاح کے کہتے ہیں۔ لغت کے اعتبار سے نہیں۔ ہمارا مقصد روح کو جسم کہنے سے یہ ہوتا ہے کہ ہم روح کے لیے وہ صفات افعال اور احکام ثابت کرنا چاہتے ہیں جن پر شرع عقل اور حس دلالت کرتی ہے مثال کے طور پر حرکت' انتقال مکانی' چڑھنا اترنا' نعمتوں اور لذتوں سے لطف اندوز ہونا۔ عذاب وتکلیف میں مبتلا ہونا بند کیا جانا' چھوڑ دیا جانا' قبض کیا جانا' داخل ہونا' خارج ہونا اس لیے ان تمام باتوں کو ثابت کرنے کے لیے ہم نے روح کو جسم کہا۔ ٹھیک ہے اہل لغت نے اسے جسم کے نام سے نہیں پکارا۔ اس لیے اس گمراہ فرقے

کے ساتھ بات چیت کا موضوع مفہوم ہے۔لفظ نہیں اور صاحب عقل اسی معنی کے لحاظ سے روح وجسم کہتے ہیں۔

دلیل نمبر۲ کا جواب

اس دلیل پر بڑا جھگڑا ہے چار مقدموں پر مبنی ہے(۱) موجودات میں کچھ چیزیں ایسی بھی ہیں جو کسی صورت سے تقسیم کو قبول نہیں کرتیں۔(۲) ایسی چیزوں کا علم ہوسکتا ہے۔(۳) علم تقسیم نہیں ہوتا۔(۴) واجب ہے کہ مکان علم بھی غیر منقسم ہو۔ اگر روح جسم ہوتی تو تقسیم ہوتی' حالانکہ منقسم نہیں۔ اکثر اہل دانش وعقل نے پہلے مقدمہ کو نہیں مانا اور فرمایا کہ یہ صرف تمہارا دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔جس کی کوئی حقیقت نہیں' مثال واجب الوجود کی دی ہے۔ جو تمہارے غلط اصول پر موقوف ہے کہ تم رب کی ماہیت کو اور اس کی صفتوں کو نہیں مانتے اور کہتے ہو کہ اللہ وجود صرف ہے اس کی کوئی صفت وماہیت نہیں۔ تمہارا یہ خیال عقل کے خلاف ہے اور اجماع کے بھی۔ تم نے یہ اصول وضع کر کے اللہ تعالیٰ کی قدرت وسچائی کی اس کے علم وعقل کی اس کے سننے اور دیکھنے کی اس کی اپنی مخلوق پر بلندی کی تردید کی ہے اور اس اصول کی بنا پر تم نے صاف انکار کر دیا کہ اللہ تعالیٰ نے چھ دن میں آسمان وزمین بنائے ہوں اور اس کا نام توحید رکھا۔ جبکہ یہ ہر قسم کی تعطیل کی اصل ہے۔نقطہ کی مثال دے کر خود تم نے اپنی دلیل پر چوٹ لگائی۔ کیونکہ نقطہ غیر منقسم ہے حالانکہ جسم منقسم میں حلول کیے ہوئے ہے۔ دیکھ لیا کہ منقسم غیر منقسم میں حلول کیے ہوئے ہے جو ہر فرد کو ثابت کرنے والے (متکلمین) بھی اس اصل میں تمہارے خلاف ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ جوہر فرد جسم میں داخل ہے بلکہ جسم جو ہر فرد سے جڑا ہوا ہے۔ یہاں بھی تقسیم ہونے والے میں تقسیم نہ ہونے والا داخل ہے تمہاری دلیل مکمل نہیں ہوسکتی جب تک جو ہر فرد کا انکار نہ کرو۔ اگر تم یہ کہو کہ نقطہ خط کی انتہا وفنا کا نام ہے اور وہ ایک لاچیز ہے تو تمہاری دلیل ہی ختم ہوگی اور اگر وجودی چیز ہے تو غیر منقسم منقسم میں حلول کیے ہوئے ہے۔ جبکہ دونوں صورتوں میں دلیل کے تار و پود بکھر کر رہ جاتے ہیں۔

اس کے علاوہ علم اپنی جگہ میں اپنی قسم کے اعتبار سے داخل ہے براہ سریان نہیں۔ کیونکہ ہر چیز کا اپنی جگہ میں حلول کرنا اس کے اعتبار سے ہے۔ مثال کے طور پر گھر میں جاندار کو داخل کرنا' حلول کی ایک قسم ہے۔ عرض کا جسم میں داخل ہونا دوسری قسم ہے۔ خط کا سطح میں حلول کرنا تیسری قسم ہے' روغن کا تلوں میں حلول کرنا چوتھی قسم ہے' جسم کا عرض میں حلول کرنا پانچویں قسم ہے' روح کا جسم میں حلول کرنا چھٹی قسم ہے۔ اور علوم ومعارف کا روح میں حلول کرنا ساتویں قسم ہے۔ نیز واجب الوجود کو وحدت حاصل ہے اگر

یہ وحدت جوہر ہے تو جوہر فرد ثابت ہو گیا اور تمہاری دلیل ختم ہو گئی۔ اس لیے دلیل جوہر فرد کے نہ ماننے پر واقعہ ہے اور اگر عرض ہے تو اس کے لیے مکان کا ہونا ضروری ہے پھر اگر محل منقسم ہو تو غیر منقسم کا قیام منقسم سے جائز ہوا اور وہی جوہر ہے اور دلیل ختم ہو گئی۔

ایک شبہ کا جواب نمبر ا

اگر تم کہو کہ وحدت واجب الوجود ایک نہ ہونے والی چیز ہے۔ اس کا باہر کوئی وجود نہیں تو ہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ جن سے تم نے تقسیم نہ ہونے والے کا وجود ثابت کیا وہ سب نہ ہونے والی ہیں باہر ان کا وجود نہیں کیونکہ واجب الوجود جسے تم نے ثابت کیا ہے عدمی ہے بلکہ مستحیل الوجود ہے۔

جواب نمبر ۲

نیز نسبتیں عوارض ہیں اقسام نہیں جیسے اوپر ہونا۔ نیچے ہونا۔ مالک ہونا غلام ہونا وغیرہ۔ اگر محل کے اجزا سے حال کی تقسیم لازم آئے تو ان نسبتوں کی تقسیم بھی لازم آئے گی مثلاً فوقیت وتحتیت کے لیے چوتھا اور آٹھواں حصہ لازم آئے گا مگر عقل کے نزدیک یہ چیز مشکل ہے۔

جواب نمبر ۳

نیز تمہارے رئیس ابن سینا کے نزدیک وہم کی طاقت اور سوچ کی طاقت جسمانی ہیں ضروری ہے کہ ان کے بھی اجزا ہوں۔ جبکہ یہ مشکل ہے اس لیے اگر ان کی تقسیم ہو جائے تو اگر ہر ٹکڑا کل کے مثل ہو تو جز کا کل کے برابر ہونا ضروری ہو جاتا ہے اور اگر نہ ہو تو وہ جز اس طرح نہ ہوا۔

جواب نمبر ۴

اس کے علاوہ وہم کے کوئی معنی نہیں۔ سوائے اس کے کہ یہ دوست ہوا اور وہ دشمن ہوا اور یہ تقسیم نہیں ہو سکتا۔

جواب نمبر ۵

نیز تمہارے پاس ماہیت کے وجود پر ایک چیز زیادہ ہے اگر محل کی تقسیم سے حال کی تقسیم بھی ضروری ہو تو اس وجود کی تقسیم لازمی ہو گی۔ لیکن جو وجود کو ماہیت کے سوا مانتا ہے اس کے مذہب پر یہ ضروری ثابت نہیں ہوتا۔

جواب نمبر ۶

نیز عددوں کی شکلیں مختلف ہیں۔ دس سے دس ہونے کا ایک معنی اور ایک شکل ہے اس لیے یہ شکل یا تو اس کی ہر اکائی کو لاحق ہوگی یا اکائیوں کے اجزاء ہونے سے تجزی ہو جائے گی۔ دونوں شکلیں مشکل ہیں کیونکہ دس کا معنی قابل تقسیم نہیں۔ ہاں عشرہ قابل تقسیم ہے۔ پس ایک تقسیم نہ ہونے والی اجزاء تقسیم ہونے والی کے ساتھ مل ہوئی ہے۔

جواب نمبر ۷

نیز جو خاص حالتیں مقدار سے متعلق ہیں جیسے گولائی اور نقوش وغیرہ یہ فلاسفہ کے نزدیک اعراض ہیں۔ اگر یہ عرض ہوں تو یا تو سب کے ساتھ قائم ہوں گے یا ہر جزو کے ساتھ دونوں صورتیں مشکل ہیں یا اجزاء کی تقسیم سے یہ عرض بھی تقسیم ہو جائے گا اور خط کے ہر جزو سے اس عرض کا ہر جز وقائم ہوگا یہ بھی محال ہے کیونکہ اگر اس کا جزو گولائی ہو تو لازم آئے گا کہ جز و دائرہ دائرہ ہو۔ اور اگر گولائی نہ ہو تو اجزاء کے اجتماع کے وقت اگر کوئی زیادہ بات پیدا نہ ہو تو واجب ہے کہ گولائی پیدا نہ ہو۔ اور اگر زیادہ بات پیدا ہو تو اگر تقسیم کے قابل ہے تو تقسیم واپس آئے گی نہیں تو حال غیر منقسم اور محل منقسم ہوگا۔

میں کہتا ہوں ان کے اصول پر یہ چیز لازم نہیں آتی کیونکہ وہ کہہ سکتے ہیں کہ حال محل کی تقسیم سے خود بخود تقسیم ہو جائے گا۔ جیسا کہ ان تمام اعراض کا حال ہوتا ہے جو محل سے ملے ہوئے ہوتے ہیں جیسے سفیدی اور سیاہی وغیرہ اور جو منقسم نہیں جیسے طول وغیرہ تو اس کے حاصل کرنے شرط اجزاء کا اکٹھا ہونا ہے اور جو شرط سے تعلق رکھتا ہے وہ شرط کی غیر موجودگی میں نہیں پایا جاتا۔

جواب نمبر ۸

نیز یہ جسم اپنی ذات کے ساتھ ہیں اور امکان ان کی ایک صفت غرضیہ ہے جو ان کی ماہیت سے خارج ہے اگر یہ صفت اپنے محل کی تقسیم سے تقسیم نہ ہو تو دلیل ختم ہوگئی۔ اور اگر تقسیم ہو جائے تو وہی محال لوٹ آئے گا۔ کہ جز کل کے برابر ہو اور تسلسل لازم آئے گا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ بھی لازم نہیں کیونکہ امکان ایسی چیز نہیں جو ممکن کے وجود و عدم کے قبول کرنے پر دلالت کرے اور یہ قبول اس کی ذات کے ساتھ لازم ہے۔ کوئی وقتی صفت نہیں۔ لیکن ذہن اس قبول کو قابل مجرد کر دیتا ہے۔ لہٰذا اس کا ماہیت کے ساتھ عارض ہونا ذہن کی تجرید سے ہے۔ رہا جز و کل کی

شرکت کا سوال اس میں کوئی امتناع نہیں جیسا کہ تمام بسیط ماہتیں ہیں۔ کیونکہ تعریف وحقیقت میں ان کے جز کل کے برابر ہوتے ہیں۔

جیسے پانی مٹی ہوا وغیرہ۔ جز وکل کی مساوات کم میں ممتنع ہے نفس کی سچائی میں نہیں۔ یہ شک اس طرح غلط ہوسکتا ہے کہ علم روح میں حالہ کی شکل نہیں ہے بلکہ جاننے اور جانے ہوئے کے درمیان ایک نسبت واضافت ہے جیسے ہم دیکھتے ہیں کہتے ہیں کہ دیکھنے سے آنکھ میں وہ صورت نہیں چھپتی جو دیکھنے والے کے برابر ہو بلکہ وہ نسبت واضافت ہے جو دیکھنے والی قوت اور دیکھنے والے کے درمیان پائی جاتی ہے اور اس فصل میں جو عام شک کیا گیا ہے معلوم کی صورت قوت عاملہ میں چھپنے پر مبنی ہے پھر اس پر یہ مقدمہ اٹھایا گیا ہے کہ غیر قابل تقسیم میں تقسیم مشکل ہے۔

دلیل نمبر ۳ کا جواب

ان کا یہ دعویٰ کہ تمام علم کا محل اگر جسم یا جسمانی ہو تو علوم بھی تقسیم ہو جائیں گے اس لیے قابل تقسیم جسم میں آئی ہوئی چیز بھی تقسیم ہو جاتی ہے۔ دلیل چاہتا ہے کیونکہ یہ بھی نہیں کہ دلیل کی ضرورت نہ ہو۔ یہ دعویٰ اس بنیاد پر ہے کہ کسی چیز کا علم نفس عالم میں ایسی صورت کے حاصل ہونے سے ہوتا ہے جو معلوم کی ماہیت کے برابر ہو۔ جبکہ یہی غلط ہے جس کے دلائل آنے والے ہیں۔ اگر ہم بفرض محال مان بھی لیں تو یہی تمہارے دعویٰ کی غلطی کی واضح دلیل ہے اس لیے جب یہ شکل ہونے والے جسم کے جوہر میں موجود ہو تو یہ صورت جزئیہ ہے جو نفس جزئیہ میں داخل ہیں اور اس کے ساتھ اور بھی اعراض ہیں جو اس نفس جزئیہ میں داخل ہیں۔ پھر جب ہم اس صورت کا اس کے تمام لواحق کے ساتھ اعتبار کریں تو خالی شکل نہ رہی یہ تو عوارض ولواحق سے ملی ہوئی ہوگی اور یہ اس کی کلی کو رد کرنے والی ہے۔

ایک شبہ کا جواب

اگر تم کہو کہ اس کے کلی ہونے سے یہ مطلب ہے کہ جب ہم اس سے وہ عوارض الگ کرلیں اور اس صرف ذات کی حیثیت سے خیال کریں تو کلی ہوگی تو ہم کہیں گے کہ جب یہ جائز ہے تو یہ کیوں جائز نہیں کہ کہا جائے کہ یہ صورت ایک خاص جسمانی مادہ میں مقررہ قدر اور معین کل کے ساتھ داخل ہے۔ مگر جب ہم اسے اس سے جدا کرلیں اور اس کا من حیث الذات اعتبار کرلیں تو بمنزلہ اس صورت کے ہو جائے گی جس کے ساتھ ہم نے ایسا کیا ہے۔ لہٰذا معین معین کے مقابلہ پر ہے اور مطلق محل مطلق کے

مقابلہ پر ہے۔ یہی بات سمجھ میں آتی بھی ہے معلوم ہوا کہ یہ شک سب سے زیادہ غلط ہے لوگوں نے کلیات بنا کر اپنی نگاہیں خراب کر لیں۔ کیونکہ انہوں نے امور کلیہ کی تجرید کر کے جن کا وجود خارج میں نہیں ان پر موجود ہونے کے کے احکام لگا دیئے اور انہی موجودات کے لیے معیار واصل قرار دے دیا پھر جب انہوں نے معلوم کی صورتیں مجرد کر کے انہیں کلیات قرار دے دیا تو ہم نے ان کے مکان مجرد کر کے انہیں کلی بنا دیا۔ اگر وہ مقرر جزئی لیں گے تو ان کے مکان بھی جزئی ہوں گے لہٰذا کلی کے مقابلہ پر کلی اور جزئی کے مقابلہ پر جزئی ہے۔ مزید برآں ہم کہتے ہیں کہ ذہن میں صرف صورت شخص معین کی ہے جو اپنے تمام افراد پر فٹ ہو جاتی ہے اگر تم اس اعتبار سے اسے کلی کہہ دو تو خیر اصطلاح میں کوئی جھگڑا نہیں وہ دو اعتباروں سے کلی بھی ہے اور جزئی بھی۔

دلیل نمبر ۴ کا جواب

تمہارا یہ کہنا کہ ذہنی صور کلیہ مجرد ہیں اور ان میں تجرد اخذ کرنے والی (قوت عقلیہ) کی وجہ سے ہے تو ہم کہتے ہیں تمہاری اس صورت عقلیہ کلیہ سے کیا مراد ہے؟ کیا یہ مراد ہے کہ معلوم ذات عالم میں حاصل ہو گیا۔ یا اس کا علم ذات عالم میں حاصل ہو گیا۔ پہلی صورت تو مشکل ہے ہاں دوسری صورت ٹھیک ہے مگر اس سے تمہیں فائدہ نہیں پہنچتا۔ کیونکہ امر کلی جو افراد انسان میں ملا جلا ہے وہ انسانیت ہے علم انسانیت نہیں۔ اور انسانیت کا خارج میں وجود نہیں۔ خارج میں صرف افراد کا وجود ہے۔ اور علم معلوم کے مطیع ہے۔ پھر جیسے معلوم معین ہے علم بھی معین ہے لیکن وہ ایک ایسی صورت ہے جو بہت سے افراد پر فٹ ہو جاتی ہے لہٰذا ذہن و خارج میں کوئی ایسی صورت نہیں جو غیر منقسم ہو اس مقام پر آ کر بڑے بڑے اہل دانش ٹھوکر کھا گئے۔ جس صورت کلیہ کو وہ ثابت کرتے ہیں اور اسے روح میں داخل کی ہوئی خیال کرتے ہیں وہ صورت شخصیہ ہے جو عوارض شخصیہ سے موصوف ہے۔ اچھا مان لو کہ یہ صورت عقلیہ جوہر میں حال ہے جو نہ جسم ہے نہ جسمانی تو وہ عوارض سے غیر مجرد ہے۔

ایک شبہ کا جواب

اگر تم کہو کہ تجرید سے ہماری مراد عوارض کو چھوڑ کر صرف ذات ہونے کی وجہ سے ہے تو کہا جائے گا تو پھر یہ کیوں جائز نہیں کہ صورت حالہ کی محل جسمانی میں تقسیم نہیں۔ کیونکہ یہاں بھی عوارض سے آنکھ پھیر کر ذات کی حیثیت سے لیں گے تو مجرد ہے۔

دلیل نمبر ۵ کا جواب

تمہارا یہ کہنا کہ عقل کی طاقت ان کاموں پر قادر ہے جن کی انتہا نہیں ہے قوت جسمانیہ قادر نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نہیں مانتے کے عقل کی طاقت غیر متناہی افعال پر قادر ہے۔ تم کہتے ہو کہ قوت عقلیہ غیر متناہی ادراکات پر قادر ہے اور ادراکات بھی ہوں پھر بھی وہ محدود ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **و فوق کل ذی علم علیم۔** "ہر عالم کے اوپر اس سے زیادہ عالم ہے"۔ پھر علم کی انتہا اللہ تعالیٰ پر ہو جاتی ہے جو ہر چیز کو بہتر جانتا ہے۔ اللہ کے علم میں کوئی شریک نہیں ایسا علم اللہ ہی کے ساتھ خاص ہے۔

ایک اعتراض کا جواب

اگر تم کہو اگر ادراک نفس کسی ایسی حد پر رک جائے کہ اس پر زیادتی ممکن نہ ہو تو امکان ذاتی سے انقلاب لازم آئے گا۔ ہم کہیں گے اگر یہ بات صحیح ہے تو اس پر دلالت کرتی ہے کہ قوت جسمانیہ بھی غیر متناہی افعال پر قادر ہو۔ جبکہ ایسا نہیں ہے۔ لہٰذا اعتراض ختم ہو گیا۔ اس کے علاوہ قوت خیالیہ وفکر یہ غیر متناہی تخیلات پر قادر ہے۔ حالانکہ وہ تمہارے نزدیک قوت جسمانیہ ہے۔

ایک شبہ کا جواب

اگر تم کہو کہ ہم قوت خیالیہ کو غیر متناہی تخیلات پر قادر نہیں مانتے تو ہم بھی کہیں گے کہ ہم بھی قوت عقلیہ کو غیر متناہی افعال پر قادر نہیں مانتے۔ دوسرا مقدمہ بھی غلط ہے کیونکہ ادراک فعل نہیں ہے چنانچہ قوت عقلیہ کے افعال کے متناہی ہونے سے اس کے ادراکات کا متناہی ہونا لازم نہیں آتا۔ تم نے خود تفصیل کے ساتھ کہا ہے کہ جوہر عقلی معلوم صورت کی قابلیت رکھتی ہے اس کی فاعل نہیں ہے۔ اور تمہارے نزدیک ایک ہی چیز قابل و فاعل نہیں ہو سکتی۔ اور تم نے یہ بھی وضاحت کی ہے کہ اجسام کے لیے غیر متناہی افعال منع ہیں۔ لیکن غیر متناہی مجہولات و تاثرات منع نہیں۔

ابن سینا کا اعتراض مع جواب

ابن سینا نے اس شک پر ایک سوال اٹھایا ہے کہ فلکی جسم پر حرکت کرنے والا آسمان ہے جسمانی قوت نہیں۔ جبکہ حرکات فلکیہ غیر متناہی ہیں۔ پھر اس کا یہ جواب دیا ہے کہ گو وہ قوت جسمانیہ ہے مگر اپنے

کمال میں عقل مجرد سے مدد لیتا ہے اس لیے اس کے افعال غیر متناہی ہیں۔ ہم کہیں گے جب تمہارے نزدیک یہ بات ہے تو ہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ نفس ناطقہ اپنے خالق سے کمال وقوت حاصل کر لیتا ہے اور جسمانی ہونے کے باوجود غیر متناہی افعال پر قادر ہو جاتا ہے اگر تم اس کے ماننے والے ہو جاتے تو انبیائے کرام علیہم السلام کے اور عقل کے ساتھ ہو جاتے۔ مسلمانوں کی جماعت میں داخل ہو جاتے اور گمراہوں کی شیطانی جماعت سے نکل جاتے۔

دلیل نمبر ۶ کا جواب

یہ شک تمہاری ایک غلط بنیاد پر اٹھایا ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ ادراک قوت مدرکہ میں معلوم کے برابر صورت کے حاصل ہونے کا نام ہے اگر ہم اس اصل کو مان بھی لیں تو اس سے تمہیں کچھ بھی فائدہ نہ پہنچے گا اس لیے اس کے برابر صورت کے حاصل ہونے کا نام ہے۔ اگر ہم اس اصل کو مان بھی لیں تو اس سے تمہیں کچھ بھی فائدہ نہ پہنچے گا۔ کیونکہ اس مساوی صورت کا حاصل ہونا ادراک کی شرط ہوگا پھر کہا جائے گا کہ یہ ادراک کیا ہو بہو اس صورت کا حاصل کرنا ہے۔ اس کا کوئی ماننے والا نہیں۔ یہ کہنا کیوں جائز نہیں کہ قوت عقلیہ مخصوص جسم میں حلول کئے ہوئے ہے پھر بھی قوت ناطقہ کے لیے ایک اضافی حالت (شعور وادراک) حاصل ہوتی ہے اس صورت میں قوت عاقلہ اس آلہ کا شعور کرتی ہے۔ اور کبھی وہ حالت اضافیہ نہیں پائی جاتی تو وہ قوت ناطقہ اس سے بے خبر رہتی ہے جب یہ ہو سکتا ہے تو شک ہی جڑ سے اکھڑ گیا۔ اس کے علاوہ ہم پوچھیں گے کیا عقل میں حاضر ہونے والی صورت ہر لحاظ سے معقول کے برابر ہوتی ہے یا کچھ اعتبار سے؟ پہلی صورت کا تو کوئی عقل مند ماننے والا نہیں۔ اور اس کی غلطی بغیر ثبوت ہی کے ظاہر ہے جب یہ بات ہے تو دوسری صورت کے دماغ یا دل میں آنے سے دو شکلوں کا اجتماع لازم نہیں آتا۔ نیز عقل کی طاقت جو ہر دل یا دماغ میں داخل ہے اور حاصل ہونے والی صورت عقل کی طاقت میں حلول کرتی ہے لہٰذا ایک چیز قوت عاقلہ کا محل ہے۔ نیز جب ہم کسی دور کی چیز کو دیکھتے ہیں تو کیا یہ دیکھنا ہماری آنکھ میں دیکھی جانے والی چیز کے نقشے کے چھپ جانے پر بند ہے یا نہیں۔ اگر موقوف ہو تو دو شکلوں کا اجتماع لازم آتا ہے۔ کیونکہ تمہارے نزدیک دیکھنے والی قوت جسمانی قوت ہے اس لیے وہ حجم ومقدار والے محل میں ہے۔ پھر جب اس میں دیکھی جانے والی چیز کا حجم حاصل ہوگا تو دو شکلوں کا اجتماع لازم آئے گا جب یہاں دو شکلوں کا اجتماع جائز ہے تو ہمارے مسئلہ میں کیوں جائز نہیں۔ اور اگر موقوف نہیں ہے تو تمہارا یہ قول غلط ہوا کہ دل و دماغ کا شعور قوت عاقلہ میں دل و دماغ کے حصول

صورت پر موقوف ہے۔ نیز تمہارا یہ کہنا کہ اگر قوت عقلیہ جسم میں حال ہو تو اس کا اس جسم کے لیے ہمیشہ کا شعور واجب ہے لیکن ہمارے دل و دماغ کا شعور فانی ہے یہ اس پر اعتراض پڑ سکتا ہے جو دل و دماغ میں قوت عقلیہ کے داخل ہونے کا قائل ہے۔ لیکن جو جسم مخصوص (نفس) میں حلول کا قائل ہے اس پر نہیں پڑ سکتا۔ کیونکہ وہ کہے گا کہ نفس جسم مخصوص ہے اور انسان اس جسم مخصوص کا ہمیشہ عالم ہے اور غفلت کی حالت کے علاوہ یہ علم مسلسل قائم رہتا ہے۔

دلیل نمبر ۷ کا جواب

یہ شبہ بھی مندرجہ بالا اصل پر مبنی ہے۔ مطلب اس پر کہ علم نفس عالم میں معلوم کے برابر صورت کے حاصل ہونے کا نام ہے۔ یہ اصل بہت سے دلائل سے غلط ہے۔ جو مسئلہ علم میں درج ہیں اگر ہم اسے مان بھی لیں تو مندرجہ صورت حصول علم کی شرط ہے۔ نفس علم نہیں نیز اس شبہ پر یہ نقض پڑتا ہے کہ اگر ہم لکڑی یا پتھر لے کر کہہ دیں کہ یہ جوہر ہے اور قائم بالذات ہے' اس لیے اس کی ذات اس کی ذات کے نزدیک حاضر ہے تو ان جمادات کے لیے بھی لازمی ہوتا ہے کہ یہ اپنی اپنی ذات کے عالم ہوں۔ مزید تمام جاندار اپنی اپنی ذاتوں کے عالم ہیں۔ اگر کسی چیز کا اپنی ذت کے عالم ہونے سے یہ لازم آتا ہے کہ اس کی ذات جوہر مجرد ہو تو تمام حیوانات کے نفوس کا مجرد ہونا لازم آئے گا۔ جبکہ تم اس کے قائل نہیں۔

دلیل نمبر ۸ کا جواب

یہ ابوالبرکات بغدادی کا شبہ ہے جو بالکل کمزور ہے کیونکہ یہ اس پر مبنی ہے کہ تخیلات موجودات میں سے ہوں اور نفس ناطقہ میں چھپتے ہوں۔ جیسے نفس اپنے محل میں چھپا ہوا ہے اور یہ معلوم ہے کہ ان خیالات کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ ذہن صرف انہیں فرض کر لیتا ہے۔ یہ نفس میں چھپے ہوئے نہیں ہیں۔ چونکہ علوم خارجیہ کی صورتیں بھی نفس میں نہیں چھپتیں خیالات معدومہ کا تو ذکر ہی کیا ہے یہ اعدام اضافیہ میں تمیز کرنے کے مانع بھی نہیں۔ کیونکہ عقل عدم سمع' عدم بصر وغیرہ میں تمیز کر لیتی ہے اور اس تمیز سے یہ لازم نہیں ہوتا کہ اعدام موجود بھی ہوں۔ بلکہ عقل تو محالات کے انواع میں بھی تمیز کر لیتی ہے جن کا وجود ممکن نہیں۔ پھر ہم کہتے ہیں ان چیزوں میں جو حجمیہ و مقدار سے مجرد ہوں ہر اعتبار سے اشکال و مقادیر کا حلول کرنا عقل میں آتا ہے۔ تو کیا چھوٹے جسم میں بڑی شکل و حجم والی چیز کے علم کا اتر آنا معقول نہیں۔ نیز جب تمام اعتبار سے عدم انطباق جوہر مجرد میں صورت و شکل کے حلول کرنے سے مانع نہیں تو بڑے کا

چھوٹے پر عدم انطباق بدرجہ اولی چھوٹے سے محل میں بڑی صورت کے حلول سے مانع نہ ہوگا۔ مزید تمہارے پہلے پیشروؤں نے اس پر دلیل قائم کی ہے کہ صورت حالہ کا جوہر مجرد میں چھپنا ناممکن ہے۔ اور اس کے کئی دلائل دیئے ہیں۔

دلیل نمبر ۹ کے ۱۰ جوابات

اس شبہ کے کئی جواب ہیں: (۱) عقلی قوت کے کمال میں جسم کی صحت کے لیے ایک ضروری مقدار معین کا اعتبار ہے۔ لیکن صحت میں کمال جسم کا کمال عقلی قوت میں اعتبار نہیں۔ ظاہر ہے وہی ضروری مقدار معین برابر باقی رہتی ہے یہاں تک کہ بڑھاپے میں بھی قائم رہتی ہے۔

(۲) شاید بوڑھے کے ادراکات عقلیہ اس لیے درست رہتے ہوں کہ اس کی عقل کچھ اعضا میں قائم ہے جن میں خرابی سب سے آخر میں آتی ہے۔ پھر جب وہ بھی خراب ہو جاتے ہیں تو عقل بھی ختم ہو جاتی ہے۔

(۳) جائز ہے کہ کچھ مزاج کچھ قوی کے موافق ہوں اور شاید بوڑھے کا مزاج عقلی قوت کے مطابق ہو۔ جس کی وجہ سے اس میں عقلی قوت مضبوط رہتی ہو۔

(۴) مزاج جب اپنی پوری قوت پر ہوگا تو تمام قوی مضبوط ہوں گے اور قوت شہوانیہ اور غضبیہ بھی کمال قوی ہوگی اور ان دونوں قوتوں کا مضبوط ہونا کمال عقلی سے مانع ہے۔ پھر جب بڑھاپا آ جاتا ہے اور کمزوری پیدا ہو جاتی ہے تو قوت شہوانیہ اور غضبیہ میں کمزوری آ جاتی ہے جو کمال عقلی سے مانع تھیں اور عقل میں بھی کمزوری آ جاتی ہے لیکن عقل میں ضعف آنے کے بعد عقل کے خلاف قوی میں بھی کمزوری آ جاتی ہے۔ اس لیے ایک نقصان کی تلافی دوسرے نقصان سے ہو جاتی ہے۔ اور اعتدال پیدا ہو جاتا ہے۔

(۵) بزرگ شخص تجربہ کار اور بہت سی باتوں کا عالم ہوتا ہے اس کے تجربات وعلوم قوت فکریہ ونظریہ کے مددگار ہو جاتے ہیں اس لیے کمزور بدن وقوی سے جو نقصان پیدا ہوتا تھا اس کی تلافی ہو جاتی ہے۔

(۶) کثرت کار سے ایک طرح کا گہرا ملکہ حاصل ہو جاتا ہے اور اس طرح اس نقصان کی تلافی ہو جاتی ہے جو جسم میں خلل پیدا ہو جانے سے پیدا ہو گیا تھا۔

(۷) رحمۃ اللعالمین ﷺ نے فرمایا: انسان بوڑھا ہو جاتا ہے مگر اس میں دو چیزیں (زیادہ حرص اور لمبی امیدیں) جوان رہتی ہیں۔ (واقعات اس حدیث پر گواہ ہیں) جبکہ حرص وامید جسمانی قوی اور

خیالی صفات میں سے ہیں مگر پھر بھی جسم کی کمزوری سے ان دونوں صفتوں میں کمزوری نہیں آتی تو معلوم ہوا کہ ضعف جسم سے جسمانی صفات میں کمزوری کا پیدا ہونا ضروری نہیں۔

(۸) ہم بہت سے بوڑھوں کو دیکھتے ہیں کہ ان کے ہوش وحواس بھی قائم نہیں رہتے بلکہ زیادہ بوڑھوں میں یہ چیز زیادہ ہے خود اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ومنکم من یرد الی ارذل الخ تم میں سے کچھ آدمی آخری عمر کو پہنچ جاتے ہیں اور علم کے بعد بے علم ہو جاتے ہیں۔ اس لیے بوڑھا آدمی آخری عمر میں بچے کی طرح ہو جاتا ہے بلکہ اس سے بھی بدتر ہو جاتا ہے اور جس میں یہ چیزیں نہ ہوں سمجھ لو کہ وہ آخری عمر کو نہیں پہنچا۔

(۹) جسمانی قوت اور قوت نفس میں اسی طرح کمزور جسم اور کمزور نفس میں تلازم نہیں۔ کچھ لوگ طاقتور ہونے کے باوجود ڈرپوک و بزدل ہوتے ہیں۔ اور کچھ کمزور ہونے کے باوجود بلند حوصلہ بہادر اور خطرات میں کود جانے والے ہوتے ہیں۔

(۱۰) تمہاری بات اگر مان لی جائے تو پھر بھی اس سے نفس کا جوہر مجرد ہونا کہ نہ عالم میں داخل ہو نہ اس سے خارج ہو اور نہ جسم میں ہو اور نہ جسم سے باہر ہو لازم نہیں آتا کیونکہ جب نفس جسم لطیف و چمک دار اور علوی ہے اور سفلی اجسام کے خلاف ہے تو سفلی اجسام کی طرح انحلال و تغیر اور فنا کو قبول نہیں کرتا۔ اس لیے جسم کے انحلال و تغیر سے جوہر نفس میں انحلال و تغیر کا پیدا ہونا ضروری نہیں۔

دلیل نمبر ۱۰ کا جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ کسی جسمانی قوت میں ثبوت حکم سے تمام جسمانی قوتوں میں اسی حکم کا ثبوت ضروری نہیں ہوتا۔ تمہارے پاس صرف دعویٰ اور غلط قیاس ہے۔ نیز صور و اعراض اپنے محل کے محتاج ہیں اور یہ احتیاج صرف ان کی ذاتوں کا تقاضا ہے۔ اس حکم کے ساتھ ان کے استقلال سے ان کا محل سے استغنا ضروری نہیں ہوتا۔ اس لیے کسی حکم کے تقاضے کی بنا پر کسی چیز کے مستقل ہونے سے محل سے استغنا ضروری نہیں ہوتا۔

دلیل نمبر ۱۱ کا جواب

گیارہویں دلیل کا جواب یہ ہے کہ قوت خیالی اور جسمانی ہے اور وہ معمولی چیزوں کے خیالات کے ساتھ ساتھ بڑی بڑی اشیاء کے خیالات پر بھی قادر ہے۔ جہاں وہ سورج اور چاند کا تصور کرتی ہے

وہاں وہ ایک چھوٹے انگارے کا بھی تصور کر لیتی ہے۔ نیز طاقتور وغالب چیزوں کے دیکھنے سے کمزور چیزیں آنکھوں سے اوجھل ہو جاتی ہیں اسی طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ بڑی اور اعلیٰ عقلیں کمزور معقولات کے ادراک سے مانع ہیں۔ کیونکہ جو شخص رب کائنات کے جلال اور اس کے اسماء وصفات کی معرفت میں ڈوبا ہوا ہے اس حالت میں اس سے جو ہر فرد کی حقیقت وماہیت پردہ میں رہے گی۔

دلیل نمبر ۱۲ کا جواب

یہ شبہ اس پر مبنی ہے کہ ذات مدرک میں مدرک کے برابر صورت حاصل ہوتی ہے۔ جبکہ یہ اصول غلط ہے جیسا کہ اوپر گزر چکا۔ اس پر آئینہ میں صورت کے چھپنے سے استدلال کرنا بھی غلط ہے۔ کیونکہ تمام اہل دانش فلاسفہ اور متکلمین کا اس پر اجماع ہے کہ آئینہ میں کوئی چیز مطلق نہیں چھپتی مزید ہم کہہ سکتے ہیں کہ نفس میں بجائے ادراک سواد وبیاض کے ان کی رسمیں اور مثالیں چھپتی ہیں۔ حقائق نہیں تو پھر مادہ جسمانیہ میں ان اشیاء کی رسموں کا حاصل ہونا کیوں جائز نہیں ہے۔

دلیل نمبر ۱۳ کا جواب

تمہارے ہی اصول سے یہ اعتراض ختم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ شہوت وغضب اور تخیل تمہارے نزدیک احوال جسمانیہ سے ہیں۔ اور ان کا محل منقسم ہے تو لازمی ہے کہ ایک جز جسم سے تو شہوت وغضب کو قائم کرو اور دوسرے جزو سے ان کے اضداد کو۔ اس سے یہ لازم ہوتا ہے کہ انسان بیک وقت کسی چیز کو چاہے بھی اور نہ چاہے بھی۔ اسی طرح کسی پر غصہ بھی کرے اور غصہ نہ بھی کرے۔

دلیل نمبر ۱۴ کا جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ یہ قیاس قیاس مع الفارق ہے جس سے یقین تو کیا خیال بھی حاصل نہیں ہوتا۔ کیونکہ نقوش عقلیہ علوم وادراکات ہیں اور نقوش جسمانیہ اشکال وصور ہیں۔ بلاشبہ علوم اپنے حقائق میں صور واشکال کے مخالف ہیں اگر کوئی حکم کسی ماہیت کی ایک نوع پر لگتا ہو تو اس سے یہ ضروری نہیں ہوتا کہ وہی حکم اس نوع کی ضد پر بھی لگ جائے۔

دلیل نمبر ۱۵ کا جواب

جواب یہ ہے کہ نفس جسم کے ساتھ تین حالتوں سے خالی نہیں یا تو کپڑے کی طرح باہر سے جسم پر

چھایا ہوا ہو۔ یا جسم کے اندر کسی ایک عضو۔ مثال کے طور پر دماغ یا دل میں ہو یا جسم کے سارے اعضاء میں پھیلا ہوا ہو۔ ہر صورت میں تمہارے ارادے کے مطابق اس کا کسی عضو کو حرکت میں لاتا ہے اور بغیر زمانے کے ہے جیسے حواس خمسہ ظاہرہ کا ادراک ہوتا ہے اور اگر کسی عضو کو کاٹ دیا جائے تو اس عضو میں جس قدر جسم نفس تھا وہ نہیں کٹتا خواہ نفس اندر ہو یا باہر۔ بلکہ نفس اس کاٹے جانے والے عضو سے ہٹ جاتا ہے اور اس سے بغیر زمانے کے سمٹ کر جدا ہو جاتا ہے جیسے اگر کسی برتن میں پانی بھر دیا جائے تو اس سے ہوا نکل جاتی ہے۔ اگر نفس جسم کے کسی خاص جگہ میں رہتا ہو تو عضو مقطوع کے ساتھ اس کا کٹ جانا ضروری نہیں ہوتا کیونکہ اس وقت وہ وہاں سے الگ ہو جاتا ہے اور اگر باہر سے جسم پر چھایا ہوا ہو تو اس عضو کے حرکت دینے کے لیے اس نفس کے ارادے کے درمیان اور نفس تحریک کے درمیان زمانہ کا ہونا ضروری نہیں بلکہ اس صورت میں نفس کا فعل تحریک مقناطیس کے فعل کی طرح ہوگا۔ جیسے مقناطیس لوہے کو حرکت دیتا ہے جبکہ دونوں علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں اسی طرح نفس اس عضو کو حرکت دیتا ہے اس کے علاوہ بعینہ یہ بکواس تم پر بھی لوٹتی ہے۔ کیونکہ نفس تمہارے نزدیک نہ جسم سے ملا ہوا ہے اور نہ جدا ہے اور نہ اس میں داخل ہے اور نہ اس سے خارج ہے۔

دلیل نمبر ۱۶ کا جواب

یہ اعتراض دو متلازم اور استثنائیہ مقدموں سے مرکب ہے اور دونوں مقدموں پر یا کسی ایک پر منع وارد ہو سکتی ہے اس لیے ہم نہیں مانتے کہ اگر نفس جسم ہو تو یہ لازم آئے کہ کچھ نفس معلوم ہو اور کچھ مجہول۔ کیونکہ نفس بسیط ہے عناصر سے مرکب نہیں اور نہ مختلف اجزا سے مرکب ہے۔ پھر جب تمہیں اس کی ذات کا شعور ہو جائے گا۔ یہ منع تو مقدمہ متلازمہ پر ہوئی رہا مقدمہ استثنائیہ سو ہم کہتے ہیں کہ ہم یہ نہیں مانتے کہ کچھ نفس کا علم ہو اور بعض نفس کا نہ ہو۔ تم نے اس کے باطل ہونے پر دلیل تو اپنی اپنی جگہ لیکن دلیل کسی شبہ کا بھی ذکر نہیں کیا۔ یہ بات یقینی ہے کہ انسان کو کبھی اپنے نفس کا کچھ اعتبار سے شعور ہوتا ہے تمام اعتباروں سے نہیں۔ اس شعور میں بھی لوگوں میں فرق رہتا ہے۔ کچھ کا شعور دوسروں کے شعور سے کئی درجہ بڑھا ہوا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم ان کی طرح نہ بن جانا جو اللہ کو بھول گئے پھر اللہ نے انہیں ان کی جانوں کو بھلا دیا۔ یہ لوگ اپنے نفسوں کو تمام اعتباروں سے نہ بھولے تھے بلکہ اس اعتبار سے بھولے تھے جس سے نفس کے کمالات وسعادتیں اور مصلحتیں وابستہ تھیں لیکن جس اعتبار سے ان کی شہوتیں حظوظ نفسانیہ اور ارادے وابستہ تھے۔ اس خیال سے نہیں بھولے تھے۔ پھر اللہ نے ان سے ان

کے نفسوں کی مصلحتوں کو بھلا دیا کہ ان کے مطابق اعمال کرتے۔ اور ان کے عیوب نقائص دور کرتے اور کمال حاصل کرتے۔ لہٰذا وہ ان خیالوں سے اپنے نفسوں کے حقائق سے جاہل ہیں۔ اگر چہ دوسرے حوالوں سے ان کے عالم بھی ہیں۔

دلیل نمبر ۱۷ کا جواب

یہ اعتراض موٹی عقل کی نشانی ہے بلکہ جس نے یہ نقطہ اٹھایا ہے وہ عقل سے ہی خالی ہے۔ ہر جسم کا یہ خاصہ نہیں ہے کہ اس میں دوسرے جسم کے اضافہ سے ثقل پیدا ہو دیکھیے لکڑی ثقیل ہے اس پر آگ کا جسم بڑھا دیجیے۔ لکڑی بالکل ہلکی ہو جائے گی اسی طرح کوئی برتن بھاری ہے مگر جسم ہوا سے وہ ہلکا ہو جاتا ہے۔ یہ اصول ان بھاری اجسام میں تو کارفرما ہے جو بالطبع مرکز و وسط کو چاہتے ہیں۔ اور اس کی طرف بالطبع حرکت کرتے ہیں لیکن جو اجسام بالطبع بلندی کی طرف حرکت کرتے ہیں ان میں یہ اصول نہیں چلتا بلکہ وہ بھاری جسموں کے برعکس ہیں اور جسم ثقیل سے مل کر اسے بھی ہلکا کر دیتے ہیں۔

جب جام ہمارے پاس خالی آئے تو بھاری تھے

لیکن جب خالص شراب سے بھر کر آئے تو ہلکے ہو گئے تھے معلوم ہوتا تھا کہ شراب لے کر اڑ جائیں گے۔ اسی طرح جسم روحوں سے ہلکے ہو جاتے ہیں۔

دلیل نمبر ۱۸ کا جواب

یہ شبہ فاسد اور غلط دلیل ہے کیونکہ تمام کیفیات و صفات میں اشتراک اجسام واجب نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اجسام کی صفتوں' کیفیتوں اور طبیعتوں میں اختلاف رکھے ہیں۔ کچھ اجسام دیکھے جاتے ہیں۔ بعض ٹٹول کر معلوم کیے جاتے ہیں کچھ نہ دیکھے جاتے ہیں نہ ٹٹولے جاتے ہیں کچھ رنگین ہیں' کچھ رنگ کے بغیر ہیں' کچھ حرارت و برودت کو قبول نہیں کرتے اور کچھ قبول کر لیتے ہیں۔

اس کے علاوہ نفس کی مخصوص حالتیں ہیں جن میں جسم شامل نہیں ان میں ہلکا پن' بھاری پن' حرارت و برودت اور سختی و نرمی پائی جاتی ہے تم ایک شخص کو انتہائی بھاری دیکھو گے جبکہ اس کا جسم کافی کمزور ہے اور ایک شخص کو انتہائی ہلکا پاؤ گے جبکہ اس کا جسم بہت بھاری ہے۔ کسی کے دل میں نرمی اور رحم پاؤ گے اور کسی کا دل خشک پتھر پاؤ گے جو حس سلیم کا مالک ہوتا ہے وہ کچھ نفسوں کی سڑی ہوئی لاش جیسی بو سونگھ لیتا ہے۔ اور کچھ نفسوں کی خوشبو مشک سے بھی زیادہ پیاری ہوتی ہے۔ رحمۃ اللعالمین ﷺ جس راستے سے گزر

جاتے تھے وہ راہ خوشبودار تھی اور بعد میں آنے والا جان جاتا تھا کہ یہاں سے آپ گزرے ہیں۔ یہ آپ کی روح کی اور دل کی خوشبو تھی۔ آپ کے پسینہ کی خوشبو بھی بڑی پیاری تھی۔ جو آپ کے جسم و روح کی فرمانبردار تھی۔ آپ نے بتایا کہ جسم سے جدا ہو کر روح سے یا تو انتہائی پیاری خوشبو جس کے سامنے مشک بھی کچھ نہیں۔ پھوٹ پڑتی ہے یا سڑی ہوئی لاش سے بھی زیادہ بدبو آنے لگتی ہے۔ اگر زکام کا غلبہ نہ ہوتا تو حاضرین سونگھ لیا کرتے۔ بہت سے لوگ سونگھ بھی لیتے ہیں جس طرح کہ اکثر لوگوں نے بتایا ہے خود رحمۃ اللعالمین ﷺ کا خبر دینا اس کی سچائی کی ضمانت ہے۔ اس طرح آپ نے یہ بھی بتایا کہ مومنین کی روحیں چمک دار اور کفار کی سیاہ ہوتی ہیں اس لیے روحوں کی مختلف کیفیات کا انکار انتہائی جاہل شخص ہی کر سکتا ہے۔

دلیل نمبر ۱۹ کا جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم یہ ضروری نہیں مانتے کیونکہ تم نے اس پر دلیل تو اپنی اپنی جگہ لیکن کوئی شبہ بھی قائم نہیں کیا۔ اور اگر لزوم کو مان لیں تو نفی لزوم کو نہیں مانتے۔ کیونکہ روح حواس سے معلوم ہو جاتی ہے اسے ٹٹولا بھی جا سکتا ہے دیکھا بھی جاتا ہے اور اس کی بری اچھی خوشبو سونگھی بھی جاتی ہے جس طرح پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اس لیے ہمارے مشاہدے میں نہ آئے۔ اس کے علاوہ فرشتہ جسم ہے لیکن ہمارے حواس میں سے کسی حاسہ کے دائرے میں نہیں آتا۔ اسی طرح جن اور شیطان اپنی لطافت کی وجہ سے نہیں سماتے حواس کے دائرے میں آنے کے اعتبار سے اجسام میں بہت فرق ہے۔ کچھ اجسام اکثر حواس سے معلوم ہو جاتے ہیں۔ کچھ اکثر سے بھی معلوم نہیں ہوتے۔ کچھ ایک ہی حاسہ سے معلوم ہو جاتے ہیں اور کچھ اکثر احوال میں ادراک کے دائرے ہی میں نہیں آتے۔

کبھی کبھی ان کا پتا چل بھی جاتا ہے یا تو اس لیے کہ ان کا پتہ چلنا ہمارے لیے پیدا ہی نہیں کیا گیا یا کسی رکاوٹ کی وجہ سے ادراک نہیں ہو سکتا یا وہ ہمارے ادراک حواس سے لطیف تر ہیں۔ مثال کے طور پر جو جسم رنگ دار نہیں اسے آنکھ نہیں دیکھ سکتی مثلاً ہوا اور اپنے عنصر میں آگ اور جن میں بو نہیں جیسے آگ، پتھر، شیشہ وغیرہ ان کا قوت شامہ سے پتہ نہیں چلتا اور جو ٹٹولنے سے معلوم نہیں ہوتے۔ وہ قوت لامسہ کے بس کی بات نہیں جیسے رکی ہوئی ہوا نیز اصل مدرک تو روح ہے۔ جو ان حواس کے مدارک کو آلات کے واسطوں سے معلوم کرتی ہے اس لیے روح حاسہ مدرکہ ہے یہ حاسہ اگرچہ محسوس نہیں ہوتا اور اجسام و اعراض محسوس ہوتے ہیں اور روح انہیں محسوس کرتی ہے روح ایک دوسرے کے بعد آنے والے

اعراض جیسے فضائل ورذائل کا محل قابل ہے جیسے اجسام ایک کے بعد دوسرے آنے والے اعراض قبول کر لیتے ہیں۔ محض روح اپنے اختیار سے متحرک ہے اور بدن کو جبراً وقہراً حرکت دیتی ہے وہی جسم میں اثر پیدا کرتی ہے اور اس سے متاثر ہوتی ہے۔ اسی کو درد ہوتا ہے اسی کو لذت حاصل ہوتی ہے۔ اسی پر سرور والم طاری ہوتے ہیں یہی خوش و ناخوش ہوتی ہے' یہی خوش حال و بدحال ہوتی ہے۔ یہی محبت ونفرت کرتی ہے یہی یاد کرتی ہے اور بھولتی ہے' یہی چڑھتی اترتی ہے اور یہی پہچانتی اور نہیں پہچانتی ہے۔ اس کے آثار اس کے وجود سب سے بڑے ثبوت ہیں۔ جس طرح کائنات بنانے والے کے آثار اس کے وجود وکمال پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ آثار کی دلالت اپنے موثر پر بدیہی ہے۔

روحوں کے اثرات کا انکار نہیں کیا جا سکتا

اہل حس سلیم اور طبع مستقیم روحوں کے اثرات کا انکار نہیں کر سکتے۔ خصوصاً جب روحیں جسم کی جندگیوں اور مصروفیات سے ایک طرح کی آزادی حاصل کر لیں۔ پھر حسب تجرد ان کی قوتوں میں اضافہ ہو جاتا ہے خصوصاً جب خواہشات کی مخالفت بھی پائی جاتی ہو اور انہیں اعلیٰ اخلاق مثال کے طور پر پاک دامنی' بہادری اور سخاوت وغیرہ پر ابھار دیا گیا ہو اور غلط عادتوں سے محفوظ رکھا گیا ہو اس وقت روحوں کی تاثیر اس عالم میں بڑی زبردست ہوتی ہے جس سے جسم اور اعراض جسم عاجز ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر روح بڑی سے بڑی چٹان کو بھی ایک نگاہ سے توڑ دیتی ہے۔ جانور کو دیکھ کر ہلاک کر دیتی ہے کسی نعمت پر نظر ڈال کر اسے تباہ کر ڈالتی ہے۔ یہ چیزیں تمام لوگ جانتے ہیں۔

نظر لگنے کی حقیقت

لوگ نظر لگنا اسی کو کہتے ہیں اور اثر کو آنکھوں کی طرف منسوب کر دیتے ہیں جبکہ یہ آنکھ کا اثر نہیں ہے بلکہ روحانی اثر ہے اور اس روح کا اثر ہے جو زہریلی اور ردی کیفیت سے متصف ہے یہ اثر کبھی تو بذریعہ آنکھ کے ہوتا ہے اور کبھی براہ راست ہوتا ہے کہ کسی کے سامنے کسی نعمت کی تعریف کی جائے اور اس کی کیفیت سے اس کا نفس متکیف ہو کر اسے ختم کر دے۔ تم جسموں میں روح کی تاثیر نہیں دیکھتے کہ روح صرف جسم کے سامنے آ کر اس میں ارتعاش یا سرخی یا زردی پیدا کر دیتی ہے اس سے کہیں زیادہ بڑھ کر روح آثار ہیں جو جسم کی تاثیر اور اس کے اعتراض سے خارج ہیں۔ کیونکہ جسم انہیں اجسام میں مخصوص اثر کرتا ہے جو اس کے سامنے ہوں اور اس سے ملے ہوئے ہوں۔ ہمیشہ سے لوگ عالم میں اثر انداز

روحوں کی تاثیر کو تسلیم کرتے چلے آئے ہیں اور ان سے مدد مانگتے ہیں جس طرح مشرکین کا کام ہے اور ان کے اثرات سے ڈرتے رہتے ہیں۔

نظر کا اثر زائل کرنے کا ایک طبعی علاج

رحمۃ اللعالمین ﷺ نے حکم دیا کہ نظر لگانے والا اپنی بغلیں اور اپنے گندگی کے مقامات پانی سے دھو کر اس پانی کو اس پر ڈالے جسے نظر لگی ہے اس سے اس کی روح کی تاثیر ختم ہو جائے گی۔ یہ امر طبعی کے سبب سے ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ کی حکمت نے چاہا ہے کیونکہ نفس امارہ کو ان گندے مقامات سے ایک قسم کا ساتھ رہتا ہے اور وہ ان سے مانوس ہوتا ہے اور خارجی خبیث روحیں اس کی مدد کرتی ہیں اور اکثر گندے مقامات سے مانوس رہتی ہیں کیونکہ ان مقامات و ارواح خبیثہ میں مناسبت ہے۔ پھر جب یہ مقامات پانی سے دھو دیے جاتے ہیں تو ان میں جو آگ ہے وہ بجھ جاتی ہے جیسے گرم فولاد کی سخت گرمی پانی سے ختم ہو جاتی ہے جب یہ پانی نظر والے پر ڈالا جاتا ہے تو وہ آگ جیسی سمیت جو نظر لگانے والے کی طرف سے پہنچی ہے پانی سے بجھ جاتی ہے۔

حکماء کہتے ہیں کہ جس پانی میں فولاد بجھا دیا جائے اس پانی سے کئی بیماریاں اور درد ٹھیک ہو جاتے ہیں (یعنی اس سے متعدد بیماریوں اور تکالیف سے نجات ملتی ہے) خواب میں روحوں کو ایک قسم کا تجرد حاصل ہوتا ہے اس حالت میں بھی ارواح کی تاثیر کا لوگوں کو تجربہ ہے اور کئی عجائبات مشاہدے میں آئے ہیں۔ جن کے بیان کرنے کی یہاں گنجائش نہیں۔ کچھ خواب ہم اوپر بتا آئے ہیں۔ اس لیے عالم ارواح عالم اجسام کے آثار سے حیرت انگیز ہیں۔ بلکہ اس عالم میں بھی جس قدر انسانی آثار ہیں وہ سب جسموں کے ذریعوں سے روحوں کے آثار ہیں۔ اور اثرات کی گاڑی کے دو پہیے روح و جسم ہیں۔ دونوں اکٹھے ہو کر تاثیر پیدا کرتے ہیں۔ پھر روح سے ایسے آثار بھی سرزد ہوتے ہیں جن میں جسم کا کوئی حصہ نہیں لیکن جسم سے کوئی ایسا اثر سرزد نہیں ہوتا جس میں روح کا حصہ نہ ہو۔

دلیل نمبر ۲۰ کا جواب

ہم مانتے ہیں کہ طول و عرض و عمق مادہ ہی کے ساتھ وابستہ ہیں۔ روح بھی مادہ ہی سے پیدا کی گئی ہے اور اس کی بھی ایک مستقل شکل و صورت ہے۔ تمہارا یہ کہنا کہ اگر اس کا مادہ نفس ہوگا تو دو نفسوں کا اجتماع لازمی ہو جائے گا۔ اور اگر نفس نہ ہوگا تو روح جسم و صورت سے مرکب ہوگی صحیح نہیں ہے ہم کہتے

ہیں کہ روح کا مادہ روح نہیں ہے جیسے انسان کا مادہ انسان اور جن کا مادہ جن اور حیوان کا مادہ حیوان نہیں ہے تمہارا یہ کہنا کہ اس حالت میں روح جسم وصورت سے مرکب ہوگی ایک غلط تشریح ہے کیونکہ اس حالت میں یہ لازم آتا ہے کہ روح مادہ سے مخلوق ہو اور اس کی معین شکل وصورت ہو۔ تم نے اس کی مخالفت میں حجت قطعی یا ظنی تو کیا کوئی شبہ بھی نہیں پیش کیا۔

دلیل نمبر ۲۱ کا جواب

اس سے تمہاری مراد یہ ہے کہ اگر ہر جسم خارج میں تقسیم کے قابل ہے تو صحیح نہیں کیونکہ سورج، چاند اور ستارے خارجی تقسیم قبول کو نہیں کرتے۔ جو ہر فرد کے قائل نہیں ان کے نزدیک تو ظاہر ہے اور جو متفق ہیں ان کے نزدیک جو ہر متحیز دنا قابل تقسیم ہے۔ اچھا اگر ہم تقسیم مان بھی لیں تو کیا خرابی ہے؟ تم کہتے ہو کہ اگر روح کا ہر جز ورروح ہو تو ایک انسان میں بھی بہت سے نفوس کا اجتماع ہو جائے گا۔ ہم کہتے ہیں یہ تو اس وقت ضرورتی ہوتا جب روح کی بالفعل تقسیم ہو جاتی۔ اور یہ ناممکن ہے تم کہتے ہو کہ اگر ہر جز و کو روح نہ مانا جائے تو مجموعہ بھی روح نہ ہوگا۔ ہم کہتے ہیں یہ تشریح ہی غلط ہے۔ اور بہت سی جگہ ٹوٹ جاتی ہے۔ بہت سی ایسی صورتیں (حالتیں) ہیں کہ ان پر اجتماع اجزاء کے وقت ہی حکم ثابت ہوتا ہے جیسے گھر، انسان، دس وغیرہ

دلیل نمبر ۲۲ کا جواب

حفاظت وبقا (زندگی) کے لیے جسم کے روح کی طرف محتاج ہونے سے روح کا روح کی طرف محتاج ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ یہ صرف دعویٰ ہی دعویٰ ہے اور ایسے قیاس پر مبنی ہے جو سراسر غلط ہے۔ کیونکہ ہر جسم حفظ و بقا میں روح کا محتاج نہیں جیسے معادن کے اجسام اور ہوا پانی، آگ مٹی اور تمام جمادات کے اجسام وغیرہ۔ تم کہو گے یہ زندہ اور ناطق نہیں۔ ہم کہیں گے تب تو دلیل کی یہ صورت ہوئی کہ ہر زندہ ناطق کا جسم حفظ و بقا میں روح کا محتاج ہوتا ہے مگر یہ مقدمہ بھی غلط ہے کیونکہ جن اور ملائکہ زندہ اور ناطق ہیں اور اپنی بقا کے لیے دوسری روحوں کے محتاج نہیں۔ تم کہو گے ہمارا موضوع بحث جن اور ملائکہ نہیں کیونکہ وہ اجسام متحیز ہ نہیں۔ ہم کہیں گے تم گفتگو ان کے ساتھ کر رہے ہو۔ جن کا اللہ اور اس کی کتابوں پر اس کے رسولوں پر اور اس کے فرشتوں پر ایمان ہے۔ لیکن جن کا ان پر ایمان نہیں اس کے ساتھ روح کے بارے میں گفتگو ہی بے کار ہے۔ کیونکہ وہ خالق ارواح پر اس کے فرشتوں پر اور اس کی

شریعت پر جسے اس کے رسول لے کر آئے ہیں۔ایمان نہیں رکھتے اور جن پر مشاہدہ بعد دلیل ایمان کے گواہ ہے۔اس کو چھوڑے ہوئے ہے۔کیونکہ جنوں اور فرشتوں کے اس عالم میں جو آثار ان کے رب کے حکم سے مشاہدے میں آ چکے ہیں ان کا انکار ممکن نہیں اور نہ اس کا انکار ممکن ہے کہ وہ موجود ہیں اور نہ اس کا کہ انسان کی قوت ان پر قادر نہیں۔

دلیل نمبر ۲۳ کا جواب

دو کثیف جسموں کا ایک مکان میں آپس میں ملنا ناممکن ہے۔لیکن لطیف کا کثیف میں داخل ہونا اور سرایت کر جانا ناممکن نہیں۔اس کے علاوہ تداخل اجسام کا مسئلہ ہی غلط ہے۔پانی لکڑی میں اور بادل میں شامل ہے۔آگ فولاد میں داخل ہو جاتی ہے اور غذا جسم کے تمام حصوں میں داخل ہو جاتی ہے۔اسی طرح آسیب زدہ میں جن داخل ہو جاتا ہے اس لیے روح اپنی لطافت کی وجہ سے جسم کے ایک ایک حصے میں سرایت کیے ہوئے ہے اور اس کے لیے جسم ایسے ہیں جیسے پرندے کے لیے ہوا۔مزید روح کا مکان جسم ہے۔اور جسم کا مکان وہ ہے جس میں جسم سمایا ہوا ہے۔اس قسم کا تداخل ناممکن نہیں ہے پھر جب روح جسم سے علیحدہ ہو جاتی ہے تو اس کا دوسرا مکان ہو جاتا ہے غرضیکہ روح کا جسم میں داخل ہونا مٹی میں پانی کے سرایت کرنے سے اور جسم میں روغن کے سرایت کرنے سے بھی زیادہ لطیف ہے۔اس لیے یہ فاسد شبہ نقلی اور دلائل عقلی سے ٹکرانے کے قابل ہی نہیں۔ اللھم وفقنا للحق والحق ان یتبع

بیسواں حصہ

کیا روح و نفس ایک ہی ہیں یا مختلف ہیں؟

کیا روح و نفس ایک ہی ہیں یا مختلف ہیں؟ اس مسئلہ میں بھی لوگوں کا آپس میں اختلاف ہے اکثریت کے نزدیک ایک ہی ہیں مگر کچھ نے دو مخالف حقیقتیں بھی تسلیم ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کی مدد سے اس پر تفصیل سے بحث کریں کرتے ہیں۔

نفس کے مختلف مطالب

نفس کے بہت سے مطلب ہیں:

(۱) روح جوہری: نفس روح ہے۔ کہتے ہیں خرجت نفسه یعنی اس کی روح نکل گئی۔

(۲) خون کہتے ہیں: سالت نفسه یعنی اس کا خون نکل گیا۔

روایت میں ہے مالا نفس ز سائلة لا ینجس الماء اذا مات فیه یعنی جس کے بہنے والا خون نہ ہو اگر پانی میں وہ مرجائے تو پانی گندہ نہیں ہوگا۔ (۳) جسم۔

نبئت ان بنی تمیم ادخلوا ابناء هم تامور نفس المنذر

"مجھے بتلایا گیا کہ بنو تمیم نے اپنے بیٹوں کو منذر کے جسم کے خون میں شامل کر دیا۔"

(۴) نظر کہتے ہیں اصابت النفس فلانا. یعنی فلاں کو نظر لگ گئی (لیکن میرے خیال میں اس جملہ میں نفس کا مطلب روح ہے چونکہ نظر کی راہ سے روح اپنا اثر ڈالتی ہے اس لیے کہتے ہیں نظر لگ گئی۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ روح بد کا اثر ہو گیا)۔ (۵) ذات۔ شخص۔ قرآن نے ذات کے لیے بھی لفظ نفس کا استعمال کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: فسلموا علی انفسکم. یوم تاتی کل نفس تجادل

عن نفسها. کل نفس بما کسبت رهینة "یعنی اپنی ذاتوں پر سلام کرو۔ جس دن ہر ذات اپنی ذات کی طرف سے جھگڑتی ہوئی آئے گی۔ ہر شخص اپنی کمائی کے ساتھ گروی ہے۔

اور روح کے لیے بھی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یا ایتها النفس المطمئنة' اخرجوا انفسکم' ونهی النفس عن الهوی. ان النفس لامارة بالسوء "یعنی اے اطمینان والی روح! اپنی روحیں نکالو۔ اور اس نے روح کو خواہش سے روک لیا۔ واقعی روح برائی کی طرف کھینچنے والی ہے۔

روح کا اطلاق نہ تنہا بدن پر ہوتا ہے نہ روح و جسم دونوں پر۔

روح کے بہت سے معانی ہیں

قرآن حکیم میں روح کے بھی کئی معنی ہیں:

(۱) حکم (و کذالک اوحینا الیک روحا من امرنا)

یعنی اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنا حکم بھیجا۔

(۲) وحی یلقی الروح من امره. ینزل الملائکة بالروح من امره.

"یعنی اللہ اپنے جس بندے پر چاہتا ہے وحی اتار دیتا ہے۔ اللہ فرشتوں کو وحی دے کر اتارتا ہے۔"

وحی کو روح کہنے کی وجہ

وحی کو روح اس لیے کہتے ہیں کہ اس سے مفید زندگی حاصل ہوتی ہے کیونکہ زندگی وحی کے بغیر صاحب زندگی کے لیے فائدہ مند نہیں بلکہ اس سے اچھی جانور کی زندگی ہے۔ کیونکہ وہ انجام کے لحاظ سے سلامتی والی ہے۔

روح کو روح کہنے کی وجہ

روح کو روح اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس سے جسم کی زندگی ہے۔ ہوا کو بھی ہوا اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس سے بھی زندگی حاصل ہوتی ہے چونکہ یہ اوجوف وادی ہے اسی لیے اس کی جمع ارواح آتی ہے۔

اذا ذهبت الارواح من نحو ارضکم

مطلب یہ ہے کہ جب تمہاری زمین کی طرف سے ہوائیں چلتی ہیں تو ان میں سے ایک اپنے کلیجے میں ٹھنڈک محسوس کرتا ہوں اسی سے روح' ریحان اور آرام ہے۔

نفس کو روح کہنے کی وجہ

نفس کو روح اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس سے زندگی حاصل ہوتی ہے۔ یہ لفظ یا تو نفیس سے بنا ہے اور اپنی نفاست و شرافت کی وجہ سے نفس کہلایا۔ یا تنفس (سانس لینا' نکلنا) سے بنا ہے اور جسم میں زیادہ آنے جانے کی وجہ سے نفس کہلایا اسی سے نفس (سانس' مہلت) ہے۔ سونے کی حالت میں انسان سے روح نکل جاتی ہے۔ اور بیداری کی حالت میں واپس آ جاتی ہے اور موت کے وقت بالکل ہی نکل جاتی ہے اور قبر میں سوال کے وقت لوٹ آتی ہے پھر سوال کے بعد نکل جاتی ہے۔ پھر موت کے بعد زندگی کے وقت واپس آئے گی۔

نفس اور روح میں فرق

ذاتی نہیں بلکہ صفاتی ہے۔

خون کو نفس کہنے کی وجہ

خون کو نفس اس لیے کہتے ہیں کہ زیادہ خون نکلنے سے جس سے موت آ جائے نفس کا نکلنا ضروری ہوتا ہے اور نفس کی طرح زندگی خون پر بھی موقوف ہے۔

نسیل علی حد الظباۃ نفوسنا

مطلب یہ ہے کہ تلواروں کی دھار پر ہمارے خون بہتے ہیں۔ کہتے ہیں۔ فاضت نفسہ' خرجت نفسہ' فارقت نفسہ. اس کا خون بہہ گیا' روح نکل گئی' روح جدا ہو گئی' مثال کے طور پر یہ کہا جاتا ہے۔

اس کی روح نکل گئی اور جدا ہو گئی۔ لیکن فیض میں بہنا پایا جاتا ہے اور افاضۃ کثرت سے بہنے کو کہتے ہیں۔ افاضۃ میں اختیار کا مطلب ہے اور فیض میں بے قراری کا۔ اللہ تعالیٰ اپنے اختیار سے موت کے وقت روح کو بہنے (نکلنے) کا حکم دیتا ہے پھر وہ نکل پڑتی ہے۔

محدث' فقہاء اور صوفیہ کے ایک گروہ کا قول ہے کہ روح و نفس دونوں میں ذاتی فرق ہے۔

روح و نفس کے بارے میں مقاتل بن سلیمان کا قول

مقاتل بن سلیمان سے روایت ہے کہ انسان کے لیے زندگی روح اور نفس ہے سونے کی حالت

میں اس کا نفس جو صاحب عقل اور کچھ صاحب دانش ہے نکل جاتا ہے لیکن جسم سے جدا نہیں ہوتا۔ جیسے لمبی رسی کی طرح شعاعیں ہوں۔ پھر سونے والا اپنے نکلے ہوئے نفس ہی کی وجہ سے خواب دیکھتا ہے۔ اور حیات و روح اس کے جسم میں باقی رہتی ہے جس کی مدد سے وہ کروٹ و سانس لیتا ہے اور جب بیدار ہو جاتا ہے تو فوراً تیزی سے نفس لوٹ آتا ہے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ اسے خواب ہی میں مارنا چاہتا ہے تو اس کے نکلے ہوئے نفس کو روک لیتا ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے حالت خواب میں نفس نکل کر اوپر چڑھتا ہے اور خواب دیکھتے وقت واپس آ کر روح کو بتا دیتا ہے پھر روح انسان کو اطلاع دیتی ہے اور صبح اٹھ کر اسے تمام خواب یاد ہوتا ہے۔

روح و نفس کے بارے میں ابن مندہ کا قول:

ابن مندہ سے روایت ہے کہ لوگوں میں روح و نفس کی تعریف میں اختلاف ہے۔ کچھ کہتے ہیں نفس مٹی اور آگ سے مرکب ہے۔ اور روح نور و روحانیت سے کچھ کے نزدیک روح لاہوتی ہے اور نفس ناسوتی اور نفس سے انسان کی آزمائش ہے۔ محدث کہتے ہیں کہ روح و نفس میں ذاتی فرق ہے۔ نفس کی سلامتی روح پر ہے اور نفس صورت ہے اور خواہش و شہوت اور آزمائش اس میں معجون مرکب ہے۔ انسان کا نفس سے زیادہ دشمن کوئی نہیں۔ نفس دنیا ہی طلب کرتا ہے اور دنیا ہی سے اسے محبت ہے اور روح آخرت کی دعوت دیتی ہے اور آخرت کو ترجیح دیتی ہے خواہش کو نفس کے تابع بنا دیا گیا اور شیطان کو نفس و ہوا کے تابع بنا دیا گیا۔ فرشتہ عقل و روح کے ساتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں کی الہام و توفیق سے مدد فرماتا ہے۔

روح کے متعلق کچھ لوگوں کے اقوال

کچھ کے نزدیک روح اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے جس کا علم انسان پر پوشیدہ رکھا گیا ہے۔ کچھ کے نزدیک روح اللہ تعالیٰ کے نور اور زندگی میں سے روشنی اور زندگی ہے۔ پھر اس میں اختلاف ہے کہ کیا ارواح اجسام و نفسوں کی موت سے مرجاتی ہیں یا نہیں۔ کچھ کے نزدیک روحوں کو موت نہیں اور نہ ان میں بوسیدگی آتی ہے ایک جماعت کے نزدیک روح انسان کی طرح ہاتھ پاؤں آنکھ ناک کان اور زبان رکھتی ہے۔ کچھ کے نزدیک مومن کی تین روحیں ہیں اور کافر و منافق کی ایک ہے کچھ کے نزدیک انبیائے کرام اور صدیقوں کی پانچ روحیں ہیں۔ بعض کے نزدیک ارواح روحانیہ ہیں اور ملکوت سے پیدا

ہوئیں اور جب صاف وشفاف ہو جاتی ہیں تو عالم ملکوت کی طرف واپس جاتی ہیں۔

ہمارا محاکمہ

میں کہتا ہوں جو روح قبض کی جاتی ہے وہ ایک ہی ہے اور اسی کو نفس کہتے ہیں اور جس روح سے اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کی مدد فرماتا ہے وہ روح اور ہے۔ انسانی روح نہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ایدھم بروح منہ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی روح سے ان کی مدد فرمائی۔ اسی طرح کی وہ روح ہے جس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح کو قوت بخشی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے اذا یدتک بروح القدس جب ہم نے آپ کی پاک روح سے تائید کی۔ اسی طرح وہ روح (وحی) دوسری ہے جسے اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اتار دیتا ہے جسم کے قوی کو بھی ارواح کہہ دیتے ہیں جیسے روح باصرہ روح شامہ، روح سامعہ وغیرہ دراصل یہ روحیں اجسام میں ودیعت کی ہوئی قوتیں ہیں۔ جو جسم کی موت سے مر جاتی ہیں۔ ان سب سے ایک خاص معنی پر بھی روح کا اطلاق ہوتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی پہچان و محبت توبہ وقبولیت اور اس کی رغبت وطلب پر اس روح کی نسبت روح کی طرف ایسی ہے جیسے روح کی نسبت جسم کی طرف۔ جب اصل روح اس سے محروم ہوتی ہے تو وہ اس کے لیے بمنزلہ اس جسم کے ہوتی ہے جس کی روح ختم ہو۔ یہ وہ روح ہے جس سے اہل معرفت وطاعت کی مدد کی جاتی ہے۔ اسی وجہ سے لوگ کہتے ہیں کہ فلاں میں روح ہے اور فلاں میں روح نہیں۔ بے وقوف ہے۔ خالی ڈنکا ہے وغیرہ۔

اس لیے علم کی بھی روح ہے اور بھروسہ اور سچائی کی بھی روح ہے۔ اور ان روحوں کے اعتبار سے لوگوں میں مرتبوں کے لحاظ سے بڑے بڑے فرق ہیں۔ کچھ پر یہ روحیں غالب ہوتی ہیں اور انہیں روحانی بنا دیتی ہیں اور کچھ ان سب سے یا اکثر سے محروم ہوتے ہیں اور سفلی بھی بن جاتے ہیں۔ واللہ المستعان

☆☆☆

اکیسواں حصہ

نفس کیا ایک ہے یا تین؟

بہت سے لوگوں کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے تین نفس ہیں: (۱) **نفس مطمئنہ** (۲) **نفس امارہ** (۳) **نفس لوامہ**۔ پھر کسی پر کوئی نفس غالب ہوتا ہے۔ اور کسی پر کوئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے مطمئن نفس! مجھے نفس لوامہ کی قسم۔ واقعی نفس امارہ ہے اور برائی کی طرف کھینچتا ہے۔ لیکن حقیقت میں نفس تو ایک ہی ہے لیکن اس کے صفاتی طور پر تین نام ہیں۔ مطمئنہ اس لیے کہا گیا کہ وہ اپنے رب کی عبادت و محبت، توبہ و قبولیت اور بھروسہ و خوشنودی سے پر سکون و مطمئن ہوتا ہے۔ کیونکہ اللہ کی رضا و محبت اور خوف و امید کی نشانی غیر کی محبت و رضا اور خوف و رجا سے نظر پھیر لینا ہے کہ انسان رب کی محبت میں ڈوب کر ماسوا کی محبت سے بے پرواہ ہو جائے۔ اس کی یاد میں کھو کر دوسروں کو یاد نہ کرے۔ اور اس کے ملاقات کے شوق میں گم ہو کر غیروں کی ملاقات کا شوق ختم کر دے در حقیقت سکون اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کے دل میں اترتا ہے جو اسے اللہ کی معرفت پر مضبوط کر دیا ہے اور بھاگے ہوئے دل کو اللہ کی طرف لوٹا دیتا ہے۔ گویا اب وہ اپنے رب کے سامنے بیٹھا ہے۔ اسی کے ذریعہ سنتا اور دیکھتا ہے۔ اسی کے ذریعہ چھوڑتا اور پکڑتا ہے۔ اور اسی کے ذریعہ حرکت کرتا ہے۔ یہ اطمینان اس کے قلب و نفس میں اس کے جوڑوں اور رگوں میں اور اس کی ظاہری و پوشیدہ قوتوں میں شامل ہو جاتا ہے جو اس کی روح کو اللہ کی طرف کھینچ لیتا ہے اور اس کے جوڑ جوڑ کو اس کی خدمات و تقرب کی سعادت پر آمادہ کر دیتا ہے۔

حقیقی سکون کا منبع

حقیقی سکون اللہ تعالیٰ سے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر (قرآن) ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے

فرمایا: "ایمان والوں کے دل اللہ کے ذکر سے مطمئن ہوتے ہیں خبردار اللہ ہی کے ذکر سے دلوں کو چین نصیب ہوتا ہے۔" اطمینان قلب دلی چین وسکون ہے کہ اس سے پریشانی، قلق ورنج دور ہو جائے۔ یہ سوائے اللہ تعالیٰ کی یاد اللہ تعالیٰ کے ذکر کے بغیر کسی اور چیز سے حاصل نہیں ہوتا۔ اللہ کو چھوڑ کر کسی اور سے دل کا مطمئن ہونا اور اس پر بھروسہ کرنا دھوکا اور عجز ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ اٹل فیصلہ ہے کہ جو اس کے سوا کسی اور سے سکون پکڑے گا اسے اور زیادہ بے چینی اور بے کلی حاصل ہوگی۔ چاہے وہ کوئی ہو۔ بلکہ اگر کوئی اپنے علم، حال اور عمل پر مطمئن ہو۔ تو اللہ اس سے وہ نعمت ضائع فرما دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے دکھ اور مصیبتوں کے تیروں کے نشانے بنا رکھے ہیں تا کہ اس کے دوستوں کو معلوم ہو جائے کہ غیر سے تعلقات بڑھانے والا پھلتا پھولتا نہیں۔ اور اس کی امیدیں کبھی پوری نہیں ہوتیں۔ حقیقی سکون یہ ہے کہ اللہ نے اپنے نام اور صفات کے بارے میں اپنے کلام پاک میں جو کچھ بتایا یا اس کے رسولوں نے جو کچھ بتایا بندہ اس کے آگے سر کو جھکا دے اور بغیر کچھ کہے سنے مان لے اور اس سے اس کے دل میں خوشی وٹھنڈک پیدا ہو جائے۔ کیونکہ اس سے اس کے رسولوں کی زبانی رب کی معرفت حاصل ہوتی ہے دلوں میں برابر ایک ہیجان وقلق رہتا ہے جب تک انسان رب کی صفات واسماء پر اس کی توحید پر استوائے عرش پر اور اس کے کلام پر ایمان کے ساتھ دلی خوشی وٹھنڈک محسوس نہ کرے۔ یہ پیاسے دل کے لیے بمنزلہ صاف اور ٹھنڈے پانی کے ہے۔ گویا بندے نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔ جس طرح انبیائے کرام نے اسے خبر دی تھی اور اب وہ روز روشن کی طرح صاف اور واضح ہے۔ اگر تمام دنیا ایک طرف ہو اور اللہ کے نبی کی خبر ایک طرف تو اللہ کی قسم اس سچے خبر دینے والے کی خبر بالکل صحیح ہو گی۔ اگر دنیا کے تجربات ومشاہدے اسے غلط بتاتے ہوں۔ دنیا کی مخالفت اللہ والے کے دلی سکون میں ذرا سا خلل، تھوڑی سی بھی رکاوٹ نہ ڈال سکے گی۔ یہ اطمینان کا پہلا درجہ ہے۔ پھر یہ اطمینان بڑھتا ہی رہے گا۔ جیسے جیسے اللہ کی صفات کی آیتیں کانوں میں پڑتی رہیں گی آگے سکون کے بے شمار درجے ہیں۔ یہ سکون ایمان کی جڑوں کی جڑ ہے۔ جس پر ایمان کی عمارت کھڑی کی گئی ہے پھر انسان عالم برزخ کی خبروں اور موت کے بعد زندگی کے حالات سے مطمئن ہو جاتا ہے جیسے وہ ان سب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔

یقین کی سچائی

یہی یقین کی سچائی ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو متصف فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

بالآخرۃ ھم یوقنون ۔ وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں' لہٰذا آخرت پر ایمان نہیں ہو سکتا جب تک دل ان تمام باتوں سے مطمئن نہ ہو۔ جن کی رسولوں نے خبر دی ہے اور دلی اطمینان سے درجہ یقین تک نہ پہنچے۔ حقیقت میں ایسے ہی شخص کا آخرت پر سچا ایمان ہوتا ہے۔

حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ

ایک مرتبہ حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں مومن ہوں۔ پوچھا ہر سچی بات کی ایک حقیقت ہوتی ہے' تمہارے ایمان کی کیا سچائی ہے؟ فرمایا: میں نے اپنا دل دنیا سے اور دنیا والوں سے ہٹا لیا ہے۔ گویا میں اپنے رب کے عرش کو بلند دیکھ رہا ہوں۔ اور جنت والوں کو ملتا جلتا ہوا اور دوزخیوں پر عذاب ہوتا دیکھ رہا ہوں۔ فرمایا: "اللہ نے اس بندے کا دل روشن کر دیا ہے۔"

اطمینان کی قسمیں

اسمائے حسنیٰ اور صفات کمالیہ پر اطمینان قلبی کی دو صورتیں ہیں ان پر پکا ایمان و اعتقاد ہو اور ان کے تقاضوں پر جو آثار عبودیت ہیں اطمینان قلب ہو مثال کے طور پر تقدیر کا یقین و اعتقاد ہو اور تقدیر کے تقاضوں پر جن کے ہٹانے کا بندوں کو حکم نہیں اور نہ ہٹانا ان کے بس کی بات ہے۔ انسان راضی ہو جائے ان کے آگے سر تسلیم خم کر دے ان پر غصے کا اظہار نہ کرے نہ لب شکایت وا کرے۔ اور نہ عقیدے میں حرکت آنے دے' ہاتھ سے نکل جانے والی نعمت پر افسوس نہ کرے اور موجودہ نعمت پر تکبر نہ کرے کیونکہ مصیبت آنے سے پہلے بلکہ پیدا ہونے سے پہلے مقدر میں تھی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ما اصاب من مصیبۃ الخ جو مصیبت دنیا میں آتی ہے اور خاص کر تمہاری جانوں پر وہ جانیں پیدا کرنے سے پہلے ایک کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت آسان بات ہے تاکہ تم فوت شدہ نعمت پر رنج نہ کرو اور موجودہ نعمت پر تکبر نہ کرو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ما اصاب من مصیبۃ الا باذن اللہ الخ یعنی جو مصیبت پیش آتی ہے اللہ ہی کے حکم سے آتی ہے اور جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے گا اللہ تعالیٰ اس کے دل کو ہدایت فرمائے گا۔ ان آیتوں کی تفسیر میں اکثر سلف کا قول ہے کہ ان کے یہ معنی ہیں کہ انسان پر کوئی مصیبت آ جائے اور وہ یہ یقین کرے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اس پر راضی ہو جائے اور اپنا سر جھکا دے یہ اطمینان صفات کے احکام و آثار اور ان کے تقاضوں پر ہے۔ اور یہ عقائد و ایمان پر ایک زائد چیز ہے۔ اسی پر تمام صفات کا اور ان کے آثار و متعلقات کا قیاس کر لو جس طرح سمع و

بعض رضا' غضب اور محبت وغیرہ یہ تو ایمانی اطمینان ہے۔ اور ایک احسانی اطمینان ہے یعنی خلوص و بے لوثی سے تعمیل ارشاد باری سے دل کو سکون حاصل ہو کہ اپنے ارادے کو یا خواہش کو یا تقلید کو اللہ کے حکم پر مقدم نہ کرے اور ایسے شبہ کے پاس بھی نہ جائے جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ٹکرائے اور ایسی خواہش پوری نہ کرے جو اس کے حکم کے مخالف ہو بلکہ اگر اس قسم کی کوئی بات پیدا بھی ہو تو اسے وسوسے کی جگہ اتار دے۔ اور خیال کرے کہ اس سے تو یہ بہتر ہے کہ میں آسمان سے زمین پر گر جاؤں۔ یہ خیال جیسا کہ رحمۃ اللعالمین ﷺ نے فرمایا: صریح ایمان ہے اس اطمینان کی نشانی یہ ہے کہ گناہ کی۔ بے چینی اور بے قراری سے ہٹ کر توبہ کے سکون و مٹھاس اور مسرت کی طرف آ جائے۔ اس سلسلے میں یہ سوچ کر آسانی ہو گی کہ یہ لذت و حلاوت اور فرحت و سرور کا سہرا توبہ کے سر ہے۔ اس کی پہچان اسی کو ہوتی ہے جو دونوں باتوں کا ذائقہ چکھ چکا ہو اور اس کے دل پر دونوں کے آثار ظاہر ہو چکے ہوں۔ اسلئے توبہ سے وہ سکون حاصل ہوتا ہے جو گناہ کی بے چینی کے مقابلہ پر ہے۔ اگر گنہگار اپنے دل جھانک کر دیکھے تو اس میں خوف' بے قراری' الجھن اور پریشانی وغیرہ پائے گا بے شک غفلت و شہوت کے نشے نے ان پر پردہ ڈال رکھا ہے یاد رکھو ہر شہوت کا ایک نشہ ہوتا ہے جو شراب کے نشے سے زیادہ ہوتا ہے اسی طرح غصے کا نشہ شراب کے نشے سے بڑھا ہوا ہے اسی لیے عاشق اور غصے میں بھرا ہوا انسان ایسے ایسے کام کر گزرتا ہے جو شرابی نشئی نہیں کرتا۔ اسی طرح غفلت واعراض کی بے چینی سے ہٹ کر توجہ الی اللہ کے چین کی طرف ذکر اللہ کی مٹھاس کی طرف اور محبت و معرفت کے روحانی تعلقات کی طرف آ جائے۔ جبکہ بغیر اس کے روح کو کبھی سکون حاصل نہیں ہوتا بلکہ ان سے محرومیت کی صورت میں روح انتہائی بے چین و پریشان ہوتی ہے۔ مگر اب تو غفلت کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔ جب یہ پردے اٹھیں گے تو روح کی بے چینی ظاہر ہو جائے گی۔

ایک لطیف نکتہ

ایک لطیف اشارہ کرنا اس مقام پر ضروری ہے تاکہ قارئین محظوظ ہوں وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے ہر عضو کو ایک کمال دیا ہے اگر وہ کمال اسے حاصل نہ ہو تو اسے بے چینی اور بے قراری رہتی ہے مثال کے طور پر آنکھ کا کمال دیکھنے میں ہے اور کان کا کمال سننے میں اور زبان کا کمال بولنے میں۔ پھر جب ان اعضا کے وہ طاقتیں ختم ہو جائیں جن سے کمالات وابستہ تھے تو ان کے چلے جانے سے کمی اور بے چینی پیدا ہو جائے گی۔ دل کا کمال اور دل کا سرور و عیش اور اس کی لذت و شگفتگی اللہ تعالیٰ کی

معرفت پر اس کی محبت و قبولیت پر اور اس کی طرف شوق و توجہ پر ہے۔ جب دل اس دولت سے محروم ہو جاتا ہے تو سخت عذاب و بے چینی میں گرفتار ہو جاتا ہے جیسے آنکھ اپنے نور کو کھو کر اور زبان اپنی گویائی اور ذوق کھو کر سخت بے چین ہو جاتی ہے اس صورت میں کسی طرح سے بھی چین و قرار نہیں آتا۔ گو تمام دنیا اس کے قبضے میں ہو۔ اور وہ تمام دنیوی علوم کا ماہر کیوں نہ ہو۔ اسلیئے جب تک اللہ تعالیٰ مقصود اعظم اور محبوب و معبود نہ ہو۔ اس وقت تک سکون نہیں آتا سکون کے لیے اللہ تعالیٰ کی عبادت و استعانت بمنزلہ سر کے ہے۔ مفسرین کے اقوال کا حاصل۔ یہی حقیقت ہے جو ہم نے بیان کی۔

ابن عباسؓ: اطمینان والی روح تصدیق کرنے والی روح ہے۔

قتادہؒ: وہ مومن جس کا دل اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر مطمئن ہے۔

حسنؒ: وہ روح جو اللہ تعالیٰ کی باتوں کی تصدیق کرتی ہے۔

مجاہدؒ: وہ روح جس نے اللہ تعالیٰ کے رب ہونے کا یقین کرلیا اور اللہ کے حکم کے آگے جھک گئی۔

منصورؒ: اس کے تعمیل احکام و اطاعت سے اس میں ٹھنڈک پیدا ہو گئی۔

ابن ابی نجیحؒ: اللہ تعالیٰ کے آگے جھکی ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی ملاقات پر یقین والی۔

پتہ چلا کہ نفس مطمئنہ کے سلسلے میں سلف کا کلام انہی دو اصولوں کی طرف لوٹتا ہے کہ علم و ایمان سے اطمینان ہو اور ارادہ و عمل سے بھی۔

جب پھر شک سے یقین کی طرف' جہالت سے علم کی طرف' غفلت سے ذکر کی طرف گناہوں سے توبہ کی طرف' ریا سے خلوص کی طرف' جھوٹ سے سچ کی طرف' سستی سے چستی کی طرف' غرور سے عاجزی کی طرف' اکڑ سے عاجزی کی طرف اور بے عملی سے عمل کی طرف آ کر اطمینان حاصل ہو جاتا ہے تو روح کو چین مل جاتا ہے۔ ان تمام باتوں کی اصل بیداری ہے اور یہ نیکیوں کی بنیادی کنجی ہے۔ کیونکہ جسے آنے والی زندگی کی فکر نہیں اور اللہ کی ملاقات سے بے خبری ہے وہ بمنزلہ سونے والے کے ہے۔ بلکہ اس سے بھی بدتر ہے۔ کیونکہ سمجھ دار آدمی اللہ کے وعدوں اور ڈراووں سے اور رب کے حکموں اور ممانعتوں کے تقاضوں سے اچھی طرح واقف ہے۔ لیکن حقیقتوں کے پانے سے اور انہیں عملی جامہ پہنانے سے دل کی اونگھ مانع ہے اور ایک نہ ختم ہونے والی غفلت کی نیند میں مبتلا ہے اور خواہشات کی بھول بھلیوں میں پھنسا ہوا ہے۔ اور دن بدن غفلت و خواہش بڑھتی جاتی ہے اور اپنی بری عادتیں اور گمراہوں کی بری صحبتیں اس پر غالب آتی رہتی ہیں اور وقت ضائع کرنے والوں میں شامل ہی رہتا ہے

تاکہ دوسرے سونے والوں کی طرح اور دوسرے شرابیوں کی طرح خود بھی سویا ہوا اور نشے میں پاتا ہے۔ پھر جب کسی خدائی ڈانٹ سے یہ غفلت کی اونگھ دل سے دور ہوتی ہے تو اس واعظ کی جو ہر مومن کے دل میں موجود ہوتا ہے۔ ڈانٹ سے چونک کر اس کی دعوت پر لبیک کہتا ہے اور اس واعظ کی پیدا کردہ طاقت سے فکر کی فکر تھوڑا اٹھا کر اللہ اکبر کا نعرہ بلند کر کے غفلت پر مارتا ہے جس سے ایسی طاقت پیدا ہوتی ہے جس سے اس کی آنکھوں کے سامنے جنت کے محل آ جاتے ہیں

الا یا نفس ویحک ساعدینی	یسعی منک فی ظلم اللیالی
اے قلب مطمئن ہمیں بڑھنے دے ساتھ ساتھ	کرتا ہے طے سفر ہمیں شبہائے تار میں
لعلک فی القیامۃ ان تفوزی'	بطیب العیش فی تلک العلالی
ہو گا حصول مقصد عالی ہمیں ضرور	پہنچیں گے ہم کبھی تہ کبھی اس بار میں

اسی لیے اس غور و فکر نے ایسا نور پیدا کیا کہ اسے اس کی روشنی میں وہ تمام چیزیں نظر آ گئیں جن کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے اور وہ بھی جن سے اسے موت کے بعد سے لے کر دار القرار تک واسطہ پڑنے والا ہے۔ اور اس نے آنکھوں سے دیکھ لیا کہ آنکھ جھپکنے میں دنیا ختم ہو جاتی ہے کسی کے ساتھ وفا نہیں کرتی۔ چنانچہ وہ اس روشنی میں چونک کر قدم کے پیروں پر کھڑا ہو جاتا ہے اپنے چاہنے والوں کو مار ڈالتی ہے۔ اور ان کے اعضا کاٹ کر انہیں مثلہ بنا کر پھینک دیتی ہے اور حسرت سے کہنے لگتا ہے یا حسرتی علی ما فرطت الخ ہائے افسوس میری اس کوتاہی پر جو میں نے اللہ تعالیٰ کے جناب میں کی پھر باقی بیش قیمت زندگی میں اپنے نقصان کی تلافی پر چل جاتا ہے کہ آخرت کے جذبے کو جسے ہار چکا تھا زندہ کر سکے۔ اپنی غلطیوں پر آٹھ آٹھ آنسو رو کر ان کی تلافی کر سکے۔ اور زندگی کے باقی وقتوں کو غنیمت سمجھ کر جو کچھ دوڑ دھوپ کی جا سکے کر لے۔ ورنہ خدانخواستہ اگر یہ وقت بھی ہاتھ سے نکل گیا تو صرف کف افسوس ملنے کے سوا رو کیا جائے گا؟ پھر اس بیداری کی روشنی میں اسے اپنے رب کی نعمتوں کی اپنے اوپر ریل پیل دکھائی دیتی ہے کہ نطفے سے لے کر اب تک دن رات رب کی نعمتوں میں پرورش پا تا رہا ہے اگر ان نعمتوں کو گننا چاہے تو گن بھی نہیں سکتا۔ ایک چھوٹی سی نعمت سانس کی ہے جو چوبیس ہزار بار روزانہ آتی جاتی ہے اور نعمتوں کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ پھر وہ اسی روشنی میں دیکھتا ہے وہ نہ اللہ کی نعمتوں کا شمار کر سکتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ اپنی تمام نعمتوں کے حقوق کا مطالبہ کرے تو وہ ایک نعمت کا بھی حق ادا نہیں کر سکے گا۔ اب اسے یقین ہو جاتا ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے اور عفو و درگزر کے نجات کی کوئی صورت ہی

نہیں۔ پھر اسی بیداری کی روشنی میں دیکھتا ہے کہ اگر وہ تمام جنوں اور انسانوں کے اعمال پر بھی قادر ہوتو وہ بھی اللہ کی عظمت وجلال کے مقابلہ میں کچھ نہیں۔ یہ بھی جبکہ عمل خود اس کی طرف سے ہوں۔ جبکہ عمل بھی صرف اللہ کی توفیق اعانت کے مرہون منت ہیں کہ اس نے ان کے اسباب پیدا فرما کر انہیں آسان بنایا اگر اس کی توفیق کارفرما نہ ہوتی تو ایک عمل بھی سرزد نہ ہوتا۔ اس روشنی میں اسے یہ بھی نظر آتا ہے کہ اعمال بھی میری طرف سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسے عملوں کو قبول نہیں فرماتا جن میں بندوں کا یہ خیال ہو کہ یہ ہماری طرف سے ہیں کیونکہ ان کے نفسوں کی طرف سے تو برائی اور برائی کے اسباب ہی ظاہر ہوتے ہیں۔ نیکیاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں کہ اللہ نے وہ بغیر کسی قیمت کے اپنی مہربانی سے بخش دی ہیں اب اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ میرا پالنے والا وکارساز اور سچا معبود ہر قسم کی بھلائی کا حق دار ہے۔ اور میرا نفس ہر برائی کی جڑ ہے۔ یہی سوچ تمام اعمال کی جڑ ہے اور یہی سوچ والے لوگوں کو اصحاب الیمین کے مقام تک بلند کرتی ہے۔

پھر اس بیداری کی روشنی میں اس کے لیے ایک اور بجلی چمکتی ہے جس کی روشنی میں اسے اپنی برائیاں اپنے عملوں کی خرابیاں اپنے جرائم اور اپنے گناہ کہ کس کس طرح میں نے اللہ کی حرمتوں کے پردے پھاڑے اور کیسی کیسی حق تلفیاں کیں نظر آتے ہیں پھر جب ان گناہوں کا مقابلہ اللہ کی نعمتوں سے کرتا ہے تو دیکھتا ہے کہ سب سے بڑا انعام دینے والا کے حق نے اس کی ایک نیکی بھی نہیں چھوڑی جس سے اپنا سر فخر سے بلند کر سکے اس طرح اس کے دل کو راحت وچین نصیب ہو جاتا ہے۔ اس کے اندر عاجزی پیدا ہو جاتی ہے اس کے اعضاء جھک جاتے ہیں اور اللہ کی طرف سر جھکا کر اس حال میں بڑھتا ہے کہ ایک طرف تو اس کی نعمتوں کو دیکھتا ہے اور دوسری طرف اپنے جرموں اور عیبوں کو دیکھتا ہے اور کہتا ہے کہ اے رب تیری نعمتوں کا مشاہدہ کر کے اور اپنے گناہ دیکھ کر میں توبہ کرتا ہوں مجھے معاف کر دے۔ گناہ تو ہی معاف فرماتا ہے میرے پاس کوئی نیکی نہیں۔ اور میں حق دار خیر وسعادت نہیں۔ ہاں تیری رحمت کا امیدوار اور معافی کا طلب گار ہوں۔ اس خیال سے اسے دو بڑے فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں اور اضافہ ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری پر ڈٹ جاتا ہے پھر ایک اور کرن چمکتی ہے جس کی روشنی میں اسے اپنے وقت کی قدر وقیمت کا پتہ چلتا ہے کہ یہی اس کی سعادت کا سرمایہ ہے اس لیے رب کی اطاعت کے کاموں کے سوا اپنے وقت کا ایک سیکنڈ بھی ضائع نہیں کرتا۔ کیونکہ اس کے ضائع کرنے میں دکھ اور شرمندگی اور نقصان ہی نقصان ہے اور اسے اطاعت سے آباد رکھنے میں بھلائی اور

خوش نصیبی اور فائدہ ہی فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ اسلئے اپنی عمر عزیز کا ایک سیکنڈ بھی ایسے کاموں پر ضائع نہیں کرتا جو آخرت میں کام نہ آئے۔

مرا در منزل جاناں چہ امن و عیش چوں ہر دم
جرس فریاد می دارد کہ بر بندید محملہا

نفس کا حساب

پھر وہ اسی روشنی میں بیداری کے محرکات دیکھتا ہے یعنی توبہ کرتا ہے۔ نفس سے ہر دن حساب لیتا ہے کہ آج کی تجارت میں کیا کھویا اور کیا پایا؟ اور ہر وقت ہوشیار رہتا ہے اس کی غیرت اللہ تعالیٰ کی نافرمانی برداشت نہیں کر سکتی۔ اسے شرم آتی ہے کہ غیر اللہ کو اللہ پر فوقیت دے اور اللہ کی رضا اور قرب و کرامت سے جو حصہ اسے ملا ہے اسے دنیا کی جھوٹی دولت کی خاطر بیچ دے اور اپنی گردن کا مالک کسی معشوق کو یا خیال کو بنائے۔ یہ تمام بیداری کے آثار و اسباب ہیں اور یہی نفس مطمئنہ کی ابتدائی منزلیں ہیں۔ جہاں سے اس کا اللہ تعالیٰ کی طرف اور منزل آخرت کی طرف سفر شروع ہوتا ہے۔

نفس لوامہ

اللہ تعالیٰ نے نفس لوامہ کی قسم کھائی ہے فلا اقسم بالنفس اللوامۃ اس کی تعریف میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک نفس لوامہ ایک حالت پر قائم نہیں رہتا۔ یہ لفظ تلوم سے لیا گیا ہے جس کا مطلب تردد (تلون مزاجی) کا ہے۔ نفس لوامہ بھی اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی نشانی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ہے۔ ہر وقت نئے نئے رنگ بدلتا رہتا ہے کبھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے کبھی غافل ہو جاتا ہے، کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف بڑھتا ہے اور کبھی پیچھے ہٹ جاتا ہے، کبھی لطیف بن جاتا ہے کبھی کثیف، کبھی اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے کبھی متجبر بن جاتا ہے۔ کبھی نیکیوں کو پسند کرتا ہے اور کبھی ناپسند، کبھی ان سے خوش ہوتا ہے اور کبھی ناخوش، کبھی ناراض ہوتا ہے اور کبھی راضی، کبھی اچھے عمل کرتا ہے اور کبھی برے۔ جبکہ لمحہ لمحہ ہزاروں رنگ بدلتا رہتا ہے۔ کچھ کے نزدیک لوم (ملامت) سے لیا گیا ہے۔ اس میں پھر اختلاف ہے کہ نفس لوامہ کس کا نفس ہے؟ بعض کے نزدیک مومن کا نفس ہے اور لعن طعن اس کی صفات مجردہ میں سے ہے۔

حسن بصریؒ سے روایت ہے کہ مومن ہمیشہ اپنے نفس پر لعن طعن کرتا رہتا ہے کہ فلاں کام سے کیا مقصد تھا اور فلاں کام کیوں کیا۔ اس سے تو اچھا فلاں کام تھا کیوں نہ اسے کیا وغیرہ۔

کچھ کے نزدیک نفس لوامہ مومن کا نفس ہے جو مومن کو گناہ میں مبتلا کر دیتا ہے پھر اس پر ملامت کرتا ہے یہ لعن طعن ایمان ہی کی دلیل ہے کیونکہ بد بخت کا نفس گناہوں پر ملامت نہیں کرتا۔ بلکہ گناہ نہ کرنے پر آپس میں ایک دوسرے کو ملامت کرتے ہیں۔

کچھ کے نزدیک نفس لوامہ دونوں (کافر و مومن) کا نفس ہے۔ مومن گناہ کرتا اور طاعت نہ کرنے پر لعن طعن کرتا ہے اور کافر خواہشات اور مزہ کو چھوڑنے پر ملامت کرتا ہے۔

کچھ کے نزدیک یہ ملامت قیامت کے دن پیش آئے گی۔ ہر آدمی اپنے اپنے نفس پر ملامت کرے گا برا ہے تو برائی پر اور نیک ہے تو کوتاہی اعمال پر۔

یہ تمام اقوال درست ہیں اور ان میں کوئی ٹکراؤ نہیں کیونکہ نفس ان سب باتوں سے موصوف ہے اور اسی لحاظ سے اسے لوامہ کہتے ہیں۔

نفس لوامہ کی اقسام

نفس لوامہ کی دو اقسام ہیں:

(۱) لوامہ ملومہ۔۔یعنی جاہل و ظالم نفس جسے اللہ اور اس کے فرشتے غیرت دلائیں گے۔

(۲) لوامہ غیر ملومہ: یہ وہ نفس ہے جو برابر اپنے جسم کو اعمال کی کوتاہی پر غیرت دلاتا رہتا ہے۔ جبکہ اپنی ہمت کے مطابق نیکیوں میں وہ کوشش کرتا رہتا ہے۔

سب سے افضل نفس وہ ہے جو اللہ کی اطاعت کی کوتاہی پر خود کو جھنجھلاتا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے کاموں میں برا کہنے والوں کی برائیاں برداشت کرتا رہتا ہے۔ اور کسی کی پرواہ نہیں کرتا۔ بے شک یہ اللہ تعالیٰ کی ملامت سے نجات پا جائے گا۔ لیکن جس کا نفس اپنے اعمال سے راضی ہو اور کوتاہی پر پوچھ گچھ نہ کرے اور دوسروں کی نکتہ چینی سے گھبرائے وہ اللہ کی ملامت سے نجات نہ پائے گا۔

نفس امارہ

نفس امارہ برا نفس ہے۔ کیونکہ یہ ہر برائی پر ابھارتا رہتا ہے یہ اس کی طبیعت کا تقاضا ہے لیکن جسے اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرما کر ثابت قدم رکھے اور مدد کرے کیونکہ کوئی اپنے نفس کی برائی سے سوائے اللہ تعالیٰ کی مدد سے بچ نہیں سکتا اللہ تعالیٰ نے عزیز کی عورت کی طرف سے نقل کر کے فرمایا: وما ابرئ نفسی ان النفس الامارۃ الخ میں اپنے نفس کو بری نہیں سمجھتی واقعی نفس برائی کی طرف بہت ہی

ابھارتا ہے۔لیکن میرا رب جس پر رحم فرمائے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **ولو لا فضل اللہ علیکم الخ** اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی مہربانی نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی کبھی بھی پاک نہ ہوتا۔اللہ تعالیٰ نے اپنے سب سے زیادہ پیارے اور معزز بندے کے لیے فرمایا: **ولولا ان ثبتناک الخ** اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو آپ ان کی طرف کچھ نہ کچھ جھک ہی جاتے۔

رحمۃ اللعالمین ﷺ کے خطبہ کے ابتدائی الفاظ یہ ہوتے تھے۔الحمدللہ! ہم اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے ہیں اسی سے مدد مانگتے ہیں' اسی سے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں اور ہم اپنے نفسوں کی برائیوں سے اور برے اعمال سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں' جسے وہ ہدیت دے۔اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے وہ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔

نفس کے اندر شر مخفی ہے جو برے عمل کرا دیتا ہے اگر اللہ بندے کو اس کے نفس پر چھوڑ دے تو بندہ اس کی بُرائی سے اور برے اعمال سے ہلاک ہو جائے اور اگر اسے توفیق دے اور اس کی مدد کرے تو نجات پا جائے۔آئیں ہم بھی اپنے معبود سے دعا کریں کہ اے رب ہمیں ہمارے نفسوں کی شرارتوں اور برے اعمال سے بچالے۔آمین

اللہ تعالیٰ ان دونوں نفسوں (امارہ' لوامہ) سے لوگوں کو آزماتا ہے مثال کے طور پر نفس مطمئنہ سے عزت بڑھاتا ہے۔نفس ایک ہی ہے' پہلے امارہ پھر لوامہ ہے اور پھر مطمئنہ اور یہ اطمینان اس کا انتہائی کمال اور سنوار ہے۔اللہ نفس مطمئنہ کی لشکروں سے مدد فرماتا ہے اس نے اس کا ساتھی ایک فرشتے کو بنا دیا ہے جو لگاتار اس کے ساتھ رہتا ہے۔اسے سیدھا رکھتا ہے اس میں سچ ڈالتا رہتا ہے اور سچائی کی طرف مائل کرتا رہتا ہے اور اس کی حسین وجمیل صورت دکھاتا رہتا ہے اور غلطی پر ڈانتا رہتا ہے اس سے نفرت دلاتا رہتا ہے اور اس کی ڈراؤنی اور بری صورت دکھاتا رہتا ہے۔اور قرآن مجید کی تلاوت' اذکار اور نیک اعمال پر مدد کرتا رہتا ہے۔اور ہر طرف سے نیکیوں کے وفد اور توفیق کے سپاہی اس کے پاس آتے رہتے ہیں۔اور انہیں قبول کرنے اور اللہ کا شکر ادا کرنے سے اس کی مدد میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اب وہ نفس امارہ سے ہمت کے ساتھ جنگ کر سکتا ہے۔اس کے لشکروں اور ملک کا بادشاہ ایمان ویقین ہے اور تمام اسلامی لشکر اس کے جھنڈے تلے ہے اور اس کی طرف دیکھ رہا ہے اگر یہ ڈٹا رہا تو لشکر بھی ڈٹا رہے گا ورنہ بھاگ کھڑا ہوگا۔پھر اس لشکر کے کمانڈر (سپاہی) اور مقدمۃ الجیش ایمان کی شاخیں ہیں۔جس طرح نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ' جہاد' وعظ ونصیحت اور عوام کے ساتھ ہمدردی اور اچھا برتاؤ وغیرہ اور اس کی اندرونی

جڑیں جن کا واسطہ دل سے ہے۔ اخلاص' بھروسہ' قبولیت' استغفار' محاسبہ' صبر' بردباری' فروتنی' مسکینی' دل میں اللہ کی اور اس کے رسول ﷺ کی بے پناہ محبت' اللہ کے احکام وحقوق کی بڑائی اللہ تعالیٰ کے لیے اور اللہ کے دین میں غیرت' بہادری' پاک دامنی' سچائی اور شفقت ورحمت ہیں۔ اور ان سب کا سرا اخلاص اور سچائی ہے۔ مخلص وصادق اس سیدھی راہ پر چلنے سے تھکتا نہیں اور سوچ سوچ کر قدم اٹھاتا ہے۔ مگر شیطان جھوٹے اور ریاکار سے یہ سیدھی راہ چھڑا دیتے ہیں اور وہ حیران وپریشان رہ جاتا ہے چاہے عمل کرے یا نہ کرے بلکہ اس کے عمل بھی اللہ تعالیٰ سے دوری ہی کا سبب بنتے ہیں۔ بہر حال جو اللہ کی مدد سے اللہ کے لیے قدم اٹھاتا ہے۔ وہ نفس مطمئنہ کے لشکر میں سے ہے نفس امارہ کا ساتھی شیطان ہوتا ہے جو اس سے جھوٹے وعدے کرتا ہے' پوری نہ ہونے والی امیدیں دلاتا رہتا ہے اسے جھوٹ میں ڈالتا رہتا ہے' برائیوں پر ابھارتا رہتا ہے اور برائیوں کو خوبصورت شکلوں میں دکھاتا رہتا ہے' بڑی بڑی امیدیں دلاتا ہے اور جھوٹ ایسی شکلوں میں دکھلاتا ہے کہ اسے سوچے بغیر قبول کرے اور اس کی طرف متوجہ ہو جائے اور طرح طرح سے دھوکے دیتا رہتا ہے مثال کے طور پر جھوٹی امیدیں دل میں ڈال دیتا ہے تباہ کرنے والی خواہشات میں ڈال دیتا ہے جن میں خواہش وارادے مدد کرتے ہیں اسی سے اس پر ہر بری بات کی راہ کھل جاتی ہے' خواہش اور ارادے سے بہتر کوئی شیطان کا مددگار نہیں۔ پھر اس کے بھائی انسانی شیطانوں کو بھی پتہ ہے کہ ممنوعہ چیزوں میں اسے جھونکنے پر خواہشات سے بہتر کوئی مددگار نہیں آخر وہ اس کی محبوب وپسندیدہ چیز کو ڈھونڈ نکالتے ہیں اور پوری کوشش سے اسے اس کے طلب کرنے پر آمادہ کرتے ہیں اور اسے گمراہ کر دیتے ہیں پھر جب نفس خواہشات کا دروازہ کھول دیتا ہے تو وہ اس دروازے سے اندر داخل ہو کر خوب فساد اودھم مچاتے ہیں اور قتل وغارت گری کرتے ہیں۔ جیسے دشمن دشمن کے شہر فتح کر کے ان میں لوٹ مار مچاتے ہیں۔ اسی طرح یہ بھی ایمان کے' تلاوت قرآن کے' اور ذکر ونماز کے نشانات کو مٹاتے ہیں' مسجدیں بے آباد کر کے گرجوں اور آتش کدوں کو آباد کرتے ہیں اور شراب خانوں اور جواخانوں میں چلے جاتے ہیں۔ بادشاہ کو گرفتار کر کے اس کا ملک چھین لیتے ہیں اور اسے اللہ تعالیٰ کی عبادت سے ہٹا کر رنڈیوں میں اور بتوں کی پوجا پر لگا دیتے ہیں اور اطاعت کی عزت سے نکال کر گناہوں کی دلدل میں پھنسا دیتے ہیں اور رحمانی سماع سے دھکے دے کر شیطانی سماع کی طرف پہنچا دیتے ہیں اور رب العالمین سے ملنے کی توقع دور کر کے شیطانی بھائیوں سے ملنے کی غبت پیدا کر دیتے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جو پہلے اللہ کے حقوق کی نگرانی کیا کرتا تھا وہ سور چرانے لگتا ہے اور

جسے عزیز و رحمٰن کی خدمت کا اعزاز حاصل تھا آج وہی شیطان رجیم کی خدمت کے لیے مستعد ہو کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ جبکہ نفس مطمئنہ کا ساتھی فرشتہ ہے اور نفس امارہ کا ساتھی شیطان ہے۔

رحمۃ اللعالمین ﷺ نے فرمایا: انسان پر شیطان بھی اترتا ہے اور فرشتہ بھی (برے خیالات بھی آتے ہیں اور اچھے بھی) شیطانی خیالات تو برائی پر اور حق کو جھٹلانے پر ابھارتے ہیں۔ اور نیک خیالات بھلائی پر اور تصدیق حق پر ابھارتے ہیں۔ پھر جس کے دل میں نیک خیالات آئیں اسے اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ اور یقین کر لینا چاہیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور دوسری صورت میں شیطان رجیم سے اللہ کی پناہ طلب کرنی چاہیے۔ پھر آپ نے آیت الشیطان یعدکم الفقراء الخ شیطان ایک طرف تو تمہیں محتاجی سے ڈراتا ہے اور دوسری طرف تمہیں بے حیائیوں کی رغبت بھی دیتا ہے جس سے لازمی طور پر محتاجی آ جاتی ہے پڑھ کر سنائی۔

نفس مطمئنہ اور نفس امارہ کی چھینا جھپٹی

فرشتہ اور ایمانی لشکر تو نفس مطمئنہ سے توحید و احسان صبر و توکل توبہ و رجوع نیکی و تقویٰ اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت و توجہ موت اور موت کے بعد زندگی کی تیاریوں کو چاہتے ہیں۔ اور شیطان اور شیطانی لشکر نفس امارہ سے برخلاف کام چاہتے ہیں۔ ہر اس چیز پر شیطان مسلط کر دیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے نہ ہو جس سے اللہ کی خوشنودی اور تابعداری مطلوب نہ ہو اور جس کے حصے کر دیے گئے ہوں اور شیطان نفس امارہ کو ان پر نائب بنانا چاہتا ہے اور نفس مطمئنہ کے عمل چھین لینا چاہتا ہے تاکہ نفس امارہ مضبوط ہو جائے اس لیے نفس مطمئنہ سے عمل چھیننے کا بہت زیادہ خواہش مند رہتا ہے۔ نفس مطمئنہ پر یہ بات بہت مشکل ہے کہ شیطان و نفس امارہ سے عمل محفوظ رکھ سکے۔ اور عمل ویسے کا ویسے اللہ تعالیٰ تک پہنچ جائے۔ اگر ایک عمل بھی جوں کا توں اللہ تعالیٰ تک پہنچ جائے تو نجات کا ذریعہ بن سکتا ہے لیکن شیطان و نفس امارہ ایک عمل کو بھی خالص اللہ تک پہنچنے نہیں دیتے کسی عارف باللہ کا قول ہے کہ اگر مجھے پتہ لگ جائے کہ میرا ایک ہی عمل ویسے کا ویسے اللہ تعالیٰ تک پہنچ گیا ہے تو مجھے موت سے اس مسافر سے بھی زیادہ مسرت ہو جو طویل سفر کے بعد اپنے گھر واپس آتا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اگر مجھے پتہ چل جائے کہ اللہ تعالیٰ نے میرا ایک ہی سجدہ قبول کر لیا تو مجھے موت سے زیادہ کوئی غائب (عزیز) بھی پیارا نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

انما یتقبل اللہ من المتقین۔ ''اللہ پرہیزگاروں کے عمل قبول فرماتا ہے۔''

نفس مطمئنہ اور نفس امارہ میں مقابلہ

نفس امارہ نفس مطمئنہ کے سامنے خم ٹھونک کر کھڑا ہے اگر نفس مطمئنہ کوئی نیکی کرتا ہے تو نفس امارہ بھی اس کی نقل کرتا ہے اور اس کے مقابلہ پر برائی کرتا ہے۔ کہ اس کی نیکی خراب کر دے۔ اگر وہ ایمان و توحید لاتا ہے تو یہ شک و نفاق اور شرک و غیر اللہ کی محبت اور غیر اللہ سے خوف و امید لے آتا ہے اور جب تک یہ غیر اللہ کی محبت، خوف کو اللہ کی محبت و خوف وغیرہ پر مقدم نہیں کر دیتا آرام سے نہیں بیٹھتا۔ عوام کا یہی حال ہے جب کوئی خالص اتباع رسول کا عمل پیش کرتا ہے تو یہ لوگوں کے خیالات و اقوال کو وحی پر مقدم کیے بغیر نہیں رہتے۔ اور ایسے غلط تصورات ڈالتے ہیں جن سے کمال اتباع رسول میں رکاوٹ پیدا ہو۔ سنت کو تمام حالات میں حَکم نہ بنایا جائے اور لوگوں کے خیالات کی طرف کچھ نہ کچھ رجحان ہو جائے اسلئے ان دونوں کے درمیان جنگ کا سلسلہ جاری رہتا ہے فتح اسی کو حاصل ہوتی ہے جس کی اللہ تعالیٰ معاونت فرماتا ہے جب وہ اخلاص و توکل صدق و محاسبہ نفس اور توبہ و انابت لاتا ہے تو یہ ان کے الٹ عمل لاتا ہے اور انہیں کئی سانچوں میں ڈھال لیتا ہے۔ اور یقین دلانے کے لیے اللہ کی قسمیں کھا کر کہتا ہے کہ میرا مقصد صرف ہمدردی اور صلح کل ہے۔ حالانکہ بالکل جھوٹا ہوتا ہے کیونکہ اس کی غرض صرف اپنا الو سیدھا کرنا ہوتا ہے اور دائرہ اتباع سے اور سنت کو بنیاد بنانے سے ہٹا کر اپنی خواہشوں کو پورا کرنا مد ہوتا ہے۔ اللہ کی قسم! اتباع سنت کے دائرہ سے نکلنا خواہش و رائے کے قید خانے میں پھنس جانا اور تنگی و تاریکی و وحشت میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ اس لیے نفس امارہ دنیا میں بھی قید ہے برزخ میں بھی تنگ جگہ قید رہے گا اور قیامت والے دن تنگ ترین جگہ میں قید ہو گا۔

نفس امارہ دل و دماغ کو ماؤف بنا دیتا ہے

حیرت کی بات تو یہ ہے کہ نفس امارہ دل و دماغ کو ماؤف بنا دیتا ہے اور جو کام افضل و اشرف اور اعلیٰ ہیں انہیں غلط اشکال میں پیش کرتا ہے عوام عقلوں میں تو بچے ہوتے ہی ہیں اور جن چیزوں کے عادی ہوتے ہیں اور ان سے مانوس ہوتے ہیں (اور ابھی دودھ چھڑانے کی مدت تک بھی نہیں پہنچے ہوتے بلوغت کا تو ذکر ہی کیا ہے جس کے بعد انسان اچھے برے میں تمیز کر لیتا ہے اور بری باتوں سے بچ کر اچھی باتیں اختیار کر لیتا ہے) اور انہیں چھوڑنا پسند نہیں کرتے۔ دیکھیں یہی نفس امارہ خالص توحید کو جو مہر و ماہ سے بھی زیادہ روشن ہے ناقص اور مکروہ صورت میں دکھلاتا ہے کہ اس سے تو اکابر کے مراتب میں فرق

آتا ہے کہ انہیں ان کے مقام سے گرا کر صرف عبودیت کے مقام پر کھڑا کر دیا جاتا ہے اور ذلت و فقر اور احتیاج کے گھڑے میں پھینک دیا جاتا ہے کہ انہیں نہ کوئی اختیار ہے نہ ان کا ارادہ کسی چیز میں کارفرما ہے اور نہ وہ بغیر اللہ کی اجازت کے سفارش ہی کر سکتے ہیں۔ یہ جادوگر نفس ان باتوں کو اکابر کی انتہائی تنقیص بنا کر دکھاتا ہے کہ یہ ان کی حق تلفی ہے ان کو ان کے مرتبوں سے گرا دینا ہے انہیں مسکین و فقیر بنا دینا ہے اور ان کی شان میں بہت بڑی گستاخی ہے۔ غلط باتوں میں آ کر عوام خالص توحید سے باغی ہو کر چلا اٹھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اجعل الالھتہ الھا و احدا الخ واہ انہوں نے تو تمام معبود ختم کر کے صرف ایک ہی معبود برقرار رکھا تو یہ ایک عجیب بات ہے۔

اسی طرح خالص اتباع سنت رسول کو بھونڈے طریقے سے پیش کرتا ہے کہ واہ تم تو علماء کا درجہ کم کر رہے ہو ائمہ کے اعلیٰ اقوال ٹھکرا رہے ہو اماموں کی بہت قیمتی دعائیں ٹھکرا رہے ہو انہوں نے قرآن و حدیث کی روشنی ہی میں تو رائے قائم کی ہو گی وہ ہم سے زیادہ علم والے تھے ان کی بے ادبی کرتے ہوئے شرم نہیں آتی۔ یہ منہ اور مسور کی دال اکابر کے اقوال کے سامنے بڑھ کر باتیں بناتے ہو۔ علماء کی شان میں بدگمانیاں کرتے ہو بھلا ان سے کوئی صحیح بات بھی چھپ سکتی ہے ہم کس بنیاد پر ان کا انکار کر سکتے ہیں اور انہیں چھوڑ کر کس طرح درست راستہ پا سکتے ہیں اس طرح کی چکنی چپڑی باتوں سے عوام کو اتباع رسول ﷺ اور قرآن و سنت سے سخت نفرت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ اپنے پیشواؤں کی باتوں کو محکم اور واجب الاتباع سمجھ لیتے ہیں اور معصوم رسول ﷺ کی حدیثوں کو (متشابہ سمجھ کر) ان کے اقوال کے مطابق بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر ان کے مطابق بن جاتی ہیں تو قبول کر لیتے ہیں ورنہ رد کر دیتے ہیں۔ یا دور کی تاویل گھڑ لیتے ہیں یا یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہماری سمجھ سے باہر ہیں اور نفس امارہ قسم کھا کھا کر یقین دلاتا ہے کہ ہماری غرض صرف بھلائی اور صلح کل ہے۔ جبکہ اللہ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ ان کے دلوں میں کیا برائی ہے؟

اخلاص کا خودساختہ نقشہ

اسی طرح اخلاص کو نفرت رنگ میں پیش کیا جاتا ہے کہ اگر کوئی خالص اللہ کے لیے عمل کرے گا اور کسی کے لیے کوئی عمل بھی نہیں کرے گا تو لوگ اس سے کترائیں گے اور وہ لوگوں سے کترائے گا۔ اور باہمی کینہ و مخالفت ہو جائے گی زیادہ سے زیادہ تھوڑے سے عمل خالص اللہ کے لیے کر لے جن کا تعلق لوگوں سے نہ ہو اور باقی تمام عمل غیراللہ کے لیے کرے۔

نفس سحارة (امارہ) کی تلبیس

اسی طرح غیرت دینی کو اور اللہ کے دین وحکم سے نکلنے والوں سے جہاد کو اس رنگ میں دکھاتا ہے کہ تم اللہ کی مخلوق کے دشمن بن کر انہیں تنگ کرتے ہو اور ان سے لڑتے ہو سخت ترین مشقت میں پڑتے ہو تنقید کرنے والوں کے ہدف ملامت بنتے ہو اور بلاوجہ لوگوں کی دشمنی مول لیتے ہو۔

اسی طرح جہاد کے بارے میں سمجھاتا ہے کہ ہوش کے ناخن لو کیا غضب کر رہے ہو کیا یہ ظلم نہیں کہ مردوں کو قتل کر کے ان کی عورتوں کو گھروں میں قید کر لو اور ان کے بچوں کو یتیم کر کے غلام بنالو اور ان کا مال بانٹ کھاؤ۔

زکوۃ وصدقے کے سلسلے میں اسی طرح کہتا ہے کہ ذرا سوچو سمجھو اس طرح تو تم خالی ہاتھ رہ جاؤ گے اور فقیر وقلاش بن کر دوسروں کا منہ دیکھو گے اور ٹکڑے ٹکڑے کو ترس جاؤ گے۔

اللہ کی صفات کمالیہ کے بارے میں کہتا ہے کہ ان سے تو اللہ کی مخلوق سے مشابہت لازم آتی ہے اور اللہ کا ہم مثل ہونا ضروری ہے جبکہ یہ غلط ہے اور صفات کمالیہ سے اللہ کو معطل کرنے کو اور لادینی کو اس خوب صورتی سے پیش کرتا ہے کہ دیکھو اللہ کی عظمت وتنزیہ اس صورت میں ہے کہ اسے تمثیل وتشبیہ سے بری سمجھا جائے اور اس کے پنڈلی چہرہ اور ہاتھ وغیرہ نہ مانے جائیں۔

یہ کمال کی بات ہے کہ جن صفات واخلاص وافعال کو اللہ تعالی پسند کرتا ہے نفس اسی جیسی خوب صورتی کے ساتھ ان صفات واخلاص وافعال کو لاتا ہے جو اللہ کو ناپسند ہیں اور سب کو گنڈ مڈ کر دیتا ہے اس تلبیس ابلیس سے اہل دانش ہی بچ سکتے ہیں۔ کیونکہ افعال ارادوں کے تابع ہوتے ہیں اور ارکان کے ساتھ ظاہر ہوتے ہیں اور دونوں کام نفس انجام دیتا ہے۔ یہ بظاہر تو ایک جیسے معلوم ہوتے ہیں لیکن حقائق میں مختلف ہیں۔ مندرجہ ذیل افعال کے جوڑوں پر غور کرو۔

مدارات ومداہنت' خشوع ایمان ونفاق' خودداری وغرور' حاجت وظلم' تواضع وذلت' دینی قوت و حاکمانہ تسلط' غیرت دینی وغیرت نفسانی' اللہ کے لیے غیظ وغضب اور نفس کے لیے غیظ وغضب' سخاوت واسراف' رعب رعزت وبڑائی کی حفاظت اور غرور' بہادری وجرأت' دوراندیشی وبزدلی' درمیانہ روی وبخل' پرہیز وبدگمانی' نصیحت وغیبت' ہدیہ ورشوت' فراست وظن' صبر وسنگدلی' معافی وذلت' دل کی سلامتی اور غفلت ونادانی' اظہار نعمت وفخر' بدلحت' رجا اور تمنا' بھروسہ اور دھوکہ' دل کی خوشی اور اتراہٹ' دلی نرمی و بے صبری' ناراضگی وکینہ' مقابلہ وحسد' محبت ریاست وامامت' اللہ کے لیے محبت اور اللہ کے ساتھ محبت'

احتیاط و وسوسہ' توکل و عجز' عقلی اور شیطانی الہام' اقتصاد و تقصیر' اجتہاد و غلو' وقار و نالہ' نصیحت و ملامت' سبقت و جلدی اور وقت ضرورت حالات کی اطلاع اور شکایت وغیرہ سے مذکورہ بالا فہرست سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صفت جس کی صورت ایک ہی ہے اچھی بھی ہوتی ہے اور بری بھی جیسے:

غیرت' غرور' طمع' تحمل' خشوع' حسد' غبط' جراءت' افسوس کرنا' حرص' تنافس' فرح' حزن' اسف' غضب' اظہار نعمت' حلف' فروتنی' خاموشی' زہد و ورع' خلوت' عزلت' خودداری' حمیت اور غیبت

رحمۃ اللعالمین ﷺ نے فرمایا: ایک غیرت اللہ کو پسند ہے اور ایک ناپسند۔ جو غیرت پسند زنا کے سلسلے میں ہے اور ناپسند غیر زنا کے سلسلے میں ہے۔ ایک مغرور کی چال اللہ کو پسند ہے اور ایک ناپسند۔ لڑائی میں غرور کی چال اللہ کو پسند ہے۔ ایک حدیث میں ہے: بس دو اشیاء میں حسد (غبط) ہے کسی کو اللہ نے مال دیا ہو اور وہ اسے اللہ کی راہ میں دن رات لٹاتا رہتا ہو اور کسی کو اللہ نے دین کی سمجھ دی ہو۔ اور وہ اس سے دینی فیصلے کرتا رہتا ہو اور دوسروں کو سکھاتا بھی رہتا ہو۔ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ مہربان ہے اور نرمی کو پسند فرماتا ہے اور نرمی پر اتنا دیتا ہے جتنا سختی پر نہیں دیتا۔ فرمایا: جسے نرمی میں حصہ ملا ہے اسے بھلائی میں حصہ ملا ہے۔ پتہ چلا کہ نرمی ایک اچھی صفت ہے اس جیسی صفت سستی اور کاہلی ہے جو بری صفت ہے کیونکہ سست امکان مصلحت کے باوجود دیر کرتا ہے اور نرم مزاج حتی المقدور تحصیل مصلحت میں نرمی سے کام لیتا ہے۔ اسی طرح خدمت کرنا ایک اچھی صفت ہے اور مداہنت (چکنی چپڑی باتیں کرنا) بری دونوں میں فرق یہ ہے کہ مدارات کرنے والا اپنا حق نکلوانے کے لیے یا سیدھی راہ پر لانے کے لیے کسی سے پیار و محبت سے پیش آتا ہے اور چکنی چپڑی باتیں کرنے والا کسی کو باطل پر جمانے کے لیے یا اسے اس کی خواہش پر قائم رکھنے کے لیے اس کی خوشامد کرتا ہے۔ ایمان والے بخاطر مدارات کرتے ہیں اور منافق خوشامد کرتے ہیں۔ اس کی مثال اس طرح سمجھو کہ ایک آدمی کو پھوڑا نکلا ہے اور تکلیف سے چیخ رہا ہے اس کا علاج کرنے کے لیے ایک نرم مزاج طبیب آتا ہے اور اسے دیکھ بھال کر اسے نرم کرکے پکا کر اس کا فاسد مادہ نرمی و آسانی سے نکال دیتا ہے۔ پھر ایسا مرہم لگا دیتا ہے جو مادہ کو ختم کردے اور خرابی کو روک دے۔ پھر گوشت صحیح (زخم صحیح) کرنے والا مرہم لگاتا ہے پھر اس پر پوڈر ڈال دیتا ہے تاکہ رطوبت جذب ہو جائے اور پٹی باندھ دیتا ہے اور یہ عمل ٹھیک ہونے تک جاری رہتا ہے اس کے برعکس خوشامد کرنے والا کہتا ہے کوئی ڈر کی بات نہیں' فکر نہ کیجیے پٹی باندھ لیجیے پھر اس سے بے فکر ہو جاتا ہے بالآخر اس میں پیپ پڑ جاتی ہے اور روز بروز بڑھتی جاتی ہے اور بہت تکلیف بڑھا دیتی ہے

یہی مثال بعینہٖ نفس مطمئنہ اور نفس امارہ پر بھی آتی ہے اب دیکھئے جب چنے کے برابر زخم کا یہ حال ہے تو اس بیماری کا کیا حال ہوگا جو نفس امارہ کی پیدا کی ہوئی ہے جو خواہشات کی کان ہے ہر بری بات کی بنیاد ہے اور اس سے شیطان بھی بڑے مکر و فریب کے ساتھ ملا ہوا ہے کہ اس سے وعدے کرتا رہتا ہے امیدیں دلاتا رہتا ہے اور اس پر ہر قسم کا جادو کرتا رہتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ فائدہ والے کام کو نقصان دہ اور نقصان دہ کام کو نفع بخش اور اچھے کو برا اور برے کو اچھا سمجھنے لگتا ہے صحیح پوچھیں تو یہ جادو کی سب سے بڑی قسم ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فانی تسحرون۔ پھر تم پر کہاں سے جادو کیا جا رہا ہے؟ انہوں نے تو رسولوں پر الزام لگایا تھا کہ ان پر جادو کا اثر ہے جبکہ وہ بری تھے مگر اپنے گریبان میں جھانک کر نہیں دیکھا کہ ہم خود ہی اس آفت میں مبتلا ہیں۔ اور رسولوں پر یہ بھی الزام لگایا تھا کہ وہ گمراہ ہیں۔ امن میں خلل ڈالتے پھرتے ہیں انہیں جنون ہے اور سوئی عقل کے ہیں جبکہ خود ہی ان برائیوں میں مبتلا تھے۔

شیطان کے شر سے اللہ کی پناہ مانگنے کی وجہ

انبیائے کرام علیہم السلام اور علماء نے نفس امارہ سے اور اس کے ساتھی شیطان سے جو اللہ کی پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے اسی لیے دیا ہے کہ یہ دونوں ہر برائی کی جڑ ہیں اور دونوں اکٹھے مل جل کر کام کرتے ہیں ۔

مل جل کے کام کرنے میں رہتے ہیں ساتھ ساتھ
حق دوستی کا کرتے ہیں ہر وقت ہم ادا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فاذا قرات القرآن الخ' واما ینزغنک من الشیطان الخ' وقل رب اعوذبک من ھمزات الخ' قل اعوذ برب الفلق' الخ' قل اعوذ برب الناس الخ مطلب یہ کہ جب تم قرآن پاک پڑھنے کا ارادہ کرو تو شیطان رجیم سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو۔ اگر شیطان کی طرف سے تمہارے دل میں کوئی خدشہ پیدا ہو تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو۔ کیونکہ وہ خوب سننے والا اور جاننے والا ہے۔ آپ فرما دیں کہ اے رب میں شیطان کے وسوسوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اور اے رب! اس سے بھی کہ وہ میرے پاس آئیں۔ آپ فرما دیں کہ میں مخلوق کی برائی سے صبح کے رب کی پناہ مانگتا ہوں اور اندھیرے کی برائی سے بھی' جبکہ وہ پھیل جائے۔ اور گرہوں میں پھونکنے والیوں کی برائی سے بھی اور حسد کرنے والے کی برائی سے بھی جب وہ حسد کرے۔ آپ فرما دیں کہ میں

وسوسہ ڈالنے والے اور چھپ جانے والے انسانوں اور جنوں کی برائی سے جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتے رہتے ہیں۔ لوگوں کے رب کی ان کے بادشاہ کی اور ان کے معبود کی پناہ مانگتا ہوں یا استعاذہ نفس امارہ سے اور اس کے ساتھی سے ہے۔ کیونکہ یہ نفس کا بدترین ساتھی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ میری ہمہ گیر و کامل ربوبیت سے ان دونوں مخلوقوں سے جن کا شر و فساد بہت بڑا ہے پناہ مانگو۔ ان دونوں دشمنوں کے درمیان دل ہے۔ ان دونوں کی شرارتیں لگاتار اس کا دروازہ کھٹکھٹاتی رہتی ہے اور مسلسل باری باری آتی جاتی رہتی ہے۔ اس بڑی برائی کے جراثیم شہوت، حب دنیا، حرص، طمع، غضب اور ان کے متعلقات مثلاً غرور، حسد، ظلم اور حاکمانہ تسلط وغیرہ ہیں۔ جو نفس امارہ میں پیدا ہوتے ہیں اور اسے بیمار کر دیتے ہیں پھر فریب اور خیانت کرنے والا طبیب (شیطان) جو اس کے مرض سے واقف ہے اس کی بیمار پرسی کرتا ہے اور اسے قسم قسم کے زہر اور نقصان دہ چیزیں بتا جاتا ہے اور اپنے جادو سے یہ بات ذہن نشین کرا جاتا ہے کہ شفا انہی سے ملے گی۔ پھر دل کی کمزوری بیماری سے نفس امارہ کی قوت سے اور شیطان سے متفق ہو جاتی ہے۔ پھر اسے ان دونوں سے مسلسل امداد ملتی رہتی ہے کیونکہ نقدی معاملہ ہے اور موجودہ لذت ہے اور دعوت دینے والے ہر سمت سے آ جا رہے ہیں۔ خواہش ابھار رہی ہے۔ شہوت آسانی مہیا کر رہی ہے عوام نمونہ ہیں ان کی مشابہت و نقل کرنے کو دل چاہتا ہے۔ دل کو یہ بات اچھی بھی معلوم ہوتی ہے کہ جس عیش میں عوام ہوں وہ ہمیں بھی حاصل ہو۔ ان رکاوٹوں کے ہوتے ہوئے خاص طور پر جب کہ روز بروز ان میں زیادتی ہی ہوتی رہتی ہو۔ ایمان و جنت کی دعوت وہی مانے گا جسے اللہ توفیق کی امداد عطا فرمائے اپنی رحمت سے اس کی مدد کرے اس کی حفاظت و حمایت کی ضمانت لے لے اور اس کے دل کی بصیرت کھول دے۔ کہ وہ دنیا کا تیزی سے زوال و انقطاع دیکھ لے۔ اور یہ بھی کہ دنیا داروں سے کتنی جلدی چھن جاتی ہے اور ان کے ساتھ کیا کیا کھیل کھیلتی ہے؟ اور یہ بھی کہ دنیا دائمی زندگی کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے سمندر میں کوئی انگلی ڈال کر نکال لے۔ بھلا پانی جو انگلی پر ہے اس کی سمندر کے پانی کے مقابلہ میں کیا حیثیت ہے؟

خشوع ایمان اور خشوع نفاق میں فرق

خشوع ایمان یہ ہے کہ دل اللہ کی تعظیم و جلال اور اس کے وقار و رعب کے آگے شرم سے جھک جائے اور ذرہ شرم سے محبت و حیا سے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی بوچھاڑ اور اپنے گناہوں کی زیادتی دیکھ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے جب دل جھک جائے گا تو اعضا بھی جھک جائیں گے۔

خشوع نفاق

مصنوعی طور پر تکلف کے ساتھ اعضا پر ظاہر ہوتا ہے دل اس سے خالی ہوتا ہے ایک صحابیؓ نے خشوع نفاق سے اللہ کی پناہ مانگی۔ پوچھا گیا کہ خشوع نفاق کیا ہے؟ فرمایا کہ جسم تو جھکا ہو مگر دل جھکا ہوا نہ ہو اللہ کے آگے وہ شخص جھکتا ہے جس کی شہوت کی آگ بجھ چکی ہو اور اس کا دھواں بھی اس کے سینے سے ختم ہو چکا ہو۔ اور اس کا سینہ صاف ہو اس میں نور و عظمت چمک اٹھا ہو۔ ایسے اس خوف و فا کی وجہ سے جو اس کے سینے میں بھری ہے اس کی نفسانی خواہشات مر چکی ہیں اور اعضا کی آتشی قوتیں بجھ چکی ہیں دل میں اطمینان و وقار آ گیا ہے اب اسے اللہ تعالیٰ ہی سے اور اس کے ذکر سے ہی چین آتا ہے۔ اس کے رب کی طرف سے اس پر سکینہ کا نزول ہوتا ہے جس سے وہ مطمئن ہے۔

محبت کے معنیٰ

محبت کے معنی مطمئن کے ہیں کیونکہ جبت اس نیچی زمین کو کہتے ہیں جس میں پانی ٹھہر جائے۔ وہ محبت خشوع و سکون والا دل ہے اس کی نشانی یہ ہے کہ رب کے جلال و عظمت کے آگے اپنی انتہائی ذلت و انکساری کا اظہار کرے اور اس کے آگے سجدے میں گر جائے پھر موت تک سجدے سے سر ہی نہ اٹھائے۔ دل متکبر اپنے غرور و تکبر کی وجہ سے بلند و ابھرا رہتا ہے جیسے اونچی زمین کہ اس میں پانی نہیں ٹھہرتا۔

خشوع نفاق اصل میں خشوع نہیں بلکہ خشوع کا بہانہ ہے کہ تصنع کے طور پر دکھاوے کے لیے اعضا جھکا دیئے جائیں اور قلب میں خشوع نہ ہو بلکہ شہوتوں سے بھرپور ہو اور برے ارادے عروج پر ہوں اور جوش مار رہے ہوں بظاہر جھکاؤ ہے جبکہ میدان کا اژدھا اور جھاڑی کا شیر پسلیوں کے اندر چھپا ہوا ہے کہ موقع ملتے ہی چیر کھائے۔

غرور و خودداری میں فرق

خودداری یہ ہے کہ انسان کمینے پن سے بری عادتوں سے اور طمع و لالچ سے بچتا رہے۔ اور اپنا نفس ان رذائل میں داخل کرنے سے اونچا سمجھے۔ غرور دو اشیاء کے درمیان سے سر اٹھاتا ہے کہ خود کو اونچا اور دوسروں کو نیچا سمجھا جائے اس کے برخلاف خودداری دو عظیم الشان عادات سے پیدا ہوتی ہے نفس کی شان عزت و بزرگی قائم رکھنا اور اس کے مالک کی تعظیم و تکریم کرنا کہ اس کا بندہ کمینہ، گرا ہوا اور خسیس نہ

ہو۔ پھر ان دونوں باتوں کا لحاظ کر کے نفس کی شرافت کا لحاظ رکھنا پڑتا ہے کہ اس کی حفاظت و نگرانی کی جائے۔ اور کسی بری عادت میں نہ گرنے دیا جائے یہ چیز نفس کی صلاحیت پر اور اللہ تعالیٰ کی امداد پر موقوف ہے جو دل صلاحیت و امداد سے خالی ہے وہ تمام بھلائیوں سے خالی ہے۔

حمیت و جفا میں فرق

حمیت نفس کا اس تھن سے شیر ملامت چھڑانا ہے جو خباثت و رذائل کا سرچشمہ ہے کہ دودھ کی کثرت ہو اور لوگ اس پر ٹوٹ پڑ رہے ہوں۔

لہٰذا اگر تم چاہو تو اس میں جلدی کرو کہ محمود و مشکور ہو اور چاہو تو دیر لگاؤ کہ حصلہ گنوا بیٹھو۔ اس کے برخلاف نفس کے جفا کی تختی دل کی شقاوت اور طبیعت کی کثافت ہے۔ جس سے ایک بہت بری عادت پیدا ہوتی ہے جسے زیادتی کہتے ہیں۔

تواضع اور رسوائی میں فرق

اللہ تعالیٰ کی معرفت سے اس کے اچھے نام اور صفات جلالیہ کی پہچان سے اور اس کی تعلیم و حمیت سے اسی طرح اپنے نفس کی معرفت سے اس کی تفصیلات سے اس کے کاموں کے عیبوں سے اور اس کی مصیبتوں سے ایک عادت پیدا ہوتی ہے جسے عاجزی کہتے ہیں۔ مطلب کہ اللہ تعالیٰ کے لیے دل کا ٹوٹ جانا اور اس کی مخلوق سے محبت و پیار اور رحمت و شفقت سے پیش آنا اپنے آپ کو دوسروں سے اچھا نہ جاننا اور اپنا کسی پر حق نہ سمجھنا بلکہ یہ سمجھنا کہ مجھ سے اچھے ہیں اور ان کے حقوق مجھ پر واجب ہیں۔ یہ خلق جمیل اللہ تعالیٰ اپنے محبوب اور مقرب و معزز بندوں کو ہی عطا فرماتا ہے۔

اس کے برخلاف رسوائی ایک قسم کی دناءت و خست اور نفس کی ذلت ہے کہ نفسانی لذتوں اور شہوتوں کے حاصل کرنے کے لیے انسان اپنے آپ کو پست کر دے جیسے کمینوں کی اپنا مطلب نکالنے میں تواضع ہوتی ہے اور مفعول یہ کی فاعل کے لیے ہوتی ہے۔ یہ دراصل تواضع نہیں بلکہ رسوائی ہے اللہ تعالیٰ کو تواضع پسند ہے اور رسوائی ناپسند۔

رحمۃ للعالمین ﷺ نے فرمایا: مجھ پر وحی کی گئی کہ تم عاجزی کرو۔ کسی پر کوئی فخر نہ کرے اور نہ کوئی کسی پر بغاوت کرے۔

انکساری کی اقسام

انکساری کی دو قسمیں ہیں:

(۱) اللہ تعالٰی کے حکم کے آگے اس کی تعمیل کے لیے اور ممانعت کے وقت اس سے بچنے کے لیے پست ہو جانا۔ کیونکہ نفس آرام طلبوں کے لیے تعمیل حکم میں شرماتا ڈرتا ہے اور اس سے ایک قسم کا انکار اور بندگی سے انکار پیدا ہوتا ہے اور ممانعت کے وقت منع کی ہوئی چیز کو حاصل کرنا چاہتا ہے پھر جب بندہ اللہ کے حکم و ممانعت کے لیے اپنے نفس کو ذلیل کر دیتا ہے تو بندگی کے لیے عاجزی ثابت ہو جاتی ہے۔

(۲) رب کی عظمت و جلال کے لیے اور اس کی عزت و بڑائی کے لیے تواضع' جب کبھی نفس ناک چڑھائے تو بندہ رب کی عظمت و انفرادیت کو اور اس کے سخت غصے کو یاد کر کے ٹھنڈا ہو جائے اور عاجزی اختیار کرلے۔ اس طرح اللہ کی عظمت سے اس کا دل ٹوٹ جائے گا وہ اللہ کی ہیبت سے ڈر جائے گا اور اس کے غلبہ سے پست ہو جائے گا یہ عاجزی کی انتہا ہے جو تواضع کی پہلی قسم کو لازم ہے لیکن پہلی قسم اس کو لازم نہیں۔ اصل متواضع وہی ہے جس میں دونوں قسم کی تواضع پائی جائیں۔

دینی قوت حاصل کرنے اور بڑا بننے میں فرق

اسی طرح اللہ تعالٰی کا دین بلند کرنے کے لیے بڑا بننا یہ ہے کہ شرعی حکموں کی عظمت برقرار رکھی جائے۔ شرعی قوانین جاری کر کے ان سے فائدہ اٹھایا جائے۔ اور ان کا پورا پورا احترام رکھا جائے۔ اور ذاتی بڑا بننا یہ ہے کہ ریاست وحکومت کی طلب ہو اپنے بنائے ہوئے قوانین جاری کئے جائیں چاہے شریعت کو تقویت پہنچے یا نہ پہنچے بلکہ اگر اس راہ میں کوئی بات آڑے آ جائے تو وہ بے پروائی سے ٹھکرا دی جائے اور اپنے مطلب مفاد کو شریعت پر مقدم رکھا جائے۔

ذاتی حمیت اور دینی حمیت میں فرق

دینی حمیت کو حکم و حاکم کی بڑائی پیدا کرتی ہے اور اپنی طرف داری کو نفس کی تعظیم اور نفسانی ختم شدہ لذتیں پیدا کرتی ہیں۔ دینی حمیت میں اللہ کے حقوق کی عظمت برقرار رکھنے کے لیے غصہ کیا جاتا ہے یہ اس میں پیدا ہوتی ہے جس کے دل پر اللہ کے غلبہ کا آفتاب چمک رہا ہو۔ اور اس کے نور سے اس کا جام دل لبالب بھر گیا ہو۔ ایسے شخص کو اپنی ذات کے حق کے لیے غصہ نہیں آتا۔ بلکہ اس آفتاب سلطان کے نور کی وجہ سے آتا ہے جو اس کے دل پر روشنی کرتا ہے۔

رحمۃ اللعالمین ﷺ کو جب غصہ آتا تو آپ کے رخسار غصے سے سرخ ہو جاتے اور پیشانی پر پسینہ آ جاتا جو غصہ کو ختم کر دیتا تھا۔ اور آپ کو دینی طرف داری ہی کی بنا پر غصہ آتا تھا۔ حضرت اسلم کا بیان ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو غصہ آتا تھا تو آپ کی ٹوپی گرم ہو جاتی تھی۔ اپنی طرف داری میں نفس کے اندر طلب لذت کے لیے یا فوت شدہ لذت کی وجہ سے ایک شعلہ پیدا ہوتا ہے کیونکہ فتنہ نفس میں ہے اور فتنہ ہی شعلہ ہے۔ اور نفس آتش شہوت اور غصے کی آگ سے بھڑک اٹھتا ہے۔ کیونکہ شہوت وغضب ایسی آگیں ہیں جو اعضاء پر حرارت پیدا کر دیتی ہیں خواہ اللہ کے حق کے لیے یہ گرمی نفس مطمئنہ کی طرف سے یا اپنے حق کے لیے نفس امارہ کی طرف سے۔

سخاوت اور فضول خرچی میں فرق

سخی دانا و بینا ہوتا ہے اور کسی نہ کسی حکمت ہی سے سخاوت کے موقع پر سخاوت کرتا ہے اور اسراف کرنے والا فضول خرچ ہے۔ اکثر بلا موقعہ ومحل کے خرچ کرتا ہے۔ اور کبھی کبھی موقعہ پر بھی خرچ کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی دانائی سے مال میں حقوق رکھے ہیں جو دو قسم کے ہیں۔ حقوق مقررہ اور حقوق غیر مقررہ۔ حقوق مقررہ جیسے زکوٰۃ' صدقہ فطر اور جن کا خرچ اٹھانا لازم ہے ان کا خرچہ۔

اور حقوق غیر مقررہ جیسے مہمان کا حق' ہدیہ دینے والوں کا بدلہ' اور وہ خرچہ جس سے عزت وآبرو قائم رہے۔ سخی یہ تمام حقوق خوشی خوشی پوری طرح سے اس امید پر ادا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی صلہ دے گا۔ اسلیئے وہ دل کی سخاوت سینے کی فراخی اور نفس کی بخشش کے ساتھ خرچہ کرتا ہے۔ لیکن مسرف کا شہوت وخواہش کی وجہ سے ہاتھ کھلا ہوتا ہے اور اندھا دھند خرچ کرتا ہے نہ تو خرچ کا اندازہ رکھتا ہے اور نہ مصلحت کی رعایت پیش نظر رکھتا ہے۔ اگر اتفاقیہ کوئی حکمت نکل آئے تو نکل آئے سخی کی مثال اس جیسی ہے جو زرخیز زمین میں بیج بوتا ہے اور ایسے مواقع تلاش کرتا ہے جہاں پھل پھول پیدا ہوں۔ اور مسرف کی مثال اس کی سی ہے جو سخت وبنجر زمین میں بیج بوتا ہے اگرچہ حسن اتفاق سے کہیں اس کا ڈالا ہوا بیج اُگ بھی آئے اور پھل بھی آ جائے۔ لیکن عام طور پر بیج بے کار ہی جاتا ہے۔ برخلاف سخی کے کہ اس کا بیج پھلتا پھولتا ہے اور پروان چڑھتا ہے بلکہ اسے تو کبھی کثرت پیداوار کی وجہ سے نباتات اکھیڑ کر ہلکی بھی کرنی پڑتی ہے تاکہ باقی اچھی طرح سے پرورش پائے اور زمین کی پوری طرح سے تربیت کر سکے۔ اصل اور مطلق جواد (سخی) تو اللہ تعالیٰ ہے۔ عالم علوی اور سفلی کی ہر بخشش اللہ کی بخشش کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے سمندر کے مقابلہ میں ایک قطرہ' بلکہ اس سے بھی کم۔ پھر وہ قطرہ بھی اسی کی

بخشش میں سے ہے اور وہ ایک انداز ے سے جتنا چاہتا ہے اتارتا ہے۔ اس کی بخشش اس کی راہنمائی کے مطابق ہی ہوتی ہے اور موقع ومحل کی نسبت ہی سی ہوتی ہے۔ گو عوام کی آنکھوں سے وہ موقع چھپا ہو۔ اللہ تعالیٰ کو اپنا فضل اتارنے کا موقع معلوم ہے اور یہ بھی کہ کون سا محل اس کے فضل کا حقدار ہے اور کون سا نہیں۔

تکبر وخوف میں فرق

جب دل اللہ تعالیٰ کی عظمت ومحبت اور جلال وجبروت سے بھر جاتا ہے تو اس پر سکینہ اترتی ہے اور ایک نور چھا جاتا ہے پھر وہ خوف زدہ ہو جاتا ہے اور بندے کے چہرے سے مٹھاس وہیبت خارج ہونے لگتی ہے اور اس کے دل کی گہرائیوں میں اللہ کی محبت وہیبت داخل ہو جاتی ہے۔ پھر اس کی طرف لوگوں کے دل مائل ومانوس ہونے لگتے ہیں۔ اور اسے دیکھ کر آنکھوں میں ٹھنڈک محسوس ہونے لگتی ہے اب اس کی باتیں بھی نور والی' اس کا نکلنا بھی نور والا اس کا داخل ہونا بھی نور والا اور اس کا عمل بھی نور والا ہو جاتا ہے اگر وہ خاموش رہتا ہے تو اس پر وقار چھایا رہتا ہے اور اگر باتیں کرتا ہے تو انہیں دل اور کان بڑے شوق سے سنتے ہیں۔

اس کے برخلاف جب کسی کا دل جہالت وظلم سے بھر جاتا ہے تو اس سے عبودیت رخصت ہو جاتی ہے اور اس پر اللہ کی ناراضی چھا جاتی ہے اب وہ لوگوں کو ٹیڑھی نگاہ سے دیکھتا ہے' اکڑ کر چلتا ہے' اپنے آپ کو دوسروں پر فضیلت دیتا ہے اور دوسروں کو قابل عزت نہیں سمجھتا۔ اپنے آپ کو اونچا شمار کرنے لگتا ہے۔ ملنے والوں کو سلام نہیں کرتا اور اگر کوئی اسے سلام کرتا ہے تو سلام کا جواب دے کر سمجھتا ہے کہ میں نے اس پر بڑا احسان کیا۔ ہنس مکھ چہرے سے نہیں ملتا بلکہ ترش روئی سے ملتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میرے تو لوگوں پر حقوق ہیں۔ لیکن مجھ پر کسی کا حق نہیں اور میں سب سے اچھا ہوں لیکن مجھ سے کوئی اچھا نہیں۔ ایسا آدمی دن بدن اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا جاتا ہے لوگوں کی نظروں میں ذلیل ورسوا ہو جاتا ہے اور سب اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔ جبکہ مہابت (خوف) عظمت الٰہی کی نشانی ہے اور غرور' بڑائی ظلم وجہالت کی نشانی ہے۔

صیانت وتکبر میں فرق

عزت وآبرو کی حفاظت (صیانت) کرنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جو بہت زیادہ سفید اور قیمتی جوڑا پہن کر بادشاہ کے دربار میں جانا اور حکام وروؤسا سے ملنا چاہتا ہے۔ واضح ہے کہ یہ اپنے

کپڑوں کو میل کچیل گرد وغبار اور داغ دھبوں سے پاک وصاف رکھنے کی بہت کوشش کرے گا تاکہ کپڑے بادشاہ کے دربار میں جانے کے قابل رہیں۔ اور بڑی احتیاط رکھے گا اور ان جگہوں سے بچ کر نکلے گا۔ جہاں کپڑوں پر چھینٹیں پڑنے کا خطرہ ہو۔ اور اپنے کپڑوں پر کسی داغ دھبے کو یا گندی کی چھینٹ کو برداشت نہ کرے گا اور اگر اتفاق سے کوئی چھینٹ پڑ گئی تو فوراً اسے صابن سے اچھی طرح صاف کر کے دھوئے گا تاکہ اس کا نشان بھی باقی نہ رہے۔ یہی حال دل و دین کی حفاظت کرنے والے کا ہوتا ہے تم اسے گناہوں کے داغوں اور دھبوں سے بچتا ہوا پاؤ گے جیسے بہت سفید کپڑے پر گندی کا گہرا دھبہ یا داغ پڑ جاتا ہے اس سے کہیں زیادہ گہرا اثر دل پر گناہوں کا ہوتا ہے لیکن آنکھیں کپڑوں کے دھبوں کو دیکھ لیتی ہیں مگر دل کے دھبے دیکھ نہیں سکتی ہیں کیونکہ لاپرواہی کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔ تم اس اللہ تعالیٰ کے بندے کو تہمت کی جگہوں سے بھاگتا ہوا لوگوں سے بچتا ہوا اور ان سے دور رہتا ہوا پاؤ گے تاکہ اس کے دل کے میلن و بہت زیادہ سفید کپڑے پر رنگ دینے والوں ذبح کرنے والوں اور باورچیوں کے کپڑوں کی طرح گناہوں کی چھینٹیں نہ پڑ جائیں۔ غرور کرنے والا بھی احتیاط کرنے میں اس کے مثل ہے لیکن وہ لوگوں کی گردنوں پر چڑھنا اور انہیں اپنے پیروں سے روندنا چاہتا ہے اس کی حفاظت اور طرح کی ہے اور اس کی اور طرح کی۔

شجاعت و جرأت میں فرق

بہادری کا تعلق دل سے ہے۔ شجاعت نازک اور خطرناک موقعوں پر ڈٹے رہنے کا نام ہے۔ یہ عادت صبر اچھے خیال سے پیدا ہوتی ہے کیونکہ جب فتح کی امید کے ساتھ ساتھ صبر ہوگا تو انسان نازک ترین موقعوں پر بھی جما رہے گا جیسے بزدلی برے خیال اور بے صبری سے پیدا ہوتی ہے یعنی اس میں نہ فتح کی امید ہوتی ہے اور نہ صبر کی مدد۔ بزدلی کی جڑ بدخیالی ہے اور بزدل کا دل خدشے سے بھرا ہوتا ہے جس کا منشا پھیپھڑے ہیں۔ بدگمانی اور دلی وسوسے کے وقت پھیپھڑے پھول جاتے ہیں اور دل پر دباؤ ڈال کر اسے بھینچ دیتے ہیں۔ اور اسے اس کی جگہ پر بے قرار کر دیتے ہیں۔ اسلئے دل میں بے قراری و بے چینی پیدا ہو جاتی ہے اسی وجہ سے رحمۃ اللعالمین ﷺ نے فرمایا: انسان کے اندر بدترخلق دل نکال دینے (ہلا دینے والی) نامردی اور ہائے ہائے کرانے والا لالچ ہے۔ یہاں نامردی کو خالع کہا گیا کیونکہ یہ پھیپھڑے کے پھولنے کی وجہ سے دل کو اس کی جگہ سے باہر نکال دیتی ہے۔ جبکہ بدر کے دن ابوجہل نے عتبہ سے کہا تھا تیرا تو پھیپھڑا پھول گیا ہے (تو تو نامرد ہو گیا ہے) پھر جب دل ہی اپنی جگہ سے ہٹ

جائے تو عقل کی تدبیر بھی ضائع ہو جاتی ہے آخر کار اعضا پر بھی فساد ظاہر ہو جاتا ہے وہ درست طور سے کام انجام نہیں دیتے۔ بہادری دل کی حرارت اور اس کا غصہ ہے کہ دل ڈٹ کر کھڑا ہو جاتا ہے اور جم جاتا ہے۔ پھر جب مختلف اعضاء دل کو ڈٹا ہوا دیکھتے ہیں تو اس کی مدد کرتے ہیں کیونکہ اعضا دل کے خدام و لشکر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب دل بھاگ کھڑا ہوتا ہے تو اس کا پوری فوج بھاگ پڑتی ہے۔ بہادری بھی اقدام ہے۔ جس کا سبب لا پروائی اور انجام پر نظر نہ ڈالنا ہے جرأت میں نفس غیر موضع اقدام میں بھی اقدام کر گزرتا ہے اور عوارض سے نظر چرا لیتا ہے۔ چاہے فائدہ یا نقصان اٹھانا پڑ جائے۔

حزم وجبن میں فرق

وہ دور اندیشی ہے جس نے غور و فکر اور حوصلہ کے ساتھ معاملہ کو باریکی سے سمجھنے کی جدوجہد کی اور اس کی کمی وزیادتی کا اندازہ لگا کر ہر پہلو کے مطابق و مناسب تجویز کے بارے میں سوچا لفظ حزم قوت و جمع کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ حزمۃ لکڑیوں کے گٹھے کو کہتے ہیں۔ حازم معاملہ کے ہر پہلو کے بارے میں غور کرتا ہے اور اس کے حل کا بہترین طریقہ سوچ لیتا ہے۔ لہٰذا دور اندیشی اور غور و فکر کی روشنی میں اقدام کا موقع نہ سمجھ کر اس سے باز رہتا ہے بزدلی اور کمزوری کی وجہ سے نہیں۔

اقتصاد وشح میں فرق

معاش اچھی عادت ہے جو عدل و حکمت سے پیدا ہوتی ہے عدل کی وجہ سے خرچ کرنے نہ کرنے میں میانہ روی بھرتی جاتی ہے اور حکمت سے خرچ کیا یا نہ کیا جاتا ہے غرض کہ ان دونوں سے صفت معاش (درمیانی راہ پیدا ہوتی ہے۔ جو دو مذموم طرفوں افراط و تفریط کے درمیان ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **ولا تجعل یدک مغلولۃ الخ** اپنا ہاتھ گردن میں بندھا ہوا نہ رکھو اور نہ اسے بالکل ہی پھیلا دو۔ کہ خود قابل الزام وخالی ہاتھ ہو کر بیٹھ جاؤ۔ پھر ارشاد ہوتا ہے: **والذین اذا انفقوا الخ** جب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ ضائع کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں بلکہ ان کا خرچ متعدل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **کلوا واشربوا ولا تسرفوا**. کھاؤ پیو مگر اسراف (فضول خرچی) نہ کرو۔

شح (بخل و حرص) بری عادت ہے۔ جو بدگمانی اور نفس کی کمزوری سے پیدا ہوتی ہے اور شیطان کے وعدے سے اسے حوصلہ ملتا ہے۔ یہاں تک کہ انسان انتہائی حریص بن جاتا ہے اور پیسہ پیسہ خرچ کرتے ہوئے سسکتا ہے۔ کہ کہیں فقیر نہ بن جاؤں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **ان الانسان خلق ھلوعا الخ** انسان حریص پیدا کیا گیا ہے اگر اسے محتاجی چھو لیتی ہے تو چیخ پڑتا ہے اور اگر مال آ جاتا ہے تو اسے

دانتوں سے پکڑ لیتا ہے۔

احتراز و بدگمانی میں فرق

محترز (محتاط) اس کی طرح ہے جو اپنا مال و سواری لے کر سفر پر چل نکلتا ہے اور ہر ڈاکو اور خطرناک جگہ سے پوری کوشش سے بچتا ہے اور ہر خطرے کے مقابلے کے لیے ظاہری اسباب سے مسلح ہے۔ گویا دشمن سے مقابلے کے لیے پوری طرح سے تیار ہے اس کی ہوشیاری نے اس سے بچنے کے لیے تمام ظاہری سامان حاصل کر لیے ہیں اور اس کی ہمت نے اسے بدگمانی سے بچالیا ہے بدگمانی یہ ہے کہ لوگوں کی طرف سے دل بدگمانیوں سے بھر جائے۔ اور اس کا اثر زبان و اعضا پر ظاہر ہونے لگے۔ اور لوگ بھی ایسے شخص پر نکتہ چینی اور لعنت و ملامت کرتے رہیں۔ یہ ان سے بغض رکھے اور وہ اس سے۔ اور یہ ان سے ڈرے اور وہ اس سے۔ جبکہ محترز لوگوں میں ملنے کے باوجود ان سے احتیاط برتتا ہے اور بدگمان ان سے ملتا ہی نہیں اور ان سے دل میں کینہ کپٹ اور بغض رکھتا ہے۔

فراست و گمان میں فرق

خیال صحیح بھی ہو سکتا ہے اور غلط بھی۔ دل کی روشنی کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے اور اندھیرے کے ساتھ بھی اسی طرح دل کی پاکیزگی کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے اور ناپاکی کے ساتھ بھی۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اکثر گمانوں سے بچنے کا حکم فرمایا اور یہ بھی بتایا کہ بعض گمان گناہ ہوتا ہے مگر اہل فراست کی تعریف فرمائی ان فی ذالک لایات للمتوشمین. ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ای للمتفرسین. بے شک ان میں فراست والوں کے لیے بڑی بڑی نشانیاں ہیں۔ حکم خداوندی ہے یحسبھم الجاھل الخ جاہل انہیں سوال نہ کرنے کی وجہ سے مالدار سمجھتے ہیں تم انہیں (فرست سے) ان کی پیشانیوں سے پہچان لوگے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے: ولو نشاء لا رینا کھم الخ اگر ہم چاہتے تو انہیں آپ کو دکھا دیتے آپ انہیں ان کے چہروں سے ان کے طرز کلام سے پہچان جائیں گے۔ پتہ چلا کہ اصل فراست دل سے متعلق ہے۔ جو صاف و شفاف اور میل کچیل سے پاک ہوتی ہے اور تقریب کی دلیل ہے۔ مومن اللہ کے نور سے دیکھتا ہے جو اللہ نے اس کے دل میں مقرر فرمایا ہے۔ رحمۃ اللعالمین ﷺ نے فرمایا کہ مومن کی فراست سے ڈرتے رہو۔ کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ مومن کو اللہ کے قرب سے فراست حاصل ہوتی ہے کیونکہ جب دل اللہ کے نزدیک آجاتا ہے تو اس سے ادراک و معرفت حق کی

رکاوٹیں دور ہو جاتی ہیں اور وہ اپنے مرتبے کے مطابق اللہ کے قریب والے روشن راں سے روشنی حاصل کرتا ہے اور اس روشنی میں وہ چیزیں دیکھ لیتا ہے جو پوشیدہ ہیں اور دور سے دکھائی نہیں دیتیں۔ چنانچہ ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے قرب کے لیے فرائض سب سے اہم حصہ ادا کرتے ہیں۔ اور بندہ نفلوں سے بھی میرے قریب آتا رہتا ہے یہاں تک کہ مجھے اس سے محبت ہو جاتی ہے پھر جب میں اس سے پیار کرنے لگتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہے جن سے وہ سنتا ہے۔ آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے دیکھتا ہے ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور پاؤں بن جاتا ہے جن سے وہ چلتا ہے۔ پھر وہ میری ہی بات سنتا ہے میری ہی بنائی ہوئی چیزیں دیکھتا ہے میرے ہی حکم کے مطابق پکڑتا ہے اور میرے ہی حکم کے مطابق قدم اٹھاتا ہے معلوم ہوا کہ تقریب سے اللہ کی محبت حاصل ہوتی ہے اور جب اللہ چاہنے لگتا ہے تو بندے کے تمام اعضاء اس کے حکم کے مطابق حرکت کرنے لگتے ہیں اور اس کا دل ایک صاف آئینہ کی طرح ہو جاتا ہے۔ جس میں حقائق کے برعکس بلا کم و کاست نظر آنے لگتے ہیں اور اس کی فراست غلطی نہیں کرتی۔ یہ علم غیب نہیں بلکہ علام الغیوب نے ایسے دل میں حق ڈال دیا ہے جو اس سے نزدیک ہے اور اس کے نور سے چمک رہا ہے اور اوہام و وساوس کی اہلِ فریبیوں سے بلند ہے۔ جب دل پر نور کا غلبہ ہو جاتا ہے تو اس کی کرنیں اعضا تک بھی پہنچ گئی ہیں۔ یہی نور دل سے آنکھوں میں آتا ہے اور حقیقتوں کو ظاہر کر دیتا ہے۔

رحمۃ اللعالمین ﷺ صحابہ کرامؓ کو جو مقتدی ہوتے تھے (دل کی آنکھوں سے یا نور کی فراست سے) نماز میں دیکھ لیا کرتے تھے ایک مرتبہ آپ نے مکہ میں اپنی آنکھوں سے بیت المقدس کو دیکھ لیا۔ ایک مرتبہ آپ نے مدینہ میں خندق کھودتے کھودتے شام کے محل صنعاء کے دروازے اور کسریٰ کے شہر دیکھے۔ ایک مرتبہ مدینہ میں موتہ میں لڑنے والے سپہ سالاروں کو شہید ہوتے دیکھ لیا اور ایک مرتبہ حبشہ کے بادشاہ کو حبشہ میں وفات پاتے ہوئے دیکھ لیا۔ جبکہ آپؐ مدینہ میں تھے۔ پھر آپ نے میدان میں جا کر غائبانہ نماز بھی پڑھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایران کی زمین نہاوند میں اپنے سپہ سالار اور مسلمانوں کے لشکر کو دشمن سے لڑتا ہوا دیکھا اور ہدایت فرمائی کہ پہاڑ کے آگے رہو جبکہ آپ مدینہ میں تھے۔ ایک مرتبہ آپؓ کے پاس مذحج کے چند آدمی جن میں اشتر نخعی بھی تھے آئے آپؓ نے اشتر کو خوب غور سے دیکھ کر پوچھا یہ کون ہے؟ بتایا گیا کہ یہ مالک بن حارث ہے فرمایا اسے کیا ہو گیا ہے؟ اس پر اللہ تعالیٰ کی مار ہو۔ میں اس کی طرف سے مسلمانوں کے ایک سخت دن دیکھ رہا ہوں ایک دفعہ عمرو بن عبید

حسن کے پاس آئے فرمایا: یہ نوجوانوں کا سردار ہے اگر محدث نہیں۔

امام شافعی علیہ الرحمۃ کی فراست

کہتے ہیں ایک مرتبہ امام شافعی علیہ الرحمۃ اور محمد بن حسن مسجد حرام میں بیٹھے ہوئے تھے اتنے میں ایک شخص آیا۔ محمد بولے میرے خیال میں یہ بڑھئی ہے۔ امام شافعی بولے میرے خیال میں لوہار ہے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ پہلے لوہار تھا اور اب تاجر ہے۔

ابوالقاسم منادی علیہ الرحمۃ کی فراست

ایک مرتبہ ابوالقاسم منادی کی بیمار پرسی کے لیے ان کے پاس ابوالحسن بوشنجی اور حسن لوہار آئے انہوں نے آدھے درہم کے سیب ادھار خرید لیے تھے راستے میں جب یہ دونوں آپ کے پاس پہنچے تو آپ نے فرمایا: یہ کیسا اندھیرا ہے؟ انہوں نے خیال کیا کہ شاید ادھار سیب خریدنے کی وجہ سے آپ نے یہ الفاظ فرمائے ہیں چنانچہ دونوں الٹے پاؤں واپس ہو گئے اور سیب کی قیمت ادا کر کے پھر آئے۔ انہیں دیکھتے ہی آپ نے فرمایا کہ اتنی جلدی انسان کا اندھیرے سے نکلنا ممکن ہے؟ مجھے اپنا حال بتاؤ۔ دونوں نے سیب کا واقعہ بیان کیا۔ سن کر فرمایا تم میں سے ہر ایک کو اپنے ساتھی پر بھروسہ تھا کہ وہ قیمت ادا کر دے گا۔ اور وہ شخص تم دونوں سے تقاضا کرتے ہوئے شرما رہا تھا۔

ابوعثمان حیری علیہ الرحمۃ کی فراست

ابوزکریا نخشبی اور ایک عورت کے درمیان جھگڑا تھا۔ یہ ایک دن ابوعثمان حیری کے پاس کھڑے کہ اس عورت کا خیال آ گیا ابوعثمان نے سر اٹھا کر فرمایا۔ تمہیں شرم نہیں آتی۔

شاہ کرمانی علیہ الرحمۃ کی فراست

کہتے ہیں شاہ کرمانیؒ غضب کی فراست رکھتے تھے اور ان کی فراست اکثر صحیح ہوا کرتی تھی۔ شاہ صاحب فرمایا کرتے تھے جو حرام چیزوں سے آنکھ بند کر لے اور خواہشوں سے اپنا دل مار لے۔ دل دائمی مراقبے سے آباد رکھے سنت کا پابند رہے اور حلال کھانے کا عادی ہو۔ اس کی فراست کبھی غلطی نہیں کرتی۔

ایک نوجوان کی فراست

ایک نوجوان جنیدؒ کے پاس بیٹھا اٹھا کرتا تھا۔ اور دل کے خیالات بتا دیا کرتا تھا۔ جنید بغدادیؒ کے

سامنے بھی اس کا ذکر ہورہا آپ نے اس سے پوچھا کہ تمہارے بارے میں لوگوں کا ایسا ایسا خیال ہے۔ بولا دل میں کوئی بات سوچئے۔جنید بغدادیؒ نے کہا: سوچ لی۔ جوان نے بات بتا دی۔جنید بغدادیؒ نے کہا: غلط ہے۔ بولا: اچھا پھر سوچئے۔فرمایا: سوچ لی۔ بولا: یہ بات ہے۔فرمایا: غلط ہے۔ کہنے لگا: عجیب بات ہے۔ آپ بھی سچے ہیں اور مجھے بھی اپنے دل کی خبر ہے۔فرمایا: تم نے تینوں دفعہ درست بتایا تھا۔ میں تمہیں آزمارہا تھا۔ کہ تمہاری قلبی واردات بدلتی تو نہیں۔

ایک فقیر کی فراست

ابوسعیدؒ خراز کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں مسجد حرام میں گیا۔ اتنے میں ایک فقیر آیا جو دو گدڑیاں پہنے ہوئے تھا۔ اور بھیک مانگنے لگا۔ میں نے دل میں کہا۔ ایسے ہی لوگ لوگوں پر بوجھ ہیں فقیر نے مجھے دیکھ کر یہ آیت پڑھی: اعلموا ان اللہ یعلم ما فی انفسکم فاحذروہ ”یقین مانو اللہ تمہارے دلوں کی باتوں سے واقف ہے۔ اسلئے اس سے ڈر جاؤ“۔ کہتے ہیں یہ سن کر میں نے دل ہی دل میں اللہ سے مغفرت کی دعا کی۔ پھر اس نے یہ آیت پڑھی وھو الذی یقبل التوبۃ عن عبادہ ”اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے۔“

ابراہیم خواص علیہ الرحمۃ کی فراست

ابراہیم خواصؒ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں جامع مسجد میں تھا اتنے میں ایک خوبصورت اور بارعب نوجوان آیا جس سے خوشبو آرہی تھی۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ میرے خیال میں یہ یہودی ہے لیکن کسی کو یقین نہ آیا خیر میں بھی چلا گیا۔ اور وہ جوان بھی چلا گیا۔ پھر اس نے میرے دوستوں سے مل کر پوچھا کہ میرے بارے میں شیخ کیا فرمارہے تھے۔ لوگوں کو میرا خیال بتاتے ہوئے شرم آئی مگر اس نے اصرار کے ساتھ پوچھا تو مجبوراً لوگوں نے بتایا کہ وہ آپ کو یہودی بتارہے تھے۔ پھر وہ میرے پاس آکر میرے ہاتھ پر جھک گیا اور مسلمان ہوگیا میں نے پوچھا مسلمان کیوں ہوئے؟ کہنے لگا ہم نے اپنی کتابوں میں پڑھا ہے کہ سچے آدمی کی فراست غلطی نہیں کرتی میں نے سوچا کہ اس سلسلے میں مسلمانوں کو آزماؤں۔ پھر میں نے سوچا کہ اگر کوئی سچا ہوگا تو انہیں اللہ والوں میں ہوگا چنانچہ میں تمہارے پاس آیا آپ مجھے دیکھتے ہی سمجھ گئے کہ میں یہودی ہوں چنانچہ مجھے یقین ہوگیا کہ آپ ضرور سچے ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی فراست

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس ایک صحابیؓ آتے ہیں جو راستے میں ایک عورت کو دیکھ آئے تھے اور اس کے حسن و جمال کے بارے میں غور کر رہے تھے۔ آپ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ میرے پاس اس حالت میں آتے ہیں کہ زنا کا اثر ان کی آنکھوں سے ظاہر ہوتا ہے میں نے کہا کیا رحمۃ اللعالمین ﷺ کے بعد بھی وحی جاری ہے؟ فرمایا نہیں یہ تو سچی فراست اور برہان وتبصرہ ہے۔

نصیحت وغیبت میں فرق

نصیحت خیر خواہی اسے مسلمانوں کو کسی بدعتی یا فتین یا مکار یا شر پسند سے ڈرانا مقصود ہوتا ہے جب کوئی مسلمان اس سے تعلقات قائم کرنے کے بارے میں یا معاملات کرنے کے یا اس کے پاس اٹھنے بیٹھنے کے بارے میں کسی سمجھدار آدمی سے مشورہ کرے تو اسے اس کے صحیح حالات بتانے پڑتے ہیں۔ مثال کے طور پر رحمۃ اللعالمین ﷺ نے فاطمہؓ بنت قیس سے جب کہ انہوں نے معاویہؓ اور ابوجہمؓ سے نکاح کے بارے میں آپؐ سے مشورہ کیا تھا۔ فرمایا کہ معاویہؓ تو غریب آدمی ہیں اور ابوجہمؓ عورتوں کو مارتے ہیں۔

اگر اللہ کے لیے اور مسلمانوں کی خیر خواہی کے لیے غیبت ہو تو وہ بھی عبادت و نیکی ہے۔ اور اگر کسی کی آبرو ریزی کے لیے ہو تا کہ اس کا مرتبہ لوگوں کے دلوں سے گر جائے اور اس کی برائی کی جائے تو یہ سخت قسم کی بیماری ہے اور نیکیوں کی آگ ہے کہ تمام نیکیاں کھا جاتی ہے۔

ہدیہ اور رشوت میں فرق

رشوت سے کسی کا حق مارنا یا غلط کو صحیح ثابت کرنے کا ارادہ ہوتا ہے۔ رحمۃ اللعالمین ﷺ نے رشوت دینے والے کو لعنتی فرمایا ہے۔ اگر ظلم روکنے کے لیے رشوت دے تو پھر رشوت لینے والے پر لعنت پڑے گی۔ ہدیہ سے محبت و احسان اور تعارف مقصود ہوتا ہے اگر بدلہ کے ارادے سے ہدیہ دیا جائے تو قیمت حاصل کرتا ہے اور اگر فائدے کی غرض سے دیا جائے تو برتری پیش نظر ہے۔

صبر وسنگدلی میں فرق

صبر ایک کسبی عادت ہے جسے انسان اپنے اندر پیدا کر لیتا ہے یعنی پریشان ہونے سے ہائے ہائے کرنے سے اور شکایت کرنے سے بچا رہتا ہے چنانچہ دل کو پریشانی سے زبان کو شکایت سے اور اعضاء کو

غیر مناسب حرکتوں سے روک لیتا ہے صبر اصل میں دل کو شرعی اور تقدیری احکام پر ثابت قدم رکھنا ہے۔
سنگ دلی دل کی خشکی اور سختی ہے جس سے دل میں کسی چیز کا اثر نہیں ہوتا اور دل پتھر ہو جاتا ہے۔
صبر و تحمل کی وجہ سے نہیں بلکہ سختی و یبوست کی وجہ سے۔

دل کی اقسام

دل تین قسم کے ہوتے ہیں: (۱) سخت دل۔ جو پتھر کی طرح سخت ہو جاتا ہے۔ اور بمنزلہ خشک ہاتھ کے ہو جاتا ہے۔ (۲) بہت زیادہ نرم دل جو پانی کی طرح بہت زیادہ نرم ہوتا ہے سخت دل اچھا اثر قبول نہیں کرتا۔ انتہائی نرم دل بمنزلہ پانی کے ہے یہ بھی کچھ نہیں۔ (۳) نرم دل جو نہ پتھر کی طرح سخت ہو اور نہ پانی کی طرح نرم بلکہ درمیانی ہو اور ٹھوس ہونے کے ساتھ ساتھ صاف شفاف بھی ہو۔ یہ دل اپنی شفافیت کی وجہ سے صحیح و غلط میں پہچان کر لیتا ہے نرمی کی وجہ سے حق قبول کر کے اسے محفوظ کر لیتا ہے اور ٹھوس ہونے کی وجہ سے اپنے دشمن سے مقابلہ پر ڈٹ جاتا ہے۔

ایک اثر میں ہے زمین پر دل اللہ تعالیٰ کے برتن ہیں اللہ تعالیٰ کو وہ دل زیادہ پیارا ہے جو سب سے زیادہ نرم ٹھوس اور صاف شفاف ہو۔ ایسے دل کو قلب زجاجی (شیشے جیسا دل) کہتے ہیں کیونکہ شیشے میں یہ تینوں اوصاف ہوتے ہیں۔ اور اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ برا دل قلب قاسی (پتھر جیسا دل) ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فویل للقاسیۃ قلوبھم الخ اللہ کے ذکر سے سخت دل والوں کے لیے بڑی خرابی ہے۔ ارشاد ہے: ثم قست قلوبکم الخ پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے۔ جیسے پتھر بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے لیجعل اللہ ما یلقی الشیطان الخ تاکہ شیطان جو ڈالتا ہے اسے اللہ تعالیٰ بیمار دل والوں کے لیے فتنہ بنا دے اور سنگ دل والوں کے لیے بھی۔ اس آیت میں دو غیر صحیح دل بیان فرمائے۔ ایک بیماری سے ٹیڑھا ہے اور ایک سنگدلی سے۔ اور شیطان کی ڈالی ہوئی باتوں کو ان دونوں کے لیے فتنہ اور تیسرے دل والوں کے لیے رحمت قرار دیا۔ کیونکہ تیسرا دل اپنی صفائی کی وجہ سے شیطانی اور ملکی باتوں میں پہچان کر لیتا ہے اور عجز و رقت کی وجہ سے سچ قبول کر لیتا ہے اور ٹھوس و قوی ہونے کی وجہ سے مخالف نفسوں سے مقابلہ کرتا ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا تاکہ اہل علم کو یقین ہو جائے کہ یہ آپ کے رب کی طرف سے ہے اور سچ ہے پھر اس پر ایمان لے آئیں اور ان کے دل اس کے آگے جھک جائیں اور اللہ تعالیٰ ایمان والوں ہی کو سیدھی راہ کی ہدایت دیتا ہے۔

عفو وذلت میں فرق

بدلہ پر قدرت ہونے کے باوجود بطور احسان وکرم کے اپنا حق ختم کر دینا عفو (معافی) ہے۔ یہ اپنا حق چھوڑنے احسان واعلیٰ اچھے اخلاق پر ابھارتا ہے برعکس اس کے ذلیل عجز وخوف اور دل کی کمزوری کی وجہ سے بدلہ چھوڑتا ہے۔ یہ بہت بری صفت ہے اس سے تو وہ اچھا ہے جو بدلہ لے لے۔ ارشاد ربانی ہے: والذین اذا اصابھم البغی ھم ینتصرون اور وہ کہ جب ان پر کوئی ظلم کرتا ہے تو وہ بدلہ لے لیتے ہیں۔ اس میں ان کی تعریف کی گئی ہے جو اپنا بدلہ لینے پر قادر ہیں۔ پھر اگر وہ عفو ودرگزر کی شریفانہ عادت کی وجہ سے معاف کر دیں تو یہ اعلیٰ مقام ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے و جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا الخ برائی کا بدلہ اسی جیسی برائی ہے لیکن جو معاف کر دے اور اصلاح کر دے تو اس کا صلہ اللہ پر ہے۔ اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ اس آیت میں تینوں مقام بیان فرمائے۔ عدل (جو جائز ہے) فضل (جو اعلیٰ درجہ ہے) ظلم جو حرام ہے۔

ایک شبہ کا جواب

اگر کہا جائے کہ بدلہ لینا اور معاف کرنا دونوں الٹ ہیں پھر دونوں کیسے قابل تعریف ہو سکتے ہیں؟ جواب یہ ہے کہ تعریف بدلہ لینے کی نہیں ہے بلکہ قوت وقدرت کی تعریف ہے کہ قدرت کے بعد دو صورتیں نکلتی ہیں چاہے برابر سرابر بدلہ لے لیا جائے۔ یا معاف کر دیا جائے۔ بعض سلف نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: لوگوں کو ذلت پسند نہ تھی۔ لیکن جب بدلہ لینے کی طاقت رکھتے تو معاف کر دیا کرتے تھے یہی وہ کمال ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی بھی تعریف فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وکان اللہ عفوا قدیرا. واللہ غفور الرحیم. اللہ بڑا معاف کرنے والا ہے اور خوب قادر ہے۔ اللہ بڑا ہی بخشنے والا اور کمال مہربان ہے۔ ایک مشہور اثر میں ہے کہ عرش کو اٹھانے والے فرشتے چار ہیں۔ ان میں سے دو کہتے ہیں۔ اے اللہ! اے ہمارے رب' پاکیاں اور بڑائیاں تیرے ہی لیے ہیں' قدرت کے بعد معافی پر تو ہی تعریف کا حقدار ہے۔ اسی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا ان تعذبھم فانھم عبادک الخ اگر تو انہیں سزا دے تو تیرے بندے ہیں اور اگر معاف فرمائے تو تو بڑی عزت وحکمت والا ہے۔ یعنی تیری معافی عزت والی ہے۔ کیونکہ کمال قدرت کے بعد ہے اور حکمت والی ہے کیونکہ کمال علم کے بعد ہے۔ ان کے عملوں سے واقف ہونے اور ان پر قدرت پانے کے باوجود تو نے انہیں بخش دیا انسان کبھی تو انتقام سے عاجز ہو کر معاف کر دیتا ہے اور کبھی ظالم کے جرم کی حقیقت

سے سبے خبر ہو کر انسان کی معافی کا ظاہر تو ظلم و ذلت ہے اور باطن عزت و عجز ہے۔ اور انتقام کا ظاہر تو عزت ہے اور باطن ذلت ہے۔ اللہ تعالیٰ معافی سے عزت ہی بڑھاتا ہے۔ اور اپنی ذات کے لیے بدلہ لینے والا رسوا ہی ہوتا ہے اگرچہ معافی والی عزت ہی کے ختم ہو جانے سے ذلیل ہو۔ اسی وجہ سے رحمۃ اللعالمین ﷺ نے اپنے لیے کبھی انتقام نہیں لیا ھم ینتصرون (وہ بدلہ لیتے ہیں) پر غور کرو۔ صاف پتہ چل رہا ہے کہ ان میں وہ ذاتی قوت ہے جس سے وہ اپنا بدلہ لے سکتے ہیں۔ یہ نہیں کہ غیر ان کی مدد کریں۔ مگر اسلیئے بدلہ میں لوگ عموماً عدل کے دائرے سے نکل جایا کرتے ہیں اس لیے برابری جائز رکھی گئی۔ زیادتی حرام کر دی گئی اور معافی کا درجہ سب سے اونچا رکھا گیا جبکہ عفو نفس مطمئنہ کے عادتوں میں شامل ہے اور رسوائی نفس امارہ کے اخلاق ہیں۔

انتقام و انتصار میں فرق

غور سے دیکھو تو انتقام و انتصار میں یہی فرق ہے انتصار اللہ کی وجہ سے اور خواہشات کی قید سے آزاد ہو کر ہی وہ عزت میں اپنی قسمت کا حصہ حاصل کر سکتا ہے پھر جب اس پر ظلم کیا جاتا ہے تو وہ ظالم سے اس وجہ سے انتقام لیتا ہے کہ اللہ نے ایک عزت کی سعادت سے اسے نوازا ہے۔ اسے شرم آتی ہے کہ اس کی عزت پر کوئی ہاتھ ڈالے یا اسے دبائے۔ اور عزیز و حمید والے بندے کی غیرت کا یہ تقاضا نہیں کہ ذلیل ہو اسلیئے وہ ظالم سے کہتا ہے۔ کہ میں اس کا غلام ہوں جس کا غلام ذلیل نہیں ہوتا۔ اور جسے یہ برداشت نہیں ہوتا کہ کوئی اس کے غلام کو ذلیل کرے۔ چونکہ نفس امارہ اپنے اصول پر قائم ہے اس لیے وہ اپنے لذات کے لیے اور اپنا دل ٹھنڈا کرنے کے لیے بدلہ ہی چاہتا ہے اور اسے ذلیل کرنے ہی کا خواہش مند رہتا ہے لیکن جو نفس اپنی لذت کی ذلت اور اپنی خواہشات کی غلامی سے آزاد ہے اور توحید و قبولیت باری تعالیٰ کی عزت پا چکا ہے اسے جب ظلم و ستم سے واسطہ پڑتا ہے۔ تو وہ اس عزت کی حمایت میں بدلہ لینے کھڑا ہو جاتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے اسے بخش رکھی ہے۔ یہ حمایت دراصل ایمانی غیرت کا تقاضا ہے اس کی مثال اس طرح سمجھیں جیسے دو غلام کا شتکار ہیں ایک نے دوسرے کو مارا۔ پٹنے والے نے اپنے مالک کی بہتری کے لیے اور مارنے والے پر ترس کھا کر ایسا نہ ہو کہ مالک اسے سزا دے دے۔ اسے معاف کر دیا پھر مالک نے معاف کرنے والے کا شکریہ ادا کیا اور اسے مزید عزت سے نوازا دوسرا غلام مالک کا پیش کار ہے۔ مالک نے اسے بہترین لباس دے رکھا ہے کہ ڈیوٹی کے وقت اسے استعمال کرے۔ پھر کسی کو چوان وغیرہ نے اس کے لباس پر گندگی ڈال دی یا اسے پھاڑ دیا۔ اگر یہ اسے معاف کر دے تو اس سے

مالک راضی نہ ہوگا بلکہ اس کی سزا سے خوش ہوگا کیونکہ اس نے مالک پر جرأت کی اور مالک کی عزت کا خیال نہیں کیا۔ یہ سزا ای کا حق دار ہے تا کہ مالک کا رعب قائم رہ سکے۔ اس صورت میں پیش کار کا بدلہ لینا اپنے مالک کے حق کے لیے ہوگا اپنے لیے نہیں۔

ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کسی کے پاس سے گزرے اس نے آپ سے فریاد کی کہ اس نے میرا حق مار لیا ہے۔ اور مجھے دیتا نہیں۔ آپ نے حکم دیا کہ اس کا حق دے دو۔ جب آپ چلے گئے تو ظالم جھگڑنے لگا اور حق دار کے تھپڑ مار دیا۔ اس نے پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے شکایت کی۔ آپ نے اس سے کہا تو نے اس پر اقدام کیا حق دار بولا: امیر المومنین! میں نے معاف کیا۔ اور یہ بادشاہ کا حق ہے جس کی سزا ملی ہے۔ اسی طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر کسی نے سواری مانگی اور کہا کہ میں آپ سے اور آپ کے بیٹے سے اچھا شہسوار ہوں آپ کے پاس حضرت مغیرہ بن شعبہ تھے۔ مغیرہؓ نے آستین چڑھا کر زور سے اس کی ناک پر مکہ مارا۔ جس سے اس کی نکسیر جاری ہو گئی۔ اس کی قوم والوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے شکایت کی اور بدلہ کا مطالبہ کیا۔ فرمایا: کیا اللہ تعالیٰ کی ذات پر میں بدلہ لوں۔ ایسا کبھی نہ ہوگا۔ یعنی مغیرہؓ نے جو بدلہ لیا ہے صرف اللہ تعالیٰ کی حمایت میں اور اس عزت کی خاطر لیا ہے جس عزت سے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے خلیفہ کو نوازا تھا۔ تاکہ اس عزت کی وجہ سے آپ خلافت کے کام احسن طریقہ انجام دے سکیں اور دین قائم کر سکیں آپ نے بدلہ اس لیے ترک کیا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ عزت پر ہاتھ ڈالا تھا۔

دل کی سلامتی اور بلاہت و غفلت میں فرق

دل کی سلامتی میں برائی کا ارادہ کار فرما نہیں ہوتا۔ اور علم ہوتا ہے۔ بخلاف نادانی و غفلت کے۔ کیونکہ یہ جہالت و کم علمی ہے۔ اور قابل تعریف نہیں کیونکہ عیب ہے لوگ اسی کی تعریف کرتے ہیں جو علم کے باوجود برائی سے پیش نہیں آتا۔ کیونکہ وہ اس کی طرف سے سلامت رہتے ہیں۔ دل کا برائی کے ایک پہلو سے واقف ہو کر برائی کے ارادے سے بچ رہنا کمال کی بات ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں دھوکہ باز نہیں اور نہ دغا باز مجھے دھوکا دے سکتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بڑے ہوشیار و محتاط تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یوم لا ینفع الخ جس دن مال اور بیٹے کام نہ آئیں گے۔ اسی کو فائدہ پہنچے گا جو قلب سلیم لے کر آئے گا۔ قلب سلیم وہ دل ہے جو دلی مصیبتوں سے محفوظ ہو۔ اس میں شک کی بیماری نہ ہو کہ قیاس کی پیروی لازم آئے اور نہ شہوت کی بیماری ہو کہ خواہشوں کی پیروی لازم آئے۔

ثقہ اور غرہ میں فرق

ثقہ (بھروسہ) ایک قسم کا سکون ہے جو ان دلائل وقرائن سے ملا ہوا ہے جن سے دل سکون حاصل کر لیتا ہے قرائن کی طاقت کے مطابق بھروسہ بھی قوی اور مستحکم ہوگا خصوصاً جب کہ وسیع تجربات اور صحیح فراست بھی حاصل ہو۔ گویا یہ لفظ وثاق (بندھن) سے نکلا ہے۔ یعنی دل اس سے جس پر بھروسہ اور اچھا خیال ہے اور اس کی محبت و معاملہ اور اعتماد کی ڈوری سے بندھا ہوا ہے۔ پھر جب دل سب سے کٹ کر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ آئے تو اس کی قید میں آجاتا ہے اور بندگی کے بندھن سے بندھ جاتا ہے اور مشکل وقت غیر اللہ کی طرف نہیں جاتا بلکہ اللہ تعالیٰ ہی اس کا ہتھیار اس کی قوت اور اس کا ذخیرہ ہوتا ہے۔ اور بندہ اپنی ضروریات اسی سے مانگتا ہے۔

غرۃ (خوش فہمی دھوکہ) یہ ہے کہ کسی کو نفس و شیطان نے اور جھوٹی خواہشات نے دھوکہ دے رکھا ہو اور یہ خوش فہمی ہو کہ گناہوں کے باوجود اللہ تعالیٰ اسے بخش دے گا۔ غرور (دھوکہ) یہ ہے کہ تم اس پر بھروسہ کرو جس پر بھروسہ کیا نہیں جاتا۔ اس سے مطمئن ہو جاؤ جس سے مطمئن ہونا لائق نہیں۔ اور اس جگہ سے فائدے کی امید رکھو جہاں سے فائدہ حاصل ہوا نہیں کرتا۔ جیسے سراب سے دھوکہ کھانے والوں کا حال ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: والذین کفروا اعمالھم الخ کافروں کے عمل سراب کی طرح ہیں جیسے پیاسا پانی سمجھ کر اس کے پاس جائے تو ایک بھی بوند پانی نہ پائے۔ بلکہ قضائے الٰہی پائے پھر اللہ اس سے پورا پورا حساب لے۔ اور اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے' اللہ تعالیٰ نے خوش فہموں کے بارے میں فرمایا قل ھل ننبئکم الخ آپ فرمادیں کیا میں تمہیں اعمال میں نقصان اٹھانے والوں کی خبر دوں؟ یہ وہ ہیں جن کے دنیا میں عمل ضائع ہوگئے اور وہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم اچھے عمل کر رہے ہیں۔ جب پردہ اٹھ جائے گا اور اعمال کے حقائق سامنے آئیں گے تو انہیں معلوم ہوگا کہ وہ کسی عمل پر بھی نہ تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وبدا لھم من اللہ الخ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ معاملہ پیش آئے گا جس کا انہیں خیال بھی نہ تھا۔ ایک مشہور اثر میں ہے جب تم گناہوں کے باوجود اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ریل پیل دیکھو تو اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ۔ یہ استدراج کی حالت ہے قرآن حکیم میں ہے: فلما نسوا ما ذکروا بہ الخ پھر جب وہ وہ چیزیں بھول گئے جن سے انہیں نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے۔ پھر جب وہ نعمتوں پر اترانے لگے تو ہم نے انہیں اچانک پکڑ لیا۔ پھر وہ ناامید ہو گئے۔ یہ سب سے بڑا دھوکا ہے کہ ایک طرف تو نعمتوں کی زیادتی ہے اور

دوسری طرف گناہوں کی طغیانی' شیطان دھوکا دینے پر مقرر ہے۔ اور نفس امارہ اس کے دھوکا میں آ گیا ہے پھر جب بغاوت والی رائے اور گناہ میں ڈالنی والی رائے اور دھوکہ دینے والا شیطان اور دھوکا کھانے والا نفس سب اکٹھے ہو جائیں تو اختلاف نہ ہوگا۔ شیطانوں نے دھوکا کھا جانے والوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دھوکا دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا غیظ وغضب بھڑکانے والے گناہوں کے باوجود اس کے معافی و درگزر کا لالچ دے رکھا ہے اور تسکین قلب کے لیے توبہ کی امیدی بھی دلا دی ہے (کہ ابھی تو دل کھول کے دل کے ارمان نکال لو۔ بعد میں توبہ کر لینا) پھر دلوں میں پھونکتا رہتا ہے کہ ابھی جلدی کیا ہے توبہ کر لینا۔ آخر انسان کو باب توبہ کی طرف پہنچنے بھی نہیں دیتا کہ موت آ کر گلا گھونٹ دیتی ہے۔ شیطان نے لوگوں کو بہت برے حال پر جکڑ رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وغرتکم الامانی الخ اور تمناؤں نے تمہیں دھوکا دیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آ پہنچا۔ اور تمہیں اللہ کی طرف سے شیطان نے دھوکا میں رکھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یا ایھا الناس ان وعد اللہ الخ لوگو! اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے خبردار دنیوی زندگی تمہیں دھوکے میں نہ ڈالے۔ اور نہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے شیطان دھوکے میں ڈالے۔

وہ شخص سخت دھوکے میں ہے جسے اللہ کی نعمتیں حاصل ہیں اور سمجھتا ہے کہ میں ان کا حق دار ہوں۔ اور میرے خیال میں حساب کا دن آنے والا نہیں۔ اس لیے خوب جی بھر کر دل کی خواہشات کیوں نہ نکالوں۔ پھر دھوکے کے سخت اندھیرے میں قدم رکھ کر کہتا ہے کہ اگر میں رب کی طرف گیا بھی تو اللہ تعالیٰ کے پاس میرے لیے بھی جنت وعزت ہے۔ اس طرح شیطان سے دھوکا کھایا ہوا اس کے وعدوں اور آرزوؤں سے دھوکا کھاتا ہے۔ اور دنیوی نعمتیں اور نفس امارہ شیطان کی مدد کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ گناہوں پر ڈٹا رہتا ہے اور ایک دن تباہی کے گڑھے میں گر کر ختم ہو جاتا ہے۔

امید اور تمنا میں فرق

امید کامیابی کے اسباب فراہم کرنے میں بہت محنت اور جدوجہد کے ساتھ وابستہ اور تمنا یہ ہے کہ کامیابی کے اسباب فراہم کیے بغیر سمجھ جائے کہ کامیاب ہو جاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان الذین آمنوا الخ جو لوگ ایمان لائے ہجرت کی اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا یہی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے رجاء والے (امیدوار) ہیں۔ معلوم ہوا کہ سوائے ان لوگوں کے دوسروں سے امید کو ختم کر دیا گیا ہے۔ لیکن خوش فہم لوگ کہتے ہیں کہ دل کھول کر گناہ کرنے والے اور اللہ کے قہر وغضب کو بلانے والے بھی اس کی رحمت کے امیدوار ہیں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ نفس و شیطان اپنے ماننے والوں کو اسی خوش فہمی

میں مبتلا رکھا کرتا ہے۔ امید کا حق اسے پہنچتا ہے جو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے وعدوں کو پیش نظر رکھ کر بڑے شوق و ذوق سے نیکیاں خلوص کے ساتھ کرتا رہتا ہے جیسے کوئی نصب العین سامنے رکھ کر اس کے حاصل کرنے کی ہر طرح کوشش کرتا ہے۔ صحیح امید کی نشانی یہ ہے کہ امیدوار کو اعمال چھوڑنے سے جنت اور جنت کی نعمتوں کے فوت ہو جانے کا ڈر لگا رہتا ہے۔ اس کی مثال اس کی سی ہے جو کسی شریف و معزز عورت پر پیام ڈالے۔ پھر جب نکاح کا اور معززین و اکابرین کے اجتماع کا وقت آئے تو وہ خوب نہا دھو کر اور پاک و صاف ہو کر بہترین کپڑے پہن کر اچھی سے اچھی خوشبو لگا کر اور کمال بن سنور کر نکاح کے لیے روانہ ہو اور راہ میں گرد و غبار سے کوڑے کرکٹ سے اور داغ دھبوں سے نہایت احتیاط سے کپڑوں کو بچائے رکھے پھر جب سسر کے گھر کے دروازے پر پہنچے لوگ اس کا خندہ پیشانی سے خیر مقدم کریں۔ اسے صدر مقام پر بہترین فرش پر بٹھائیں۔ مجلس کی آنکھیں اس پر جم جائیں اور ہر کونے سے اس کی عزت کی جائے۔ اگر یہ شخص بن سنور نے کے بعد کھنڈیوں پر جا بیٹھے یا زمین پر لیٹنے لگے اور میل کچیل اور گندگی سے بھر جائے جو اس کے کپڑوں بدن اور بالوں پر لگ جائے اور اسی حالت میں سسر کے گھر میں سابق وعدے کی بنا پر داخل ہونا چاہے تو چوکیدار اسے مار پیٹ کر ڈانٹ ڈپٹ کر اور دھکے دے کر بھگا دے گا۔ اور اسے پریشان و ناامید ہو کر لوٹنا پڑے گا۔ پہلی حالت امیدوار کی تھی اور یہ حالت متمنی کی ہے۔

ایک اور مثال سنیں۔ ایک بادشاہ ہے جو بہت غیرت مند و امانت دار اور حسن معاملات میں مشہور ہے اور کسی کا حق نہیں مارتا۔ لیکن اسے کوئی دیکھتا نہیں۔ پردے کے پیچھے سے معاملات کرتا ہے اس کا سامان تجارتی مال اور لونڈی غلام معاملہ کرنے والوں کے سامنے موجود ہیں۔ اس کے پاس دو آدمی آتے ہیں ایک اس سے سچائی امانت سے اور بھلائی سے معاملہ کرتا ہے جس سے کبھی دھوکا' خیانت اور مکر و فریب دیکھا ہی نہیں گیا۔ یہ شخص بادشاہ کو اپنا تمام مال فروخت کر دیتا ہے اور اس کے لونڈی غلاموں پر اسے پورا اعتماد ہے۔ یہ شخص جب بادشاہ کو بیچنے کے لیے کوئی چیز لاتا ہے تو اچھی سے اچھی لاتا ہے اور اگر اپنے ہاتھ سے بناتا ہے تو اس کی خوبصورتی و آرائش میں بہت کوشش کرتا ہے اور اس کا باطن ظاہر سے زیادہ خوب بصورت بناتا ہے اور دی ہوئی ہدایات کے مطابق اس کی شکل و صورت مقدار و ہیئت' لطافت و نزاکت اور تمام شرطوں کا پاس رکھتا ہے اور دوسرا شخص ردی چیز لے کر آتا ہے جو خالص بھی نہیں نہ ہمدردی سے بنائی گئی ہے اور نہ ہدایات کے مطابق ہے۔ بلکہ اس نے مرضی کے مطابق بنالی ہے اور ان تمام باتوں کے

باوجود مالک کے غائب ہونے کی وجہ سے موقع پا کر خیانت بھی کر لیتا ہے۔ بادشاہ کے احترام کو برقرار نہیں رکھتا۔ اسے بگاڑنے کی کوشش کرتا ہے اور اگر قادر ہو جائے تو بادشاہ کو ناراض کرنے کی ہر طرح کوشش کرتا ہے۔ اسی حال پر ان دونوں پر ایک زمانہ گزر جاتا ہے۔ ایک دن ان سے کہا جاتا ہے کہ آج بادشاہ اپنے غلاموں کے پاس حساب لینے کے لیے اور انہیں ان کے حقوق دینے کے لیے آئے گا۔ یہ دونوں شخص اس کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں۔ اور بادشاہ ہر ایک کو ان کے حق کے مطابق دیتا ہے۔

ان دونوں مثالوں سے پتہ چلا کہ امیدوار کا نصب العین جنت ہے اور اس کے حاصل کرنے کے لیے دن رات کوشش میں لگا ہوا ہے۔ دراصل رجا دلی رجحان کا نام ہے۔ یہ اسی دلی رجحان کی وجہ سے اپنے حصول مقصد کے لیے پوری پوری تیاری میں لگا ہوا ہے اور اسے ہر وقت کھٹکا لگا ہوا ہے کہ کہیں مقصد جاتا نہ رہے۔ اس لیے سوچ سوچ کر قدم اٹھا رہا ہے۔ رجا کی اصل تنحی (ہٹ جانا) ہے یعنی سب سے کٹ کر محبوب کی طرف دل کا متوجہ ہونا اور نفس امارہ اور اس کی دعوتوں سے ہٹ جانا ہے۔ یہ شان نفس مطمئنہ کی ہے۔ کیونکہ جب دل کی بصیرت کھل جاتی ہے اور اس کی نگاہ آخرت کی نعمتوں اور تکالیف پر ہوتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی اور آخرت کی طرف جو سفر اختیار کرتا ہے تو ڈرتا ڈرتا ہلکا پھلکا بڑھتا ہے اس سے پہلے وہ دنیا میں اور اس کی شہوتوں میں پھنسا ہوا تھا۔ جب نفس کا پردہ اٹھ جاتا ہے تو ہلکا ہو کر نعمت والی جنتوں میں عزیز رحیم کی ہمسائیگی کو طلب کرنے کے لیے بڑھتا ہے۔ پتہ چلا کہ ہر خوف کرنے والا امیدوار ہے۔ اور ہر امیدوار خوف کرنے والا ہے۔ اس لیے ایک دوسرے کی جگہ استعمال کر لیا جاتا ہے کیونکہ امیدوار کا دل ڈرنے والے کے دل کے قریب قریب ہے۔ راجی کا دل نفس امارہ و شیطان کی ہمسائیگی سے ہٹ گیا ہے اور اللہ کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اس کے سامنے جنت کا جھنڈا نصب ہے اور وہ اس کی تیاری میں مصروف ہے اور اس کا دلی رجحان اسی کی طرف ہے اور ڈرتا بھی۔ ان دونوں کی ہمسائیگی سے بھاگ رہا ہے۔ اور دنیا میں ان دونوں کی قیدوں میں پڑنے سے اللہ کی پناہ مانگ رہا ہے کہ کہیں موت کے بعد اور قیامت کے دن انہیں کے ساتھ قید نہ کر دیا جائے کیونکہ انسان دنیا و آخرت میں اپنے قرین کے ساتھ ساتھ ہے۔ پھر جب یہ ڈراوے سنتا ہے تو دونوں گھروں میں برے پڑوس کی ہمسائیگی سے بچنے لگتا ہے اس لیے اسے خائف کہا جاتا ہے اور جب وعدے سنتا ہے تو شوق و مسرت سے کامیابی کی امید پر اس کی طرف اڑنے لگتا ہے اس لیے راجی کہا جاتا ہے۔ جبکہ دونوں حال ایک دوسرے کے لیے ضروری ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مالکم لا ترجون الخ تمہیں کیا ہوگیا کیوں اللہ کی عظمت سے نہیں ڈرتے۔

پہلے گزر چکا ہے کہ رجا ایمان وہجرت وجہاد والوں ہی کے لیے ہے۔ رحمۃ اللعالمین ﷺ نے ایمان کی تفسیر فرمائی کہ ایمان شاخوں والا اور ظاہری وباطنی اعمال والا ہے۔ ہجرت کی تعریف فرمائی کہ گناہ چھوڑنا ہجرت ہے۔ جہاد کے بارے میں فرمایا کہ اصل جہاد اللہ تعالیٰ کے حقوق کے بارے میں نفس سے ہے۔ امانی (تمنائیں) مفلسوں کا سرمایہ ہیں جنہیں انہوں نے رجا کے سانچے میں ڈھال لیا ہے جبکہ یہ ان کی صرف امیدیں ہیں۔ یہ ایسے دل سے نکلتی ہیں جس پر نفسانی خدشوں کی بھیڑ ہوتی ہے۔ دل ان کے دھوئیں سے بھر جاتا ہے۔ نفس اسے اپنی شہوتوں میں استعمال کرنے لگتا ہے اور اسے حسن عاقبت وحسن نجات سے بہلاتا اور عفو ومغفرت کا حوالہ دیتا رہتا ہے کہ کریم اپنا پورا حق نہیں لیا کرتا۔ گناہوں سے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا اور رب کی مغفرت سارے گناہ ختم کر دے گی۔ اس تمنا کا نام رجا رکھ لیا گیا ہے۔ جبکہ یہ وسوسہ شیطانی اور غلط امیدیں ہیں۔ جو نفس امارہ جاہل دلوں میں پھونکتا رہتا ہے اور ان سے دل بہل جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لیس بامانیکم الخ تمہاری آرزوؤں اور اہل کتاب کی آرزوؤں پر نجات نہیں جو برے عمل کرے گا اسے بدلہ ضرور ملے گا اور وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو اپنا دوست ومددگار نہ پائے گا۔ جب بندہ رب کی دوستی اور اس کی مدد کو ٹھکرا دیتا ہے تو اللہ بھی اس کی دوستی ٹھکرا دیتا ہے اور اس کے دوست نفس وشیطان بن جاتے ہیں اور انسان کو اس کے نفس پر چھوڑ دیا جاتا ہے پھر یہ اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر نفس کی مدد پر رہ جاتا ہے۔ اور اللہ کی مدد ودوستی کہ جگہ نفس وشیطان کی ولایت اور نفس وہوا کی مدد لے لیتی ہے اور رجا کے لیے جگہ باقی نہیں رہتی۔ اگر تم سے نفس کہے کہ میں رجا کے مقام پر ہوں تو اس سے ثبوت مانگو اور کہہ دو کہ یہ تو آرزو ہے۔ ہوشیار طمع ورجا پر نیکیاں کرتا رہتا ہے اور بے وقوف وسست نیکیاں چھوڑ دیتا ہے اور امیدوں پر اعتماد کر کے بیٹھ جاتا ہے اور انہیں رجا کے نام سے پکارتا ہے واللہ الموفق۔

اظہار نعمت وفخر میں فرق

نعمت کو ظاہر کرنے والا منعم کی خوبیوں کا اظہار کرتا ہے اس اس کی بخشش احسان کی تعریف کرتا ہے ایک طریقہ سے اس کا شکر ادا کرتا ہے اور اس کی تمام نعمتوں کو نشر کرتا ہے جس سے اس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ اللہ کی صفتوں کا اظہار ہو۔ اس کی حمد وثنا اور نفس کو اسی سے مانگنے پر ابھارا جائے اور دوسروں سے امید ختم کر لی جائے اور اسی سے محبت وامید کا شوق دلایا جائے۔

فخر یہ ہے کہ ان نعمتوں کی وجہ سے لوگوں پر اپنی بڑائی جتائی جائے۔ اور انہیں یہ بات دکھائی جائے کہ میں تم سب سے عزت والا اور اونچا ہوں۔ تاکہ ان کی گردنوں پر سوار ہو کر ان کے دل غلام بنا لیے جائیں اور انہیں اپنی تعظیم و خدمت کی طرف متوجہ کیا جائے۔ نعمان بن بشیر کا بیان ہے کہ شیطان کے جال بھی ہیں اور پھندے بھی ہیں۔ ایک جال یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے ذریعے پکڑ لے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے بندوں پر غرور و فخر کرنے لگے۔ اور غیر اللہ کے آگے جھکنے لگے۔

فرحِ قلب اور فرحِ نفس میں فرق

دل کی خوشی اللہ تعالیٰ پر ایمان لا کر اس کی پہچان و محبت پیدا کر کے اور اس کا کلام پڑھ کر حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **والذین اتیناهم الکتاب یفرحون بما انزل الیک** ''جن کو ہم نے کتاب دی وہ آپ کی طرف اتارے گئے احکام سے خوش ہوتے ہیں پھر جب اہل کتاب وحی سے خوش ہوتے ہیں تو اللہ والے تو ان سے بھی زیادہ اس سے خوش ہونے کے حق دار ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **واذا ما انزلت سورة۔ الخ** اور جب ان پر کوئی سورت اتاری جاتی ہے تو کچھ ان میں سے سوال کرتے ہیں کہ اس نے کس کا ایمان زیادہ کیا؟ پھر یہ ایمان والوں کا ایمان زیادہ کر دیتی ہے اور وہ خوش ہو جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **قل بفضل الله الخ** آپ فرما دیں کہ اللہ نے فضل اور اس کی مہربانی سے مومنوں کو خوش ہونا چاہیے یہ ان کے جمع کردہ مال سے بہتر ہے۔

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فضل قرآن ہے اور اس نے تمہیں اپنی مہربانی سے اس کا اہل بنایا۔ ہلال بن یساف کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور اس کا فضل اسلام ہے جس کی اس نے ہدایت فرمائی۔ اور قرآن ہے جو تم کو سکھایا جو تمہارے جمع کیے ہوئے سونے چاندی سے کہیں بہتر ہے۔ ابن عباسؓ اور اکثریت کے نزدیک فضل اسلام ہے اور رحمت قرآن ہے۔ یہ دل کی خوشی ہے اور ایمان سے ہے اور اس پر ثواب ملتا ہے کیونکہ اس سے خوش ہونا اس سے راضی ہونے کی نشانی ہے بلکہ فرح رضا سے بھی اوپر ہے کیونکہ اس سے فرح بقدر محبت کے حاصل ہوتی ہے کیونکہ خوشی محبوب کے ملنے سے محبت کے مطابق پیدا ہوتی ہے یہ اللہ تعالیٰ پر اس کے اسماء و صفات پر اس رسول پر اور اس کی سنت پر ایمان کا جوہر خلاصہ اور مغز ہے اور دل میں اس فرح سے ایک عجیب قسم کی عبودیت اور اثر ظاہر ہوتا ہے جس کی تعبیر الفاظ میں نہیں آ سکتی اس لیے یہ خوشی اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں میں افضل ہے بلکہ تمام نعمتوں کا عطر ہے۔ اسی خوشی پر آخرت کی خوشی کا دارو مدار ہے۔ محبوب تک پہنچنے کی فرح محبت کے ضعف و قوت

کے مطابق پیدا ہوتی ہے۔ فرح قلبی کی یہی شان ہے دل کے لیے ایک اور فرح بھی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے انعامات والی فرح جو اس کے ساتھ معاملات سے اخلاص و توکل سے اور خوف و امید سے پیدا ہوتی ہے اور جیسے جیسے یہ چیزیں دل میں جڑ پکڑتی ہیں فرح و مسرت میں زیادتی ہوتی ہے ایک اور فرح بھی ہے جو بڑی اثر والی اور حیران کرنے والی ہے یہ وہ فرح ہے جو دل کو توبہ سے حاصل ہوتی ہے گناہ سے دل کو ایسی خوشی حاصل نہیں ہوتی جیسی توبہ سے حاصل ہوتی ہے۔

توبہ کی لذت

اگر گنہگار کو پتہ چل جائے کہ توبہ کی لذت گناہوں کی لذت سے ہزار درجہ بڑھی ہوئی ہے تو گناہوں کی بہ نسبت توبہ کی طرف دوڑ کر جائے۔ اس لذت کا راز وہی جانتا ہے جسے بندے کی توبہ سے اللہ تعالیٰ کی طرح کا حال معلوم ہے کہ اس کی حد بندی ہی نہیں ہو سکتی۔ رحمۃ اللعالمین ﷺ نے اس کی ایک مثال بیان فرمائی ہے اور اس میں انسان کی وہ مسرت ظاہر فرمائی ہے جس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی اور مسرت نہیں مطلب ہے ایک شخص اپنے کھانے پینے کا سامان لاد کر سواری پر سوار ہو کر چل پڑتا ہے۔ چلتے چلتے کہیں آرام کے لیے ٹھہر جاتا ہے اور سواری باندھ کر لیٹ جاتا ہے اتفاق سے اس کی آنکھ لگ جاتی ہے پھر جو آنکھ کھلتی ہے تو سواری گم پاتا ہے۔ چٹیل میدان ہے اور جاہی منہ پھاڑے ہوئے ہے۔ بے چارے کے سنانا نکل جاتا ہے۔ چاروں طرف اسے ڈھونڈھتا ہے مگر وہ نہیں ملتی۔ ناامید ہو کر اسی مقام پر آ کر موت کے انتظار میں بیٹھ جاتا ہے آخر چاند طلوع ہو جاتا ہے اور دور دور تک اس کی روشنی پڑنے لگتی ہے غور سے دیکھتا ہے تو چاندنی رات میں اسے اپنی سواری نظر آ جاتی ہے جس کی نکیل ایک درخت سے الجھی ہوئی ہے خوشی کے مارے پھولا نہیں سماتا اور خود فراموشی میں بلا ارادہ اس کی زبان سے نکل جاتا ہے کہ اے اللہ تعالیٰ تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں۔ بے چارے کو خوشی کی وجہ سے یہ خبر بھی نہیں رہتی کہ کیا کہہ رہا ہے؟ فرمایا: اس سے بھی زیادہ اللہ کو اپنے بندے کی توبہ سے خوشی ہوتی ہے۔ اسلئے یہ اس سچائی سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ انسان کو توبہ سے تخت قسم کی خوشی حاصل ہوتی ہے۔

توبہ کی لذت کب حاصل ہوتی ہے؟

یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اس قسم کی مسرت سخت غم و دکھ اور مصیبتیں برداشت کرنے کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ اگر انسان تکالیف و غموں پر صبر کرتا رہے تو اسے اس خوشی کی لذت حاصل ہو جائے گی

ورنہ کچھ بھی حاصل نہ ہوگا اور انجام یہ ہوگا کہ جس لذت کو ترجیح دی تھی (گناہ کی لذت) وہ بھی ہاتھ سے جاتی رہے گی اور اسے غم کی مٹھاس چکھنی پڑے گی۔ جو تکلیف دہ چیزوں کے وجود اور آرام دہ چیزوں کے جاتے رہنے سے مرکب ہوگی۔

انتہائی اونچی قسم کی فرح

ایک فرحت تمام مسرتوں اور لذتوں سے اونچی اور سب کا نچوڑ ہے وہ اس وقت حاصل ہوتی ہے جب بندہ دنیا چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف بڑھنے لگتا ہے اس وقت اس کے پاس فرشتے آ کر اسے اللہ تعالیٰ کے دیدار کی خوشخبری سناتے ہیں

مدت سے ہمیں اس سے ملنے کی تمنا تھی
آج اس نے بلایا ہے لینے کو قضا آئی

اور ملک الموت روح کو نکل آنے کا حکم دیتے ہیں اور اسے اللہ تعالیٰ کی رحمت و روزی اور رضا کا مژدہ سناتے ہیں۔ اگر توبہ کرنے والے کے سامنے صرف یہی ایک خوشی ہو تو عقل کا تقاضا ہے کہ اسی کو برتری دے لیکن اللہ اکبر۔ یہاں تو مومن کے لیے طرح طرح کے مسرت کے سامان مہیا ہوتے ہیں ایک طرف پیاری روح کے استقبال کے لیے پیاری صورتوں میں فضا میں زمین سے لے کر آسمان تک فرشتوں کا اجتماع ہے دوسری طرف روح کے لیے آسمانوں کے دروازے کھل رہے ہیں فرشتے دعائیں مانگ رہے ہیں اسے ہر آسمان کے مقرب فرشتے رخصت کر رہے ہیں سبحان اللہ کتنی مسرت کا مقام ہے کہ آج روح کو اپنے رب اپنے دوست اور اپنے محبوب کے سامنے کھڑے ہونے کی اور سجدہ کرنے کی اجازت مل گئی ہے

یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

پھر رب کے کلمات سننے کی خوش نصیبی بھی حاصل ہے کہ فرشتو! میرے بندے کا اعمال نامہ علیین میں لکھ لو۔ پھر جنت کی سیر کرائی جاتی ہے اللہ تعالیٰ کی تیار کردہ نعمتیں دکھائی جاتی ہیں۔ کہ یہ آپ ہی کے لیے ہیں۔ احباب و اقارب سے ملاقات ہوتی ہے۔ سب خوش ہوتے ہیں جیسے کوئی صدیوں کا بچھڑا ہوا پیارا اپنے پیاروں سے مل کر خوش ہوتا ہے یہ سب کو اچھے حال میں دیکھتا ہے اور پچھلوں کے حالات سناتا ہے یہ تمام مسرتیں فرح اکبر سے پہلے پہل ہیں۔ حشر کے دن کی مسرتوں کا حال کیا پوچھتے ہو۔ عرش بریں کا ٹھنڈا ٹھنڈا سایہ ہوگا۔ کوثر کے کناروں تک بھرے پیالے ہوں گے دائیں ہاتھ میں اعمال نامہ ہوگا۔

نیکیوں کا پلہ جھک رہا ہوگا۔ چہرہ خوشی کی وجہ سے گلاب کو شرمارہا ہوگا۔ ایک بے مثال بجلی کی روشنی آگے آگے ہوگی۔ کسی رکاوٹ کے بغیر جہنم کے پل پار کرنے کے اسباب فراہم ہوں گے اور ابواب جنت کھٹکھٹانے کے بھی موقف میں بھی جنت قریب ہی تھی۔ رضوان و ملائکہ دور ہی سے سلام کر رہے ہوں گے۔ مبارکیں دے رہے ہوں گے۔ قابل رشک مرتبوں وحملوں کی نوید جانفزا سنا رہے ہوں گے اور حور و غلمان کی بشارت دے رہے ہوں گے پھر اس کے بعد ایک اور خوشی ہے جس کے سامنے تمام خوشیاں کچھ بھی نہیں یہ خاص اللہ والوں کے لیے ہے جنہیں اپنے رب کے دیدار پر یقین تھا۔ اور ایمان تھا کہ وہ قیامت کے دن اپنے محبوب رب کا چہرہ اقدس دیکھیں گے آج اوپر سے ان کا رب انہیں سلام کرے گا ان سے باتیں کرے گا اور آمنے سامنے کلام فرمائے گا۔

رقت قلب و جزع میں فرق

جزع نفسانی کمزوری اور قلبی خوف ہے جسے شدت حرص وطمع تقویت پہنچاتی ہے اور یہ تقدیر پر ایمان کی کمزوری سے پیدا ہوتی ہے ورنہ جب یہ یقین ہو کہ تقدیر کا لکھا تو ہر حال میں پیش آ کر ہی رہے گا تو ہائے وائے محض تکلیف ایک دوسری مصیبت ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **ما اصاب من مصیبۃ فی الارض** تم ورد ے زمین پر یا خود تمہارے نفسوں میں جو مصیبت پہنچتی ہے وہ اس کے پیدا کرنے سے پہلے ہی ایک کتاب میں ہے۔ بے شک یہ بات اللہ پر بہت آسان ہے تاکہ چلے جانے والی چیزوں پر غم نہ کھاؤ۔ اور حاصل شدہ نعمتوں پر غرور نہ کرو۔

دل کی نرمی شرع کے خلاف نہیں کیونکہ رقت صفت رحمت سے پیدا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نرم مزاج بندوں پر رحم فرماتا ہے۔ رحمۃ اللعالمین ﷺ بہت نرم دل تھے اور انتہائی صابر بھی۔ معلوم ہوا کہ نرم دلی رحمت و شفقت ہے۔ اور ہائے ہائے کرنا بیماری اور کمزوری ہے۔ جزع دنیا میں بیمار دل کی کیفیت ہے جسے نفس امارہ کے دھوئیں نے سیاہ کر کے اس کی سانسیں تنگ کر دی ہوں اور اس پر آخرت کی راہیں بند کر دی ہوں اور نفس و خواہشات کی جیل میں بند کر دیا ہو۔ جو انتہائی تنگ و اندھیری ہے اس لیے وہ ذرا سی مصیبت بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ اور گھبرا اٹھتا ہے۔ اگر دل میں وعدوں پر ایمان و یقین کا نور ہو اور دل اللہ تعالیٰ کے جلال و محبت سے بھرا ہوا ہو تو نرم ہو جائے در اس میں رافت و رحمت جھلکنے لگے۔ پھر تم اسے ہر عزیز و مسلمان پر رحیم و شفیق پاؤ۔ انسان تو انسان وہ تو بل میں چیونٹی پر اور آشیانے میں پرندے پر بھی بہت مہربان ہو جاتا ہے۔ یہ دل اللہ تعالیٰ سے قریب تر ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ

رحمۃ اللعالمین ﷺ بچوں پر بہت ہی مہربان تھے جب اللہ تعالیٰ کسی پر رحم کرنا چاہتا ہے تو اس کے دل میں رحم ونرمی کا جذبہ پیدا فرما دیتا ہے۔ اور اگر اسے عذاب میں مبتلا کرنا چاہتا ہے تو اس کے دل سے جذبہ رحمت وشفقت نکال دیتا ہے اور ان کی جگہ سختی وسنگ دلی رکھ دیتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ بد بخت سے رحمت نکال دی جاتی ہے۔ اسی حدیث میں ہے جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔ زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا۔ جنت والے تین قسم کے ہیں۔ انصاف پسند وصدقہ کرنے والا بادشاہ ہر عزیز ومسلمان پر مہربان ونرم دل شخص اور بچوں والا ہاتھ نہ پھیلانے والا پاک دامن شخص۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تمام امت پر اسی لئے فضیلت ہے کہ آپ کے دل میں عام رحمت تھی۔ جو صدیقیت سے بھی زیادہ تھی اسی وجہ سے اس کا اثر تمام مقامات پر دیکھا گیا۔ یہاں تک کہ غزوۂ بدر والے قیدیوں میں بھی رہائی کا آپ ہی کے مشورہ پر فیصلہ ہوا۔ رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے تشبیہ دی۔

موجدۃ اور حقد میں فرق

وجد (ناراضی۔ غم) درد وہ چیز کا احساس وعلم ہے کہ دل اسے ہٹانے کی کوشش میں مصروف ہو جائے۔ اسلئے وجد کمال ہے۔

اور حقد دل میں برائی رکھ کر ہر وقت اس بات کی امید رکھنا کہ دوسرے میں یہ برائی پائی جائے۔ یہ نکروں سے کبھی اجتماع نہیں۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ وجد تم کو دوسروں سے پہنچتا ہے اور حقد تم سے دوسروں کو پہنچتا ہے یعنی وجد اس تکلیف کا نام ہے جو تم کو پہنچ رہی ہے اور حقد اس مقابلہ کا وجود ہے جو تم سے دوسروں کو پہنچ رہا ہے۔ اسلئے وجد تو بہت جلدی ختم ہو جاتا ہے اور حقد آسانی سے ختم ہونے والا نہیں۔ حقد دل کی تنگی سے اور نفس کی تاریکی اور دھوئیں کے غلبہ سے پیدا ہوتا ہے۔ اور موجدۃ دل کی قوت وصلابت سے اور اس کے نور د احساس سے۔

منافست اور حسد میں فرق

ستھرائی منافست میں اس کمال کی رغبت پائی جاتی ہے جسے تم دوسروں میں دیکھو۔ اور اپنے اندر بھی اسے پیدا کرنے کی کوشش کرو۔ بلکہ اس کمال میں بڑھنے کی کوشش کرو۔ یہ صفت نفس کی شرافت و بلند

ہمتی اور بزدلی ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وفی ذالک فلیتنا فس المتنا فسون اور رغبت کرنے والوں کو انہی جیسی نیکیوں میں رغبت کرنی چاہیے۔

لفظ منافست 'نفیس' سے بنا ہے۔ عمدہ چیز کی طرف عموماً لوگوں کو پسندیدگی ہوتی ہے اور اسے حاصل کرنے کی کوشش کیا کرتے ہیں۔ اور اگر چند آدمی اسے مل کر حاصل کریں تو ہر شخص آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے اور خوش ہوتا ہے۔ صحابہ کرامؓ نیکیوں میں آگے بڑھنے کی کوشش کیا کرتے تھے اور شرکت سے خوش ہوتے تھے۔ بلکہ ان پر ایک دوسرے کو ابھارا کرتے تھے اور سب ہی اس میں حصہ لیا کرتے تھے۔ منافست 'مسابقت (دوڑ) کی ایک قسم ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: فاستبقوا الخیرات نیکیوں میں دوڑ لگاؤ جس کا عرض آسمان کے عرض کی طرح ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے آگے بڑھنے کی کوشش میں رہتے تھے۔ مگر کبھی آگے نہ بڑھ سکے۔ پھر جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہو گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اب میں کبھی آپ کے ساتھ دوڑ نہیں لگاؤں گا۔ اور فرمایا میں نے جس نیکی میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ دوڑ لگائی میں ان سے پیچھے ہی رہا۔ ہر دفعہ وہی جیتے۔ دو متنافس ان دو غلاموں کی طرح ہیں جو اپنے مالک کی پسندیدہ اور محبوب چیزوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں مالک دونوں سے خوش ہوتا ہے اور وہ آپس میں بھی ایک دوسرے سے خوش ہیں۔

حسد ایک قابل مذمت اور گری ہوئی عادت ہے۔ اس میں نیکی کی حرص کارفرما نہیں ہوتی۔ نفس اپنی سستی اور عاجزی کی وجہ سے ان سے جلنے لگتا ہے جو قابل تعریف نیک کاموں میں آگے بڑھتے ہیں اور یہ بدارادہ رکھتا ہے کہ کاش وہ نیک کاموں کو چھوڑ دیں تا کہ اسی سطح پر آ کھڑے ہوں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ودوالو تکفرون الخ کافر چاہتے ہیں کہ ان کی طرح تم بھی کافر ہو جاؤ اور تم سب برابر ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ود کثیر من اھل الکتاب بہت سے اہل کتاب چاہتے ہیں۔ کاش وہ تمہیں تمہارے ایمان کے بعد کافر بنا دیں۔ تم سے انہیں جلن ہے جبکہ سچائی ظاہر ہے۔ معلوم ہوا کہ حاسد نعمت کا دشمن ہے اور دوسروں سے اس کے جاتے رہنے کی خواہش کرتا رہتا ہے کہ اگر میرے پاس نہیں تو اس سے بھی چھن جائے اور نفیس نعمت میں آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے اور خواہش مند ہوتا ہے کہ یہ نعمت مجھ پر اور میرے ساتھیوں پر مکمل ہو جائے اس کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ دوسروں سے بڑھ جائے یا کم از کم ان کے برابر ہی ہو جائے۔ اور حاسد نعمت کے ختم ہونے کی خواہش کرتا ہے۔ اکثر نیک و قابل لوگ منافست سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اگر کوئی کسی قابل شخص کو نمونہ بنا کر کسی نیکی یا نعمت کی طرف بڑھے

تو اسے بہت فائدہ ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کی خواہش ہوتی ہے کہ میں اسے پکڑ لوں اور اگر ہو سکے ہو تو آگے بھی بڑھ جاؤں۔ کبھی منافست محمودہ پر بھی حسد بول دیا جاتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے دو ہی شخصوں پر حسد (منافست) ہے۔ ایک تو اس پر جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن دیا ہو اور وہ اس پر دن رات عمل کر رہا ہوں اور دوسرا اس پر جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو۔ اور وہ اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں لٹا رہا ہو۔ اسے اردو میں رشک یا غبطہ کہتے ہیں۔

محبت ریاست و محبت امارت میں فرق

محبت ریاست و محبت امارت میں فرق وہی ہے جو تعظیم شرع اور تعظیم نفس میں فرق ہے۔ دین کی عظمت کرنیوالا یہی چاہے گا کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جائے اور گناہوں سے دامن بچایا جائے۔ اللہ کا دین بلند ہو اور ہر جگہ اسی کا بول بالا ہو۔ لوگ شرعی قوانین کے مطابق زندگیاں ڈھال لیں اور اللہ تعالیٰ کے احکام معاشرتی زندگی میں داخل کر لیں یہ شخص جذبہ پرستش میں بھی مخلص ہے اور لوگوں کو پیغام الٰہی پہنچانے میں بھی اسی لیے وہ دینی امامت چاہتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے پرہیزگاروں کا امام بنا دے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے اس کی پیروی کریں۔ جیسے یہ اللہ کے نیک بندوں کی پیروی کر رہا ہے پھر اگر یہ اللہ کا بندہ جو دعوت الی اللہ کا علمبردار ہے یہ خواہش کرے گا کہ وہ لوگوں کی نگاہوں میں معزز دلوں میں محبوب و رعب والا اور ایسا بن جائے کہ لوگ اس کے نقش قدم پر چلیں اور اس کے ذریعہ اللہ کے رسول کے نقش قدم کا سراغ لگا سکیں تو کوئی حرج نہیں بلکہ اس کی یہ خواہش قابل تعریف ہے۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین کے پھیلانے کا پاک جذبہ رکھتا ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کی جائے اسی کو مانا جائے۔ توحید پھیلائی جائے۔ دین کا چرچا کیا جائے اور لوگ اس کی اطاعت کریں۔ گویا وہ ایسی طاقت چاہتا ہے جو اس کے نیک مقصد میں مددگار ثابت ہو اور وہ یہ نیک کام آسانی سے انجام دے سکے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص و مقرب بندوں کا قرآن حکیم میں ان کے بہترین اعمال و اوصاف کے ساتھ ذکر فرمایا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: والذین یقولون ربنا هب لنا الخ اور جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنا۔ یعنی ان کی یہ خواہش ہے کہ ان کی بیوی بچے اللہ کے اطاعت کرنے والے بندے بن جائیں تاکہ ان کی آنکھوں میں ٹھنڈک ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت و عبودیت پر نیک لوگ ان کی پیروی کریں تاکہ ان کے دلوں کو خوشی حاصل ہو۔ کیونکہ

اطاعت پر امام ورعایا آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔اسلیئے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے ایسی چیز مانگی جس سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت وخوشنودی کے کاموں پر نیک لوگوں کا ہاتھ بٹائیں اور وہ امامت کے ساتھ لوگوں کو اللہ کا پیغام پہنچاتا ہے اس امامت کی بنیاد صبر ویقین ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وجعلنا هم ائمة. الیخ جب انہوں نے صبر کیا اور ہماری آیتوں پر یقین کیا تو ہم نے انہیں پیشوا بنا دیا کہ ہمارے حکم کی رہنمائی کریں۔ان کی امامت کے لیے دعا گو یہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں پیشوا کی ہدایت دے عملوں کی توفیق دے اور مفید علم ونیک عمل سے ظاہر و باطن آراستہ فرمائے جن کے بغیر امامت مکمل نہیں ہوتی۔غور کیجئے اللہ تعالیٰ نے انہیں ان آیتوں میں اپنے اسم رحمٰن کی طرف منسوب فرمایا۔تاکہ لوگوں کو اچھی طرح معلوم ہو جائے کہ انہیں یہ نعمت صرف اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور جود وکرم سے نصیب ہوئی ہے اور اس پر بھی غور کیجئے کہ اس صورت میں ان کی جزا جنت کے عالی شان محل بتائی گئی۔چونکہ دین میں پیشوائی کا بہت بلند مقام ہے۔اس لیے اس کی جزا بھی اسی کے مطابق ہونی چاہیے۔حکومت و ریاست اس لیے طلب کی جاتی ہے کہ حکام ورئیس لوگوں کی گردنوں پر چڑھ بیٹھیں اور ان کے دل اپنی طرف متوجہ کر لیں۔تاکہ وہ اپنے مقصد میں ان کے مددگار ثابت ہوں اور حکام ان پر غالب وقاہر رہیں۔اس سے بے شمار خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔بغاوت حسد' سرکشی' حقد' ظلم' فتنہ' نفسانی حمایت وحمیت' حقوق شرعیہ کی توہین رذیلوں کی عزت اور معزز اہل دین کی توہین وغیرہ۔دنیوی ریاست کی یہی جڑیں ہیں اور انہیں سے بلکہ ان سے بھی بہت زیادہ خرابیوں ہی کے بعد حکومت حاصل ہوتی ہے۔حاکموں کو بظاہر یہ خرابیاں محسوس نہیں ہوا کرتیں۔ہاں جب پردے اٹھیں گے تب یہ خرابیاں نظر آئیں گی۔خصوصاً اس وقت جب ان کا انجام چیونٹیوں کے روپ میں ہوگا کہ موقف والے اپنے پیروں سے انہیں روندتے چلے جائیں گے تاکہ ان کی خوب ذلت ورسوائی ہو۔کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے دین کو ذلیل ورسوا کیا تھا۔اور اس کے بندوں کو ذلیل سمجھا تھا۔اور تکبر ورعونت سے ان پر چڑھ بیٹھے تھے۔

محبت فی اللہ میں اور محبت مع اللہ میں فرق

یہ ایک اہم بہت اہم فرق ہے اور ہر شخص کو اس کی سخت ضرورت ہے۔اس لیے اسے خوب ذہن میں بٹھا لینا چاہیے۔

حب فی الله کمال ایمان میں سے ہے اور حب مع الله عین شرک ہے۔

محبت میں محب اللہ تعالیٰ کی محبت کے تابع ہوتا ہے جب انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت

مضبوط ہو جاتی ہے تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اسے انہی سے محبت ہو جن سے اللہ تعالیٰ کو محبت ہے۔ پھر جب بندہ ان سے محبت کرنے لگتا ہے جن سے ان کا رب اور محبوب محبت کرتا ہے تو اس کی یہ محبت اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور اللہ تعالیٰ کے حقوق کے سلسلے میں ہے۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے ایک مسلمان انبیائے کرام سے اولیائے عظام سے اور فرشتوں سے محبت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی دشمنی کی وجہ سے اس کے دشمنوں سے دشمنی رکھتا ہے۔ اس قسم کی محبت وعداوت کی نشانی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دشمن اس کے ساتھ کتنا ہی احسان کرے اور اس کی ضروریات پوری کرے لیکن پھر بھی اس کی دشمنی محبت سے نہیں بدلے گی۔ اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ کے دوست سے کوئی تکلیف پہنچ جائے تو اس کی دوستی عداوت سے نہیں بدلے گی۔ چاہے یہ تکلیف غلطی سے پہنچ جائے یا جان بوجھ کر چاہے اس کا ذریعہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہو یا تاویل یا اجتہاد یا بغاوت جس سے توبہ کرلی ہو۔

دین کے چار اصول

تمام دین چار اصولوں پر گھومتا ہے محبت عداوت تعمیل احکام اور اجتناب ممانعت۔ اسلیے جس کی محبت عداوت تعمیل اور اجتناب اللہ کے لیے ہے۔ اس کا ایمان مکمل ہے اور جس نے ان چار اصولوں میں سے کسی میں کوتاہی کی بقدر اس کے اس کے ایمان میں نقص آجائے گا۔

حب مع اللہ کی اقسام

اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کی دو قسمیں ہیں اور دونوں توحید کے مخالف ہیں ایک قسم اصل توحید میں رکاوٹ ڈالتی ہے۔ اور شرک ہے اور دوسری قسم کمال اخلاص ومحبت میں رکاوٹ ڈالتی ہے مگر اسلام سے نہیں نکالتی۔ پہلی قسم کی مثال مشرکوں کی اپنے بتوں اور دیوتاؤں سے محبت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ومن الناس من یتخذ الخ کچھ ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے شریک بنا کر اللہ کی محبت کی طرح ان سے محبت کرنے لگتے ہیں یہ مشرک ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ساتھ اپنے بتوں سے بھی محبت کرتے ہیں۔ یہ موالات ومعبودیت کی محبت ہے۔ جس کے نتیجے میں ان سے خوف وامید اور سوال ودعا کرنے لگتے ہیں اور ان کی عبادت بھی کرتے ہیں۔ یہ محبت خالص شرک ہے جسے اللہ تعالیٰ بغیر خالص توبہ کے معاف کرنے والا نہیں۔ ان بتوں سے سخت دشمنی اور انتہائی عداوت کے بغیر ایمان ہی نہیں۔ بلکہ بتوں کے پوجنے والوں سے بھی بغض ودشمنی اور لڑائی جھگڑا ضروری ہے۔ اسی کام کے لیے اللہ تعالیٰ نے تمام

انبیائے کرام علیہم السلام بھیجے اور تمام آسمانی کتابیں اتاریں۔ اور اسی محبت شرکیہ کی وجہ سے جہنم پیدا کی اور ان کے لیے جنت پیدا کی جو مشرکوں سے اس سلسلے میں لڑتے جھگڑتے ہیں اسلیئے اگر کوئی شخص ثری سے لے کر ثریا تک کسی چیز کی عبادت کرے اس نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنا معبود بنالیا اور اللہ کو اس کے ساتھ شریک کرلیا چاہے وہ کوئی بھی ہو۔ اس لیے ایک فرزند توحید کو اس سے بیزار و متنفر ہونا ضروری ہے دوسری قسم کی محبت بیوی بچوں سونے چاندی کھیتی باڑی کاروبار اور گھوڑوں اور جانوروں سے ہے۔ یہ شہوانی محبت ہے۔ جس طرح بھوکے کو کھانے سے اور پیاسے کو پانی سے ہوتی ہے۔ اس محبت کی تین قسمیں ہیں۔ اگر اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی محبت و طاعت حاصل ہو اور اس کی رضا کے کاموں کا شوق پیدا ہو تو ثواب ملے گا۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کی ایک قسم ہوگی یہ حال سب سے افضل انسان کا تھا۔ جنہیں دنیا میں عورتوں اور خوشبو سے محبت تھی اور ان دونوں کی محبت آپ کے لیے اللہ تعالیٰ کی محبت میں تبلیغ رسالت میں اور تعمیل احکام میں مددگار ثابت ہوتی تھی۔ اگر یہ محبت طبعی خواہش و ارادے کی وجہ سے ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے کاموں میں خلل انداز نہیں ہے اور ٹکراؤ کے وقت شرعی کام ہی مقدم رکھے جاتے ہیں۔ تو جائز ہے اور اس پر پکڑ نہ ہوگی۔ لیکن اللہ تعالیٰ سے جو محبت ہے اس کے کمال میں فرق ضرور آ جائے گا اور اگر یہی اصلی مقصد ہو اور کوئی اسی کی کمائی میں پریشان اور فکر مند رہ جائے اور اسے شرعی کاموں پر ترجیح دے تو ایسا شخص ظالم و خواہش کا پجاری ہوگا۔ اسلیئے پہلی قسم کی محبت نیکیوں میں سبقت کرنے والوں کی ہے۔ دوسری قسم کی درمیانی لوگوں کی ہے اور تیسری قسم ظالموں کی ہے۔ یہ مقام خوب ذہن نشین کرلو۔ اور ان محبتوں میں فرق یاد رکھو کیونکہ یہی محبت نفس امارہ اور نفس مطمئنہ کا میدان جنگ ہے۔

توکل و عجز میں فرق

توکل ایک قلبی صفت اور دل کی عبادت ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ پر اعتماد و بھروسہ ہوتا ہے بندہ اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آ کر اپنے تمام معاملات اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ تقدیر پر راضی رہتا ہے۔ کیونکہ اسے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے کافی ہے اور وہ اس کے لیے اچھی ہی صورتیں پیدا کرے گا۔ اس لیے وہ تمام ظاہری اسباب فراہم اور حاصل کرنے میں محنت بھی کرتا ہے۔

رحمۃ اللعالمین ﷺ سب سے زیادہ توکل والے تھے۔ جبکہ آپ لڑائی میں زرہ بھی پہنتے تھے بلکہ

غزوۂ احد کے دن دو دو زرہ جسم پر پہنی ہوئی تھیں۔ اور تین دن غار ثور میں چھپے رہے۔ پتہ چلا کہ آپ ظاہری اسباب کے ساتھ متوکل تھے۔ یہ نہ تھا کہ ظاہری اسباب چھوڑ بیٹھیں۔ عاجزی یہ ہے کہ یا تو ظاہری اسباب ہی چھوڑ دیئے جائیں یا ظاہری اسباب فراہم کر کے انہیں پر نظر رکھی جائے اور مسبب الاسباب سے منہ موڑ لیا جائے اور اگر بھولے سے مسبب الاسباب کا خیال آ بھی جائے تو اس سے دلچسپی نہ ہو اور اس سے پورا پورا تعلق پیدا نہ ہو بلکہ دل اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو اور بدن سبب کے ساتھ۔ اس جگہ پر لوگ تین حصوں میں بٹ گئے ہیں۔ ایک گروہ تو توکل کے لیے اسباب ہی چھوڑ بیٹھا۔ البتہ درمیانی گروہ توکل کی حقیقت کو پہنچ گیا۔ اور وہ سمجھ گیا کہ بغیر اسباب توکل کے نہیں ہوتا چنانچہ وہ ظاہری اسباب مہیا کر کے مسبب الاسباب پر بھروسہ کر کے سبب کے انتظار میں بیٹھ جاتا ہے اسباب چھوڑنے والا متوکل نہیں۔ اسے مغالطہ ہو گیا ہے۔ جیسے کوئی نکاح نہ کرے اور نہ کسی عورت سے ہم بستر ہو۔ مگر اولاد کی امید قائم کرے۔ یا کھائے پیئے بغیر سیری و سیرابی کی امید باندھ لے۔ توکل امید کی شکل ہے اور عاجزی سے خواہش کی۔

توکل کی حقیقت یہ ہے کہ انسان اللہ کو اپنا وکیل سمجھ لے۔ جیسے کسی کا وکیل اس کے برے بھلے سے واقف ہوتا ہے اور اس کے لیے پوری پوری خیر خواہی کرتا ہے۔ اس سے کہیں زیادہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے حالات سے واقف ہے۔ اور اس کے حال کے مناسب عطا فرماتا ہے۔ اس نے اپنے بندے کو حیلہ تلاش کرنے کا حکم دیا ہے اور اس بات کی ضمانت دی ہے کہ اس حیلے سے بقدر صلاح کے روزی پیدا فرمائے گا۔ چنانچہ زمین کے کھیت میں بیج ڈالنے تیاری کا اور وقت مقررہ پر کھیت کو پانی دینے کا حکم ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنی حکمت اور بندے کی بہتری کے مطابق روزی پیدا فرما دیتا ہے اور یہ بھی حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے لو نہ لگاؤ۔ بھروسہ اللہ ہی پر کیا جائے اور اسی سے امید قائم رکھی جائے اللہ تعالیٰ نے بتا دیا ہے کہ وہ وکالت و ضمانت کا پورا پورا حق ادا کر دے گا۔ اسلیئے عاجز وہ ہے جو ان تمام باتوں کو پس پشت ڈال کر آرام طلب بن کر ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے اور یہ کہنے لگے کہ میری تقدیر میں جو روزی لکھی ہے مجھے وہ مل کر رہے گی اگر میں موت کی طرح روزی سے بھاگوں تو بھی وہ مجھے ملے گی۔ اور جو مقدر میں نہیں وہ جدوجہد کے باوجود بھی نہ ملے گی۔ ایسے شخص کو سمجھایا جائے گا کہ تمہاری یہ بات تو ٹھیک ہے کہ مقدر کی روزی ملے گی لیکن یہ تو تمہیں پتہ نہیں کہ روزی تمہارے مقدر میں جدوجہد کے ساتھ اور تمہاری کوشش کے ساتھ لکھی ہے یا کسی اور کی کوشش کے ساتھ۔ اگر تمہاری کوشش سے ہے پتہ نہیں کس

وجہ سے ہے اور کس طریقہ سے؟ جبکہ یہ تمام باتیں پوشیدہ ہوئی ہیں یہ تمہیں کہاں سے معلوم ہو گیا کہ کوشش کیے بغیر تمہارے مقدر میں روزی ہے۔ بہت سے ایسے کام ہیں جو کسی کے ذریعے انجام پاتے ہیں۔ اور دوسرے کے مقدر میں ہوتے ہیں اور بہت سے اس کے مخالف ہیں۔ جب تم اپنی آنکھوں سے اس قسم کے کاموں کا مشاہدہ کر چکے ہو تو تمہیں یہ کیسے معلوم ہو گیا کہ تمہاری تمام روزی دوسروں کی کوششوں سے وابستہ ہے۔ اس کے علاوہ یہ اصول ہر جگہ پر ہونا چاہیے۔ کیا تم جنت حاصل کرنے کے اسباب اور جہنم سے بچنے کے اسباب پیدا نہ کرو گے۔ آرام سے بیٹھ جاؤ گے اور یہ کہہ کر یہ چیزیں مقدر میں ہوں گی تو ملیں گی ان کے اسباب چھوڑ بیٹھو گے۔ یا توکل کے ساتھ ساتھ ان کے اسباب بھی پیدا کرو گے؟ بلکہ دنیا ایسے توکل کرنے والوں سے بھی خالی نہیں جو اپنے دل اللہ تعالیٰ کے لیے روک لیں ان کے دل اس کے بھروسہ سے بھرے ہوئے اور رجا سے بھرپور ہوں اور اس کے ساتھ اچھے خیال سے بھرے ہوئے ہوں پھر اس کے ساتھ ساتھ کچھ اسباب پیدا کرنے کو ان کا دل نہ چاہے اور دل کو اللہ تعالیٰ سے سکون و اطمینان نصیب ہو اور یہی ان کے حصول رزق کا سب سے بڑا ذریعہ بن جائے۔ انہوں نے بھی سبب نہیں چھوڑا۔ بلکہ کمزور سبب چھوڑ کر طاقت ور سبب اختیار کیا۔ ان کا توکل ان کے نزدیک سب سے زیادہ بھروسے کے قابل ہے ان کے دلوں کا اللہ سے گھر جانا اس سے سکون حاصل کرنا اور اس کے سامنے ان کا گڑگڑانا انہیں ایسے سبب میں پھنس جانے سے زیادہ محبوب ہے جو انہیں اللہ تعالیٰ سے روک دے۔ یا کمال میں نقص پیدا کر دے اسیئے ان کا دل دونوں باتوں کے لیے تیار نہیں ہوا۔ اور ایک بات چھوڑ کر دوسری اختیار کر لی۔ بے شک یہ اس سے بہتر ہے جس کا دل سبب میں پھنس کر خالق حقیقی کو بھول جائے۔ لیکن ان دونوں سے کامل وہی ہے جس میں دونوں باتیں جمع ہوں۔ چنانچہ انبیائے کرام علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہی حال تھا۔ حضرت زکریا علیہ السلام بڑھئی تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے کشتی بنانے کا حکم دیا۔ کوئی صحابیؓ ایسا نہ تھا جو توکل کے معنی ظاہری اسباب کو چھوڑ دینا سمجھتا ہو بلکہ ظاہری اسباب فراہم کرنے میں بڑے مستعد تھے اور اللہ پر اعتماد رکھتے تھے صحابہ کرامؓ اپنے ہاتھوں اور زبانوں سے دشمنوں سے جنگ کرنے میں سر اور دھڑ کی بازی لگا دیا کرتے تھے۔ پھر بھی توکل کی حقیقت پر قائم تھے۔ اس کے علاوہ اپنے کاروبار کو ترقی دیتے تھے۔ انہیں ٹھیک ٹھاک کرتے تھے۔ بیوی بچوں کے لیے بقدر ضرورت خرچ مہیا کرتے تھے اور سید المتوکلین کے نقش قدم پر چلتے تھے۔

احتیاط و وسوسہ میں فرق

احتیاط یہی ہے کہ اتباع سنت میں پوری پوری کوشش کی جائے اور افراط وتفریط سے بچا جائے۔ یہی وہ احتیاط ہے جس سے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ راضی ہے۔

وسوسہ یہ ہے کہ جو کام سنت سے یا کسی صحابیؓ سے ثابت نہ ہو وہ اس خیال سے کرنا کہ یہ بھی دین میں ہوگا مثال کے طور پر کوئی شخص تین مرتبہ سے زیادہ وضو کا کوئی عضو دھولے۔ وضو یا غسل میں خوب افراط کا پانی بہائے۔ نماز کی نیت الفاظ سے ادا کرے۔ جن کپڑوں میں گندگی کا یقین نہ ہو انہیں احتیاط سے دھولے اور احتیاطاً جوتے پہن کر نماز نہ پڑھے وغیرہ وغیرہ اسی طرح

وہ تمام ہزار ہا مسائل ہیں جنہیں وہمی مزاجوں نے دین بنالیا ہے اور احتیاط کے روپ میں ڈھال لیا ہے حالانکہ احتیاط اتباع سنت میں برتی جانی چاہیے تھی کیونکہ اتباع سنت میں اگر کوئی شخص احتیاط سے نکل جائے وہ بے شک احتیاط کی صحیح راہ سے ہٹ گیا۔ جبکہ خلاف سنت سے نکلنے میں پوری پوری احتیاط برتنی چاہیے۔ گو اکثر دنیا یا ساری دنیا مخالف ہو جائے۔

الہام فرشتہ اور القائے شیطانی میں فرق

(۱) جو الہام اللہ کے لیے ہو اس کی مرضی کے موافق ہو اور رسولوں کی لائی ہوئی ہدایات کے مطابق ہو وہ فرشتے کی طرف سے ہے اور جو غیر اللہ کے لیے ہو اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے خلاف ہو وہ شیطان کی طرف سے ہے۔

(۲) جس کا نتیجہ اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت وقبولیت اور ذکر وفکر رجمانی ہو وہ فرشتے کی طرف سے ہے اور اس کی ضد شیطان کی طرف سے ہے۔

(۳) جو القا دل میں نورونس اور فراخی پیدا کرے وہ ملکی ہے اور اس کے مخالف شیطانی ہے۔

الہام ملکی

الہام ملکی پاک اور صاف دلوں میں جو اللہ تعالیٰ کے نور سے روشن رہتے ہیں کثرت سے ہوتا ہے۔ فرشتے کو اس سے تعلق رہتا ہے اور ان دونوں میں تعلق ہے۔ کیونکہ فرشتہ پاک وطاہر ہے اور اس کا ٹھکانہ طیب وطاہر دل ہی ہو سکتا ہے اسلیے ایسے دل پر ملکی اثر بہ نسبت شیطانی اثر کے بہت ہوگا۔ لیکن جو تاریک دل ہے اور شہوتوں اور شبہات کے دھوئیں سے سیاہ ہو گیا ہے اس پر شیطانی اثرات غالب ہوں گے۔

اقتصاد و تقصیر میں فرق

اقتصاد، افراط و تفریط کی درمیانی راہ ہے۔ اس کے دونوں کنارے اس کے مخالف ہیں یعنی کمی کرنا یا حد سے بڑھنا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: والذین اذا انفقوا لم یسرفوا الخ ولا تجعل یدک مغلولۃ و کلوا و اشربوا الخ یعنی جو خرچ کرتے ہیں فضول خرچی نہیں کرتے اور نہ کمی کرتے ہیں اور درمیانی راہ اختیار کرتے ہیں۔ نہ تو گردن سے ہاتھ بندھا ہوا رکھو اور نہ پوری طرح سے کھلا چھوڑ دو کہ ہدف ملامت ہو کر اور تھک کر بیٹھ جاؤ۔ کھاؤ پیو اور فضول خرچی نہ کرو۔

تمام دین غلو اور کمی کے درمیان ہے۔ بلکہ مذاہب میں اسلام ہی صحیح اور مکمل مذہب ہے۔ اور تمام طریقوں میں سنت رسول ہی صحیح راہ ہے اور اللہ تعالیٰ کا دین غلو کرنے والوں اور ظالموں کے درمیان درمیانہ دین ہے۔ اسی طرح اجتہاد دین کی موافقت میں جدوجہد کا نام ہے۔ اور غلو حد سے بڑھ جانا اور تعدی کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم میں شیطان کے دو خدشے ہیں یا تو وہ غلو میں گرفتار کر دیتا ہے یا کمی میں۔ یہ دو بڑی زبردست بیماریاں ہیں جو اعتقادات' عبادات اور معاملات میں واقع ہوتی ہیں ان سے وہی بچ سکتا ہے جو رحمۃ اللعالمین ﷺ کے نقش قدم پر چلتا رہے اور آپ کی سنت کے لیے لوگوں کی رائیں اور قیاس چھوڑتا ہے۔ نہ کہ لوگوں کی رایوں اور قیاسات کے لیے سنت نبیؐ چھوڑ بیٹھے یہ دونوں خطرناک امراض اکثر بنی نوع انسان پر غالب ہیں اسی وجہ سے علماء نے ان سے بہت کچھ ڈرایا ہے اور صاف بتا دیا ہے کہ ان کا شکار تباہ ہو کر رہ جاتا ہے کبھی یہ دونوں بیماریاں ایک ہی شخص میں جمع ہو جاتی ہیں جیسا کہ اکثر لوگوں کا حال ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو سیدھے راستے پر رکھے۔ آمین

نصیحت اور تانیب میں فرق

نصیحت ایک طرح کا حسن سلوک ہے جو کسی پر رحمت و شفقت اور غیرت کی وجہ سے ظہور میں آتا ہے۔ خیر خواہ کی نصیحت سے غرض اللہ کی رضا ہوتی ہے اور لوگوں کے ساتھ احسان ہوتا ہے۔ اس لیے خیر خواہ نصیحت میں بہت زیادہ محبت و نرمی اختیار کرتا ہے۔ لوگوں کی تکلیف و ملامت کو برداشت کرتا ہے اور ان سے وہی معاملہ کرتا ہے جو ایک مشفق و ہوشیار طبیب ایک خطرناک بیمار کے ساتھ کرتا ہے کہ اس کی بدخلقی' ترش روئی اور نفرت کو برداشت کر لیتا ہے اور خوشامد و آمد سے اسے دوا پلائے بغیر نہیں رہتا ناصح کا بھی یہی حال ہوتا ہے لیکن مؤنب (ڈانٹنے والا) شرم و غیرت دلاتا ہے۔ توہین و مذمت کرتا ہے

اور نصیحت کے رنگ میں برا بھلا کہتا ہے۔ اس کی نشانی یہ ہے کہ اگر وہ اپنے محبوب یا کسی احسان کرنے والے کو اسی کام پر بلکہ اس سے بھی برے کام پر دیکھتا ہے۔ تو اسے کچھ نہیں کہتا۔ بلکہ اس کی طرف سے نالئے عذر پیش کرتا ہے۔ اور اگر ہار جاتا ہے تو کہہ دیتا ہے آخر وہ بھی انسان ہے اس سے بھی غلطی ہو سکتی ہے اس کے نیک اعمال برائیوں سے زیادہ ہیں اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

ایک فرق یہ بھی ہے کہ اگر خیر خواہ کی نصیحت نہ مانی جائے تو وہ ناراض نہیں ہوتا اور کہتا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ اجر دے گا چاہے میری بات کوئی مانے یا نہ مانے۔ اور پیٹھ پیچھے دعائیں کرتا ہے اور لوگوں میں عیب ظاہر نہیں کرتا۔ اور مؤنب اس کے مخالفت ہوتا ہے۔

مبادرت اور عجلت میں فرق

''مبادرت'' جلدی کرنا۔ وقت کے اندر فرصت کو غنیمت جاننا اور فارغ وقت سے فائدہ اٹھانا ہے چنانچہ مبادر نہ تو وقت سے پہلے کوئی کام کرتا ہے اور نہ وقت کے بعد۔ بلکہ وقت کے اندر اسے جلدی جلدی کرنے کی کوشش کرتا ہے جیسے وقت ضرورت شیر شکار کرتا ہے یا جیسے کوئی پھل پک جانے پر اسے توڑنے میں جلدی کرتا ہے۔

''عجلت'' جلدی۔ وقت سے پہلے کام کرتا ہے جیسے کوئی کچا پھل ہی توڑ لے۔

''مبادرت'' دو بری عادتوں (تفریط و تضییع اور تحصیل قبل از وقت) کے درمیان ہے اسی وجہ سے جلدی شیطان کی طرف سے ہے کیونکہ یہ ہلکا پن غصہ اور تیزی سے ہے جو عزت و علم اور بھاری پن کے خلاف ہے۔ اور چیزوں کو بے جا میں رکھنے کو لازم کرتی ہے جس سے طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اور خیر و برکت ختم ہو جاتی ہے۔ جلدی شرمندگی کی بہن ہے۔ جیسے سستی ضائع ہونے کی بہن ہے۔ جلدی کرنے والا ہمیشہ شرمندہ ہوتا ہے۔

حال کی خبر دینے اور شکوے میں فرق

حال کی خبر دینے والے کا ارادہ یہ ہوتا ہے کہ جو علم اسے ہے اس کی اطلاع دے دے یا اگر کسی نے اس سے کچھ چاہا ہے تو عذر پیش کر دے یا جس چیز میں وہ پڑا ہے اس سے دوسروں کو ڈرائے اور ہوشیار کر دے۔ اور خبر دینے سے نصیحت یا صبر دلانا مقصود ہو کہ میری طرح تم بھی صبر کرو۔ جیسا کہ احنف بن قیس سے منقول ہے کہ ان سے کسی نے شکایت کی، فرمایا: عزیز من! فلاں فلاں سال سے میری بینائی جاتی رہی

ہے اب میں کسی کو دیکھ نہیں سکتا اس خبر کے ضمن میں شکایت کرنے والے کو صبر و شکر پر راضی کرنا اور یہ بتانا مقصود ہوتا ہے کہ تمہارے لیے نمونے موجود ہیں خبر دینے والے کو اس پر ثواب ملے گا۔ اگرچہ اس کی شکوہ کی صورت ہے مگر قصد نے دونوں کو الگ الگ کر دیا ہے۔ شاید اسی سے رحمۃ اللعالمین ﷺ کا (جب کہ ام المومنین حضرت عائشہؓ نے فرمایا: ہائے میرا سر!) یہ قول ہے نہیں بلکہ مجھے کہنا چاہیے ہائے میرا سر۔ یعنی میرے سر میں سخت درد ہے مگر میں پھر بھی "وا راساہ" نہیں کہتا۔ تم بھی مجھے نمونہ بناؤ اور دردِ سر کی شکایت نہ کرو۔ میرے ذہن میں اللہ تعالیٰ نے ایک اور مطلب ڈالا ہے۔ چونکہ آپ اللہ کے رسول کی محبوبہ بلکہ تمام عورتوں سے زیادہ پیاری تھیں تو جب دردِ سر کی شکایت کی تو آپؐ نے فرمایا کہ تمہارے محبّ کو بھی وہی درد ہے۔ یہ محبّ و محبوب میں انتہائی موافقت کی نشانی ہے کہ ایک دوسرے کے دکھ سکھ سے متاثر ہو۔ یہاں تک کہ اگر محبوب کے کسی خاص عضو میں تکلیف ہو تو محب کے بھی اسی عضو میں تکلیف محسوس ہو۔ اس مطلب کے لحاظ سے تکلیف کی خبر دینے سے مقصد یہ ہے کہ میری محبت سچی اور خالص ہے۔ تمہارے دکھ سے مجھے بھی دکھ ہے۔ اگرچہ مجھے دردِ سر نہ تھا مگر اب ہو گیا

وان اولی البرایا ان تواسیہ

عند السرور الذی واساک فی الحزن

"جو غم کے زمانے میں تمہارا غم بانٹنے والا تھا تم خوشی کے زمانے میں اس کے غمگسار بنو"۔

شکایت میں صحیح ارادہ نہیں ہوتا بلکہ اس کا منشا ناراضی ہوتا ہے اور غیروں سے شکایت ہوتی ہے اگر اللہ سے شکوہ کیا جائے تو شکوہ نہ ہوگا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ سے رحم و کرم کی طلب ہوگی۔ مثال کے طور پر حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا رب انی مسنی الضر الخ اے رب مجھے دکھ نے گھیر لیا اور تو بڑا مہربان ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: انما اشکو بثی و حزنی الخ میں اپنی پریشانی اور غم کا شکوہ اللہ سے کرتا ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اے اللہ! تیری ہی تعریفیں ہیں تیری ہی طرف شکوہ ہے تو ہی مددگار ہے تو ہی فریاد کو سننے والا ہے تجھی پر بھروسہ ہے اور طاقت و قوت اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہی ہے۔ رحمۃ اللعالمین ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! میں تجھی سے اپنی کمزوری کا تدبیروں کی کمی کا اور لوگوں کی نگاہوں میں حقارت کا شکوہ کرتا ہوں۔ تو کمزوروں کا رب اور میرا بھی رب ہے۔ اے اللہ مجھے کس کے حوالے کرتا ہے کیا ایسے اجنبی کے جو مجھ سے ترش روئی سے پیش آئے یا ایسے دشمن کے جسے تو نے مجھ پر قادر بنا دیا ہے؟ اگر تیرا مجھ پر غصہ نہ ہو تو مجھے پرواہ نہیں۔ تاہم تیری عافیت میرے لیے گنجائش

والی ہے۔ تیرے چہرے کی روشنی کے ذریعہ جس سے اندھیرے دور ہوتے ہیں اور جس پر دنیا اور آخرت کی بہتری موقوف ہے میں اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ مجھ پر تیرا غصہ اترے یا تو مجھ سے ناراض ہو جائے میں تو تیری رضا مانگتا رہوں گا۔ جب تک تو راضی نہ ہو جائے اور قوت و طاقت تیری ہی طرف سے ہے۔

پتہ چلا کہ اللہ سے شکایت کرنا کسی وجہ سے بھی صبر کے مخالف نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کی طرف سے فرمایا کہ ہم نے انہیں صابر پایا۔ جبکہ ان کی طرف سے شکوے کی بھی خبر دی۔ کہ مجھے دکھ نے گھیر لیا۔ اسی طرح حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرف سے فرمایا کہ آپ نے صبر جمیل کا وعدہ کیا تھا اور نبی جب کوئی وعدہ کرتا ہے تو اسے ضرور پورا کرتا ہے اور یہ بھی قول نقل فرمایا کہ میں اپنی پریشانی کا شکوہ اللہ تعالیٰ سے کرتا ہوں اس شکایت سے آپ کے صبر میں کوئی فرق نہیں آیا۔ آیت کی بھی تفسیر ہے۔ لوگوں کے مختلف خیالات پڑھ جاؤ۔ کیونکہ کسی نے یہ مطلب بتایا ہے کہ مسنی الضر کا جواب صابرا سے دیا گیا صبورا سے نہیں۔ مطلب یہ ہے آپ کے انتہائی صبر میں شکایت کی وجہ سے فرق آ گیا۔ کسی نے یہ کہا ہے ارحمنی "مجھ پر رحم فرما" نہیں فرمایا بلکہ "انت ارحم الراحمین" کہا مطلب یہ ہے کہ صرف اپنے حال کی خبر دی اور رب کے اوصاف بیان فرمائے۔ کسی نے کہا کہ جب ذکر سے زبان عاجز آ گئی تب شکایت کی یہ شکایت ذکر میں کمی آنے کی تھی۔ بیماری کی نہ تھی' کسی نہ کہا آپ سے یہ شکوہ اسی لیے کرایا گیا تاکہ آپ اس امت کے کمزوروں کے لیے نمونہ بنیں۔ گویا انہوں نے یہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ سے شکوہ صبر کے خلاف ہے۔ جبکہ یہ کھلی غلطی ہے۔ صبر کے خلاف اللہ تعالیٰ کا شکوہ کرنا ہے۔ اللہ سے شکوہ کرنا نہیں کیونکہ اللہ اپنے بندے کو اس لیے مبتلا کرتا ہے کہ اس کا رونا دھونا' اس کی دعا اور اس کا شکوہ سنے۔ اس موقع پر اللہ کو بندے کا خاموش رہنا پسند نہیں بلکہ اپنے آگے بندے کے دل کا انکسار و تذلل' اظہار ضعف و عجز اور احتیاج پسند ہے لہٰذا ایسے موقعوں پر خبردار صبر نہ کرنا بلکہ اللہ تعالیٰ کے آگے رونا دھونا۔ گڑگڑانا عجز و مسکینی کا اظہار کرنا اور ضعف و ذلت کا ظاہر کرنا ضروری ہے لہٰذا جیسے ہاتھ منہ کے قریب ہے اس سے زیادہ اللہ کی رحمت ایسے دل کے قریب ہے۔

فرقوں کا بیان مکمل کتاب چاہتا ہے شاید اگر تقدیر مدد کرے تو ہم اس بارے میں کوئی بڑی اور مستقل کتاب لکھیں۔

ہم نے مندرجہ ذیل بیان سے اصول فرق کی طرف اشارہ کر دیا ہے ذہین کو یہی کافی ہے ورنہ تمام

دین ہی فرق ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب حق و باطل میں فرق کرنے والی ہے اور رحمۃ للعالمین ﷺ لوگوں کے درمیان حد فاصل ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا اللہ اس کے لیے صحیح و غلط میں فرق ظاہر فرما دے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یا ایھا الذین امنوا ان تتقوا اللہ "اے ایمان والو! اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو گے تو وہ تمہارے لیے صحیح و غلط میں فرق ظاہر فرما دے گا۔"

بدر کو یوم الفرقان کہنے کی وجہ

غزوۂ بدر کو اس لیے فرق کرنے کا دن کہتے ہیں کہ اس سے اللہ تعالیٰ کے دوستوں اور دشمنوں میں فرق ہو گیا۔ ہدایت سر سے لے کر پاؤں تک فرقان ہے اور گمراہی گڑبڑ ہے جیسے مشرکوں نے اللہ تعالیٰ کی اور بتوں کی پرستش کو، اللہ تعالیٰ کی محبت اور بتوں کی محبت اور اللہ کی رضا کے کاموں اور قدیری کاموں کو غلط ملط کر دیا۔ غرضیکہ صحیح و غلط کو گڈمڈ کر دیا اور قضا و قدر کو محبت و رضا کی نشانی ٹھہرائی۔ بیع و ربا کو جمع کر کے کہا انما البیع مثل الربوا بیع و سود میں کیا فرق ہے؟ ذبح کیا ہوا اور مردہ جانور کو غلط ملط کر دیا اور کہنے لگے کہ یہ تو عجیب بات ہے کہ ہم اپنے ہاتھ سے مارے ہوئے جانور کو تو کھائیں مگر اللہ کے مارے ہوئے جانور کو نہ کھائیں۔ حلال و حرام کو غلط ملط کر دیا اور کہنے لگے تمام عورتیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیں۔ پھر یہ کیا بات ہے کہ کچھ حلال ہیں اور کچھ حرام اسی طرح سب جانور اللہ ہی نے پیدا کئے پھر کچھ حرام کیوں ہوئے؟ اور کچھ حلال کیوں ہوئے۔ اسی طرح اللہ کے دوستوں اور شیطان کے دوستوں کو آپس میں ملا دیا۔

فرقہ اتحادیہ کا شرک

بلکہ ایک فرقہ نے تو غضب ہی ڈھایا۔ یہ اتحادیہ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ تمام کائنات کو ایک ذات میں جمع کر کے کہتا ہے کہ یہ ذات اللہ تعالیٰ کی ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور نصوص (جو دراصل واضح نصوص ہے) کہتا ہے کہ سب چیزیں ملی ہوئی ہیں الگ الگ نہیں۔ یعنی تعریف اور ذلت اور برائی بھلائی کچھ نہیں۔ بلکہ طبیعت و عادت اور شارع نے ان پر ایک خاص حکم لگا دیا ہے جبکہ فرق پیدا کرنے والے ہی بصیرت والے ہیں۔ ملی جلی چیزوں میں سب سے زیادہ فرق کرنے والے ہی سب سے زیادہ بصیرت والے ہیں۔ مشابہت اقوال، اعمال، احوال، اموال اور رجال میں واقع ہوتی ہے۔ اکثر اہل علم غلط ملط کی بھول بھلیوں میں پھنس جاتے ہیں۔ اس کی تاریکی سے وہی نور نکال سکتا ہے

جسے اللہ تعالیٰ اپنے جس بندے کے دل میں چاہتا ہے ڈالتا ہے وہ اس نور میں حقیقتوں کا پتہ چلا لیتا ہے اور حق و باطل اور صحیح و غلط میں فرق کر لیتا ہے ومن یجعل اللہ الخ جس کے لیے اللہ نے نور مقرر نہیں فرمایا اس کے لیے نور نہیں۔ اس موضوع پر اتنی ہی روشنی کافی ہے۔ تمام مسائل میں یہی مسئلہ سب سے زیادہ نفع بخش ہے اور اس کی سخت ضرورت ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں بصیرت عطا فرمائے تو تم اس سے ایک عظیم فرق کی روشنی پاؤ گے۔ یعنی انبیائے کرام علیہم السلام کی توحید میں اور اللہ کو صفات سے معطل کرنے والوں کی توحید میں' اثبات صفات (علو کلام) میں تشبیہ و مثال میں' خالص عملی اور ارادی توحید میں' اصحاب مراتب کے مراتب گھٹانے میں' خالص اتباع رسول اللہ ﷺ میں اور علماء کے اقوال آراء و قیاسات میں' علماء کی تقلید میں اور علماء کے علم و سمجھ میں' اللہ تعالیٰ کے دوستوں میں اور دشمنوں میں ایمانی و رحمانی حال میں اور شیطانی و نفسانی حال میں اور آسمانی واجب الاتباع حکم میں اور تاویل والے حکم میں (جس کی غایت یہ ہے کہ ضرورت کے وقت جائز ہو اور اس کے نہ ماننے والے کی کوئی پکڑ نہ ہو) فرق کر لو گے۔ واللہ المستعان.

خاتمۃ

انبیاء علیہم السلام کی توحید اور باطل فرقوں کی توحید میں فرق

اب ہم اپنی کتاب ایک لطیف اشارے پر ختم کرتے ہیں جس میں مندرجہ ذیل تمام فرقوں کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ ہر فرق ایک مستقل و مکمل کتاب چاہتا ہے۔

انبیائے کرام علیہم السلام کی توحید اور باطل فرقوں کی توحید میں فرق

انبیائے کرام علیہم السلام کی توحید تفصیل سے اللہ تعالیٰ کے لیے کمال والی صفتوں کو ثابت کرتی ہے اور یہ بتاتی ہے کہ اسی کی عبادت کی جائے وہ اکیلا ہے اور اپنا کوئی شریک نہیں رکھتا۔ اس کا شریک ارادے میں، محبت میں، خوف میں، امید میں، لفظ میں، قسم میں اور منت وغیرہ میں کسی کو مانا جائے بلکہ انسان اپنے دل سے، ارادے سے، زبان سے اور عبادت سے شریک ختم کر دے جیسے اصلیت میں شریک کا وجود نہیں۔ اسی طرح قلبی اور نسانی وجود بھی نہیں۔

گمراہ فرقوں کی توحید

اللہ کے اسماء و صفات کے حقائق کی نفی ہے اور ان سے اللہ کو معطل کرنا ہے جس سے ہو سکتا ہے کہ وہ اسماء و صفات کو زبان سے بھی معطل کر دیں۔ چنانچہ وہ کوئی ایسی آیت زبان پر نہیں لاتے جس میں ان کا بیان ہو اور نہ ایسی حدیث بیان کرتے ہیں جس میں کسی صفت کی تفصیل ہو اور جو ان کے ذکر سے زبان کو محفوظ کرنے پر قادر نہیں وہ تحریف و نفی حقیقت کے اسلحہ سے ان پر غلبہ پانے کی کوشش کرتا ہے اور انہیں بے معنی اسم قرار دیتا ہے یا چیستان کی جنس میں شامل کر دیتا ہے پھر اگر کوئی ان کی طرف سے یہ تعطیل اٹھانے کے لیے کھڑا بھی ہوتا ہے تو نص کے معنی میں تحریف کر کے جو معنی پیدا کرتا ہے اس سے بھی وہی لازم آتا ہے جس سے یہ بھاگا تھا۔ جبکہ اگر تمثیل یا تشبیہ یا حدوث حقیقت میں لازم آتا ہے تو تاویل شدہ معنی کے لحاظ سے بھی لازم آئے گا جس پر نص ڈھالی گئی ہے۔ اور اگر معنی محرف میں لزوم نہیں تو حقیقی معنی میں بدرجہ اولیٰ نہیں، پھر جب وہ یہ بات جان لیتا ہے تو تمام صفات سے اللہ کو معطل کیے بغیر اس کے لیے

کوئی چارہ ہی نہیں رہتا۔ یہ ہے اصل تعطیل کی مدافعت۔ جبکہ فرق مدافعت سے بہت قریب ہے۔ مگر مخالف تو غلط ہی کی طرف دیکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو صفات اپنی ذات کی طرف منسوب کی ہیں ان میں سے کچھ تو اس کے لیے ثابت کی جاتی ہیں اور کچھ کا انکار کر دیا جاتا ہے۔ جبکہ دونوں میں باطل لازم ایک ہی ہے۔ اور لازم حق میں فرق نہیں کیا جاتا۔ جبکہ ان گمراہوں نے اس تعطیل کا نام توحید رکھا ہے۔ جبکہ یہ اللہ کے اسماء وصفات میں کفر ہے اور ان کے حقائق کو ختم کر دیتا ہے۔

انبیائے کرام علیہم السلام کی تنزیہہ اور گمراہوں کی تنزیہہ میں فرق

انبیائے کرام علیہم السلام نے اللہ تعالیٰ کو تمام نقائص وعیوب سے بری قرار دیا ہے۔ جن سے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات اقدس کو بری فرمایا۔ دراصل عیوب ونقائص اس کے کمال کے اور اس کی ربوبیت وعظمت کے کمال کے خلاف ہیں۔ مثلاً اونگھ' نیند' غفلت' موت' تھکاوٹ' ظلم' ظلم کا ارادہ' ظالم وظلام کے نام' شریک' بیوی' بچے' مددگار' بلا اجازت کے شفاعت' بندوں کو یونہی چھوڑنا ان کا بے مصلحت پیدا کرنا' آسمان وزمین اور تمام دنیا کی چیزیں بلا کسی مقصد کے پیدا کرنا انہیں ثواب وعذاب سے کوئی واسطہ نہ ہو۔ اور نہ امر ونہی کے پابند ہوں' دوستوں اور دشمنوں میں اچھوں اور بروں میں اور کافروں اور مومنوں میں برابری' اللہ تعالیٰ کی ارادے کے بغیر کسی چیز کا ہونا' اللہ کا کسی صورت سے غیر کی طرف محتاج ہونا' اللہ کے ساتھ کسی غیر کا کسی بات میں شریک ہونا' اللہ پر غفلت یا بھول یا سہو کا طاری ہونا وعدہ خلاف کرنا' اس کے کلموں میں تبدیلی کا ہونا' اس کی طرف شرک اضافت چاہے اسمی ہو' وصفی یا فعلی' یہ تمام باتیں اللہ کی شان کے خلاف ہیں۔ اس کے تمام اسماء اسمائے حسنیٰ ہیں تمام صفتیں کمال والی ہیں اور تمام افعال خیر وحکمت پر مبنی ہیں۔ یہ ہے انبیائے کرام علیہم السلام کی تنزیہہ۔

گمراہوں اور معطل کر دینے والوں نے اللہ تعالیٰ کو ان تمام کمالوں سے معطل کر دیا ہے جن سے خود اس نے اپنی ذات اقدس کو موصوف فرمایا ہے۔ کہتے ہیں کہ اللہ نہ تو بالذات کلام کرتا ہے اور نہ کسی سے کلام کرتا ہے وہ عرش پر مستوی نہیں' اس کی طرف ہاتھ نہیں اٹھائے جاتے' اس کی طرف پاکیزہ کلمے نہیں چڑھتے' اس کی طرف سے کوئی چیز نہیں اترتی' اس کی طرف فرشتے نہیں چڑھتے اور روح بھی نہیں چڑھتی' وہ اپنے بندوں کے اوپر نہیں' نہ اپنی تمام مخلوقات کے اوپر ہے۔ وہ ایک مٹھی میں آسمان اور ایک میں زمین نہیں لے گا۔ نہ ایک انگلی سے آسمان دوسری سے زمین' تیسری سے پہاڑ' اور چوتھی سے درخت تھامے گا۔ اس کا چہرہ ہے' نہ مومن اسے جنت میں اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔ اس سے باتیں کریں گے

اسے سلام کریں گے۔ شاللہ ان کے سامنے ہنستا ہوا تجلی فرمائے گا نہ وہ ہر رات کو پہلے آسمان پر اتر کر یہ اعلان کرتا ہے کہ "ہے کوئی مغفرت کا خواستگار میں اسے بخش دوں؟ ہے کوئی کچھ مانگنے والا میں اس کا دامن مراد بھر دوں" نہ وہ کوئی کام کسی مقصد سے کرتا ہے بلکہ اس کے افعال بغیر حکمت وغرض کے ہیں اس کی مرضی سب کو حاوی نہیں' اس کا ارادہ کارفرما نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت کا ظہور نہیں ہوتا' بلکہ بندوں کی مشیت کا ظہور رہوتا ہے۔ اسی طرح بندوں کی عدم مشیت کا تو ظہور ہوتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی عدم مشیت کا ظہور نہیں ہوتا۔ اس کا نام انہوں نے عدل رکھا ہے۔ اور اس کا نام توحید' اسی طرح کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نہ کسی سے محبت کرتا ہے اور نہ کسی سے محبت کیا جاتا ہے' نہ اس میں صفت رافت ورحمت ہے اور نہ صفت غضب ورضا۔ کچھ کے نزدیک اللہ صاحب سمیع وبصیر بھی نہیں۔ کچھ کے نزدیک علم سے بھی خالی ہے اور کچھ کے نزدیک وجود سے بھی عاری ہے۔ یہ ہے ملحدوں کی تنزیہہ اور دوہے انبیائے کرام علیہم السلام کی تنزیہہ

اسماء وصفات کے حقائق میں اور تشبیہہ وتمثیل میں فرق

امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ اور دوسرے ہدایت یافتہ اماموں نے یہ فرق بتایا ہے کہ تشبیہہ وتمثیل تو جب یہ کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ میرے ہاتھ جیسا ہاتھ ہے۔ اس کا کان میرے کان جیسا کان ہے۔ اس کی آنکھ میری جیسی آنکھ ہے' لیکن کہا یہ جاتا ہے کہ اللہ کے کان' آنکھ' ہاتھ اور چہرہ ہے اس کے لیے استوا ہے۔ اور ان میں سے کوئی بھی مخلوق کی کسی صفت سے مشابہ نہیں۔ بلکہ صفت مخلوق وصفت خالق میں وہی فرق ہے جو خالق ومخلوق میں ہے۔ لہذا تمثیل وتشبیہہ نہیں رہی۔ کچھ ملحدوں کا مغالطہ اور تلبیس ابلیس ہے۔ اس سچائی کا مدار جس پر اللہ تعالیٰ کے تمام رسولوں کا اتفاق ہے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسولوں نے جن اوصاف سے اللہ تعالیٰ کی ذات کو متصف قرار دیا ہے وہی اوصاف اس میں بغیر تشبیہہ وتحریف کے بغیر چون وچرا مان لیے جائیں۔ نہ تحریف کی ضرورت ہے نہ معطل کرنے کی ضرورت۔ صفات ماتوا اور مخلوق سے مشابہت کا انکار کرو۔ کیونکہ جس نے اللہ تعالیٰ کو اس کی مخلوق کے مشابہ قرار دیا وہ بھی کافر ہے۔ اور جس نے حقائق اسماء وصفات کا انکار کیا وہ بھی۔ وہی درست راہ پر ہیں جو اسماء وصفات کے حقائق کو مانتے ہیں اور ان کی مشابہت مخلوق سے نہیں مانتے۔

خالص توحید میں اور اکابر کو ان کے مراتب سے گرانے میں فرق

خالص توحید یہ ہے کہ مخلوق کو خالق کا کوئی حق اور کوئی خصوصیت نہ دی جائے۔ نہ اس کی عبادت کی جائے' نہ اس کے لیے نماز پڑھی جائے نہ سجدہ کیا جائے نہ اس کی قسم کھائی جائے' منت مانی جائے' بھروسہ کیا جائے' معبود بنایا جائے' نہ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر قسم کھائی جائے' نہ اللہ سے قریب کرنے کے لیے اس کی عبادت کی جائے نہ اسے اللہ رب العالمین کے برابر کیا جائے (مثال کے طور پر یہ کہا جائے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ اور تم چاہو یا یہ تمہارا اور اللہ تعالیٰ کا احسان ہے یا میں اللہ تعالیٰ کی اور تمہاری مدد سے کامیاب ہوں یا میرا تم پر اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہے یا میرا آسمان پر اللہ تعالیٰ ہے اور زمین پر تم ہو۔ یا یہ تمہارا اور اللہ تعالیٰ کا صدقہ ہے' یا میری تم سے اور اللہ تعالیٰ سے توبہ یا میں اللہ تعالیٰ کی اور تمہاری حفاظت میں ہوں۔) نہ مشرکوں کی طرح کسی کو سجدہ کیا جائے' نہ اس کے لیے سر منڈوایا جائے' نہ اس کے نام کی قسم کھائی جائے' نہ منت مانی جائے' نہ مرنے کے بعد اس کی قبر کو سجدہ کیا جائے' نہ آڑے وقت مدد مانگی جائے نہ دعا کی جائے' نہ اللہ کی خوشنودی مول لے کر اسے خوش کیا جائے' نہ اللہ کی رضا کے لیے اس کی ناراضی کی پرواہ کی جائے' نہ اس کی انتہائی تعظیم و تکریم کی جائے' نہ اس سے انتہائی محبت و انتہائی خوف و رجا رکھا جائے' بلکہ محبت و رجا خوف و تعظیم وغیرہ میں مخلوق کو خالق کے برابر بھی نہ رکھا جائے' پھر جب مخلوق سے ربوبیت کی خصوصیتیں ہٹا دی جائیں اور اسے خالص اللہ تعالیٰ کی غلامی کا مقام دے دیا جائے (کیونکہ وہ دوسروں کے لیے تو کیا خود اپنی ذات کے لیے بھی نفع و نقصان پر اور موت و حیات پر قادر نہیں) تو اس سے اس کی تنقیص لازم نہیں آئے گی اور نہ اس کی شان میں فرق آئے گا۔ اگرچہ مشرک کہا کریں۔

رحمۃ اللعالمین ﷺ نے فرمایا: مجھے حد سے نہ بڑھانا' جیسے عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حد سے بڑھا دیا۔ میں صرف ایک بندہ ہوں مجھے اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول ہی سمجھو۔ لوگو مجھے یہ بالکل پسند نہیں کہ تم مجھے میرے مرتبے سے بلند اٹھاؤ میری قبر پر میلہ نہ لگانا۔ اے اللہ! میری قبر کو تھان نہ بنانا کہ اس کی عبادت کی جائے۔ اور یہ نہ کہو جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اور محمد نے چاہا۔ ایک شخص نے آپ سے یہی جملہ کہا تھا۔ فرمایا: تم نے مجھے اللہ تعالیٰ کا شریک بنا دیا۔ ایک گنہگار نے کہا۔ اے اللہ میں تجھ سے توبہ کرتا ہوں محمدؐ سے نہیں۔ فرمایا: اس نے حق پہچان لیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لیس لک من الامر شئی آپ ﷺ کو معاملہ میں کوئی دخل نہیں' آپ فرما دیں کہ سب کام اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہیں۔

آپ ﷺ فرمادیں کہ میں اپنے نفع ونقصان پر بھی قادر نہیں مگر جس قدر اللہ کو منظور ہو۔ آپ ﷺ فرمادیں مجھے کبھی کوئی اللہ سے پناہ نہیں دے سکتا اور میں کبھی اس کے سوا کہیں پناہ نہیں پا سکتا۔ آپ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ میں اللہ کے عذاب سے تمہارے کچھ کام نہ آسکوں گا۔ لیکن مشرکوں نے اپنے شیوخ واکابر کی ناجائز عزت کی' بتوں کی پرستش کی۔ درج بالا تمام باتیں اپنے بزرگوں اور معبودوں کے لیے جائز قرار دیں اور یہ دعویٰ کیا کہ جس نے بزرگوں اور بتوں کے یہ حقوق چھین لیے اس نے ان کی شان میں گستاخی کی اور ان کا مرتبہ گھٹایا۔ جبکہ خود انہوں نے سچے معبود کی شان میں گستاخی کی اور اس کا مرتبہ گھٹایا۔ بے شک مندرجہ ذیل آیات میں ان کا بہت بڑا حصہ ہے:

و اذا ذکر اللہ وحدہ اشمازت قلوب الذین لا یؤمنون بالاخرۃ و اذا ذکر الذین من دونہ اذا ھم یستبشرون۔

''اور جب صرف اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے تو بے ایمانوں کے دل کھنچنے لگتے ہیں اور جب غیر اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو دل کھل اٹھتے ہیں۔''

اتباع رسول ﷺ میں اور تقلید میں فرق

خالص اتباع رسول اللہ ﷺ یہ ہے کہ آپ کی حدیث پر کسی کا فرمان یا کسی کی رائے مقدم نہ کی جائے۔ خواہ وہ کوئی ہو۔ بلکہ سب سے پہلے حدیث کی صحت کی جانچ کی جائے پھر اس کا مفہوم جانچا جائے۔ پھر جب حدیث کے سند و متن دونوں صحیح ہوں تو اس پر جم جانا چاہیے۔ اگرچہ دنیا مخالف ہو جائے' یہ ممکن نہیں ہے کہ دنیا اپنے نبی ﷺ کی حدیث کے خلاف اتفاق کرلے۔ کوئی نہ کوئی ضرور اس کا ماننے والا ہوگا گو تمہیں معلوم نہ ہو' اپنی جہالت کو نبی پر اور اللہ پر دلیل نہ بناؤ بلکہ واضح حدیث پر عمل کرو اور سست نہ بنو۔

باقی علماء کے مراتب دمعیت وضبط کے سلسلے میں ان کی امانت واجتہاد میں شک نہ کرو انہیں تو اکہرا یا دگنا صلہ ضرور ملے گا۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کے قول کی وجہ سے صحیح حدیث چھوڑ دی جائے اور صرف اس خدشہ پر کہ وہ تم سے زیادہ عالم ہیں ان کا قول حدیث پر مقدم کیا جائے اگر یہ خدشہ صحیح ہو تو جو واضح حدیث پر چل رہا ہے وہ بھی تم سے زیادہ عالم ہے۔ اس کی پیروی کیوں نہیں کرتے۔ اگر کوئی حدیثوں کو علماء کے اقوال کے لیے کسوٹی بنائے اور جو اقوال ان کے موافق ہوں انہیں لے لے اور

مخالف اقوال چھوڑ دے۔ تو یہ ان کی شان میں گستاخی نہیں ہے اور نہ ان کی حق تلفی ہے۔ بلکہ ان کی پیروی ہے۔ کیونکہ سب کو اتباع رسول ﷺ کا حکم ہے اور سب نے اپنے ماننے والوں کو یہی حکم دیا ہے۔ ان کا سچا ماننے والا وہی ہے جو ان کی وصیتوں پر عمل کرتا ہے اور وصیتوں کے خلاف نہیں کرتا۔ اسلیئے ان کے اس قول کی مخالفت جو تفصیلی حدیث کے خلاف ہو۔ بالکل اس وصیت کے موافق ہے جو وہ کر گئے بلکہ یہ خلاف خلاف نہیں بلکہ ان کی مطابقت میں ہے۔ یہیں سے تقلید اور فہم وبصیرت میں فرق ہو گیا۔

تقلید وفہم میں فرق

مقلد کسی کا قول بغیر دلیل کے مان لیتا ہے اور اس میں غور وفکر سے کام نہیں لیتا۔ لیکن تحقیق کرنے والا اپنی قدرتی سمجھ اور علم کی روشنی میں رسول ﷺ تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے اور وہ علماء کو صرف دلیل اول کی دلیل کے سمجھتا ہے۔ پھر جب دلیل اول تک پہنچ جاتا ہے تو اب اسے دلیل ثانی کی ضرورت باقی نہیں رہتی مثال کے طور پر کسی نے تارے سے قبلہ معلوم کیا۔ پھر جب اسے قبلہ معلوم ہو گیا تو اب تارے کی ضرورت نہیں رہی۔ امام شافعی علیہ الرحمۃ کا بیان ہے کہ جس کے سامنے رسول اللہ ﷺ کی سنت ظاہر ہو گئی اسے سنت کو کسی کے قول کی وجہ سے چھوڑنا لائق نہیں۔

اللہ کے دوستوں اور دشمنوں میں فرق

اللہ کے دوست نہ خوف زدہ ہوں گے اور نہ غم زدہ یہ ایمان والے اور متقی و پرہیزگار ہیں۔ سورۂ بقرہ کے شروع میں **مفلحون** تک انہی کا ذکر ہے۔ اور بقرہ کے درمیان میں بھی **ولکن البر من امن** سے **اولئک هم المتقون** تک اسی طرح شروع انفال میں **و رزق کریم** تک اسی طرح مومنون کے شروع میں **هم فیها خالدون** تک اسی طرح سورۂ فرقان کے آخر میں اسی طرح **ان المسلمین و المسلمات** سے آخر آیت تک اسی طرح **الا ان اولیاء الله** سے **و کانوا یتقون** تک اسی طرح **ومن یطع الله** سے **فائزون** تک اسی طرح **الا المصلین** سے **فی جنات مکرمون** تک۔ اسی طرح **التائبون العابدون الخ** میں۔

اسلیئے اولیاء اللہ اپنے رب کے مخلص بندے ہیں جو حرم میں ہوں یا غیر حرم میں ہر جگہ اللہ کے رسول کو سچ مانتے ہیں۔ ان کے حکم کے ہوتے ہوئے دوسروں کے احکام نہیں مانتے اور غیروں کی وجہ سے ان کی سنتیں نہیں چھوڑتے نہ خود بدعتی ہیں نہ بدعت کی دعوت دیتے ہیں۔ اور نہ سوائے اللہ تعالیٰ کے اور

رسول ﷺ کے اور اللہ والوں کے کسی اور جماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔ نہ دین کو کھیل کود سمجھتے ہیں نہ سماع سماع شیطانی کو برتری دیتے ہیں۔ نہ رب کی رضا پر بروں کی صحبت کو برتری دیتے ہیں۔ اور نہ قرآن پر باجوں اور گانوں کو برتری دیتے ہیں۔ اولیاء اللہ اور اولیائے شیطان میں وہ پہچان نہیں کرتا جو بصیرت وایمان سے خالی ہے۔ بھلا وہ کیسے اللہ تعالیٰ کے دوست ہو سکتے ہیں جو اس کی کتاب سے منہ موڑے ہوئے ہوں اس کے رسول برحق ﷺ کی ہدایت وسنت سے ہٹے ہوئے ہوں۔ آپ کے مخالف ہوں اور آپ کے دشمنوں کے ساتھ ہوں۔ اولیاء اللہ تو پرہیزگار ہی ہوتے ہیں۔ لیکن اکثر لوگ علم ہی سے محروم ہیں اللہ والے تو ان ہی باتوں پر ڈٹے رہتے ہیں جنہیں ان کا دوست اللہ پسند فرماتا ہے اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے رہتے ہیں اور جو اس راستے سے ہٹ جاتا ہے اس سے جہاد کرتے ہیں۔ شیطان کے دوست اپنے دوست کی مرضی کے مطابق کرتے ہیں اسی کی طرف بلاتے ہیں۔ اور جو انہیں ان شیطانی حرکتوں سے روکتا ہے اس پر آستینیں چڑھا کر حملہ کرتے ہیں۔ اگر تم کسی کو دیکھو کہ اسے شیطانی سماع اچھا لگتا ہے وہ بڑی خوشی سے شیطان کے اعلان کی طرف بڑھتا ہے۔ شیطان کے بھائیوں میں شامل ہوتا ہے اور شیطان کی پسندیدہ باتوں شرک بدعت فسق وفجور گناہ وغیرہ کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے۔ تو تمہیں صاف پتہ چل جائے گا کہ یہ شیطان کا دوست ہے۔ اگر پہچاننے میں کچھ دشواری پیش آئے تو اسے تین موقعوں پر جانچو۔ نماز کے موقع پر سنت واہل سنت سے محبت کے موقع پر اور دعوت توحید واتباع رسولؐ کے موقع پر بس انہیں تین باتوں کو کسوٹی بنالو۔ (حال کشف اور خوارق کو کسوٹی نہ بناؤ۔ اگرچہ وہ پانی پر چلتا ہو۔ اور ہوا پر اڑتا ہو)

حال ایمانی اور حال شیطانی میں فرق

حال ایمانی (کرامت) اتباع رسول پر خالص عمل اور خالص توحید کا نتیجہ ہوتا ہے جس کی یہ غرض ہوتی ہے کہ مسلمانوں کو دین ودنیا میں فائدہ پہنچے۔ یہ سنت پر ڈٹ جانے پر اور احکام وممانعتوں کی تفصیلی معلومات پر موقوف ہوتا ہے اور حال شیطانی (استدراج) شرک اور فسق وفجور سے پیدا ہوتا ہے۔

گندے اعمال کی وجہ سے شیطانوں سے نزدیکی وملاپ اور ایک قسم کی مشابہت پیدا ہو جاتی ہے اور کچھ خلاف عادت چیزیں ظاہر ہونے لگتی ہیں بت پرستوں صلیب پرستوں آگ کی پوجا کرنے والوں شیطان پرستوں اور دیگر گمراہ فرقوں میں یہ حال پیدا ہوتا ہے کیونکہ جب شیطان کا پجاری عبادت کر کے اسے خوش کرتا ہے تو وہ اسے خلعت حال سے نوازتا ہے جس سے وہ کمزور عقل وایمان والوں کے اور

کمزور تو حید والوں کے ایمان کا شکار کر سکے۔ بہت سی مخلوق اسی حال اسی کے جال میں پھنس کر ہلاک ہو جاتی ہے۔ اسلئے ہر وہ حال جو کتاب وسنت کو چھوڑ کر پیدا ہوں شیطانی ہے۔ چاہے کچھ ہی ہو۔ میں نے بہت سے جادوگروں کے آتش پرستوں کے اور بظاہر مسلمانوں کے (جن کے دل اسلام سے خالی ہیں (اندازاً شیطان کی دوستی کے حال دیکھے ہیں۔ کبھی انسان سچا ہوتا ہے لیکن جہالت کی وجہ سے اسے صحیح و غلط میں تمیز مشکل ہوتی ہے۔ اس لیے زہد واخلاص کے باوجود بھی اس کا حال شیطانی ہوتا ہے بے شک وہ بے قصور ہوتا ہے۔ کیونکہ اسے حقیقت ایمان کی خبر نہیں ہوتی۔ اور شیاطین وملائکہ کے احوال میں امتیاز نہیں کر سکتا۔ کبھی اللہ کے دوستوں کے اور شیطان کے دوستوں کے مشابہ کچھ دوسرے لوگ بھی ہوتے ہیں جو ان میں سے نہیں ہوتے اور شعبدہ باز ہوتے ہیں چونکہ عوام دونوں میں تمیز نہیں کر سکتے اور ہر سیاہ کو کھجور اور ہر سفید کو چربی سمجھ جاتے ہیں اس لیے شیطانوں کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں۔ اس دنیا میں فرق انتہائی قابل قدر چیز ہے۔ یہ فرق اللہ تعالیٰ کا دل میں ڈالا ہوا ایک نور ہوتا ہے جو صحیح وغلط کو چھانٹ دیتا ہے اور بھلے برے کا معیار ہوتا ہے جو اس فرقان سے محروم ہے وہ آسانی سے شیطان کے پھندے میں پھنس جاتا ہے۔

آسمانی حکم میں جو واجب الاتباع ہے اور تاویل والے حکم میں فرق

آسمانی حکم تو اس کے اتارے ہوئے ہیں اور اس کے رسول نے تفصیل سے بتا دیئے ہیں لوگوں کو انہیں کے مطابق زندگی بسر کرنے کا حکم ہے۔ تاویل والے احکام مجتہدوں کے ہوتے ہیں جو مختلف ہوتے ہیں اور جن کی پیروی واجب نہیں اور ان کے مخالفوں کو فاسق وفاجر یا کافر نہیں کہا جا سکتا کیونکہ ان اقوال والوں نے یہ نہیں کہا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اور اس کے رسول ﷺ کے احکام ہیں۔ بلکہ یہ کہا ہے کہ ہم نے اپنی رائے سے انہیں نکالا استنباط کیا ہے اگر چاہو تو مان لو اور نہ چاہو تو نہ مانو۔ ان کا امت کو ماننا ضروری نہیں ہے بلکہ امام ابوحنیفہؒ نے تو یہ فرمایا ہے کہ یہ میری رائے ہے اگر کوئی شخص میرے پاس کوئی اس سے بہتر رائے لائے گا۔ تو اسے مان لوں گا۔ اگر امام کی رائے بالکل اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا تو امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ وغیرہ کو امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کی مخالفت کی جرأت نہ ہوتی۔

اسی طرح امام مالکؒ سے ہارون الرشید نے مشورہ کیا کہ اگر حکم ہو تو میں لوگوں کو موطا کے مسائل کے مطابق چلاؤں۔ آپ نے اس بات سے خلیفہ کو منع کر دیا اور فرمایا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہروں میں پھیل گئے اور ہر قوم کے پاس جدا جدا علم ہو گیا۔ امام شافعی علیہ الرحمۃ اپنے اصحاب کو اپنی تقلید سے منع

فرما گئے۔ اور یہ وصیت فرما گئے کہ میرا قول چھوڑ دینا اگر اس کے خلاف حدیث مل جائے۔

امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ اپنے فنون کی تدوین سے خوش نہ تھے اور فرماتے تھے کہ میری تقلید نہ کرو اور فلاں کی تقلید کرو نہ فلاں کی۔ بلکہ جہاں سے انہوں نے لیا ہے وہیں سے لو۔ اگر ائمہ کرام کو یقین ہوتا کہ ان کے اقوال لازم ہیں تو اپنے ماننے والوں پر ان کی مخالفت حرام فرما جاتے اور نہ ان کے ماننے والے کسی مسئلہ میں ان کی مخالفت جائز سمجھتے۔ اور نہ اماموں کے قول میں رجوع پایا جاتا۔ اسی وجہ سے ایک ہی امام کے ایک ہی مسئلے میں کئی کئی اقوال ملتے ہیں پتہ چلا کہ رائے اور اجتہاد پر زیادہ سے زیادہ عمل جائز ہے لیکن آسمانی حکم کے خلاف کرنا مسلمانوں کو حلال نہیں کہ اس سے بال برابر بھی ہٹیں۔

بدلا ہوا حکم

رہا بدلا ہوا حکم سو وہ قابل عمل نہیں نہ اس کا رواج کرنا حلال ہے اور نہ اس کی پیروی جائز ہے اور اس کا ماننے والا کفر و فسق اور ظلم کے درمیان ہے۔

بہر حال یہاں مقصد یہ تھا کہ نفس مطمئنہ نفس امارہ اور نفس لوامہ کے کچھ احوال بیان کر دیئے جائیں اور یہ بھی بتا دیا جائے کہ یہ تینوں کن کن باتوں میں مشترک ہیں اور کن کن باتوں میں نہیں اور ان میں سے ہر ایک کے افعال، اختلافات، مقاصد اور نیتیں بتا دی جائیں اور اس سے مادراء کی طرف اشارہ مقصود تھا جو ایک ہی نفس ہے کبھی مطمئنہ کا روپ دھار لیتا ہے کبھی امارہ کا اور کبھی لوامہ کا۔

اکثر لوگوں پر امارہ ہی حاوی رہتا ہے نفوس مطمئنہ والے کم ہیں۔ لیکن ان کا مرتبہ اللہ کے نزدیک بہت بڑا ہے۔ انہی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یا ایتھا النفس المطمئنۃ الخ۔

کہ اے مطمئن نفس! خوشی خوشی اپنے رب کی طرف لوٹ۔ اللہ تعالیٰ بھی تجھ سے راضی ہے اور میرے بندوں میں اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

ختم شد